چمن کے گل کدہ میں دیکھ نو بہار یہاں　　نسیم صبح ہے گلشن میں مشکبار یہاں
کتاب علم بخاری بکھیر دے زلفیں　　تری طلب میں ہیں عشاق بے قرار یہاں

افادات

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق حفظہ اللہ تعالی

شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

ترتیب و تحقیق و تشریح

محمد عثمان بستوی

فاضل دار العلوم دیوبند و مدرس دار العلوم زکریا

بخاری شریف کے گلے میں عقیدت کا ہار
اور اختتامِ صحیح بخاری کے جلسے کا منظر

چمن کے گل کدہ میں دیکھ نو بہار یہاں ❁ نسیم صبح ہے گلشن میں مشکبار یہاں

کتاب علم بخاری بکھیر دے زلفیں ❁ تری طلب میں ہیں عشاق بے قرار یہاں

چراغِ علم سے دنیا ہے ہر گھڑی روشن ❁ دعا ہے نور کی محفل ہو بار بار یہاں

یہ خوب نور کا سرمہ ہے روشنی کے لیے ❁ تم آؤ جلدی کہ موتی ہے آبدار یہاں

حدیث ماننے والے ہیں تیرے پروانے ❁ ذرا تو دیکھ طلبگار بے شمار یہاں

جو تری گود میں دن رات محوِ لذت تھے ❁ ترے فراق میں روتے ہیں زار زار یہاں

یہاں پہ ہوں گے جو طلاب فارغ التحصیل ❁ خوشی میں حاضرِ خدمت ہیں رشتہ دار یہاں

جو مستفید ہیں مشکاۃ کے چراغوں سے ❁ وہ مضطرب ہیں سراپا ہیں انتظار یہاں

بریلوی ہوں کہیں یا مشائخ دیوبند، ❁ وہابی، پاؤ گے سب کے گلے کا ہار یہاں

جو معترض ہے احادیث کے مطالب پر ❁ وہ شپّرہ ہے، نہیں اس کا اعتبار یہاں

قرآن چشمۂ عرفان، حدیث آبِ حیات ❁ جو نا سمجھ ہے وہ ہے مثلِ شیر خوار یہاں

ترے کمال کا قصہ دراز ہے ساقی
مگر رِضاؔ نے کیا آج اختصار یہاں

فہرست مضامین

طلبہ اور فارغین کے لیے چند مختصر ہدایات

دستار بندی کی حقیقت، ثبوت، اور اس کی مختصر تاریخ

آخری باب کی تشریح

وزنِ اعمال کی بحث

میزان کو بھاری یا ہلکی کرنے والے اعمال

آخری حدیث کی تشریح

متن حدیث کی تشریح

ذکر کی فضیلت، اقسام، شرائط، ثبوت اور اشکالات وجوابات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

صحیح بخاری کا تعارف

خدا حافظ[1]

تو عالم بنا یہ خدا کا کرم ہے ❁ مگر مجھ کو تیری جدائی کا غم ہے

ہے علمِ شریعت محبت کا زینہ ❁ دلوں کی طلب اور آنکھوں کا نم ہے

اکابر کی میراث، عشقِ محمدؐ ❁ یہ بارانِ رحمت یہ ابرِ کرم ہے

مبارک ہو سیرابئ علم تم کو ❁ کہ حاصل تمھیں علمِ شاہِ امم ہے

مگر علم پر ہے عمل بھی ضروری ❁ عمل کے سوا علم کب محترم ہے

معطر ہے سارا جہاں علمِ دین سے ❁ حقیقت میں یہ ارمغانِ حرم ہے

فدا ہو ہمیشہ تو علم و عمل پر ❁ کہ تاریکیوں میں یہ شمعِ امم ہے

تو دنیا میں لہرائے گا دیں کا پرچم ❁ تری یہ فضیلت بھی کیا کوئی کم ہے

پلایا ہے استاذ نے علمِ قرآں ❁ احادیث کا علم تیرا علَم ہے

چکھا ہے یہاں بورئے کا مزہ جب ❁ تو دنیا کی رنگینی زیر قدم ہے

تو چمکا دے ہر ایک کو یا الٰہی ❁ ہماری دعا بس یہی دَم بدَم ہے

ہے دل کا سکوں علم فخر رسل میں ❁ یہ دنیائے فانی صنم ہے صنم ہے

تری حدِّ محنت ہو دیں کی بلندی ❁ ترے ہاتھ میں جان لے جامِ جم ہے

رِضاؔ اپنی قسمت پہ نازاں ہے ہر دم
کہ مصروفِ خیرات اس کا قلم ہے

---

(۱) حضرت مفتی صاحب نے یہ نظم دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ میں ۱۹۹۶ء کے سالانہ جلسہ میں فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے کہی، جس میں مبارک باد کے علاوہ نصائح، مفید باتیں اور مستقبل کے لیے رہنما ہدایات شامل ہیں۔

مقدمہ طبع دوم

الحمد لله وكفى، والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى، خصوصًا على سيدنا محمد الرسول المجتبى، وعلى آله وصحبه، وعلى من اتبع سنته واقتفى، وعلى من اتبع سنتهم وبهم اقتدى، وبهديهم اهتدى، أما بعد:

اللہ تعالی نے اس وسیع کائنات میں کتبِ احادیث کے ذخیرہ میں جو مقبولیت وعالمگیریت اور شہرت صحیح بخاری کو عطا فرمائی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اور اس کتاب کی جتنی خدمت شروح وحواشی کی شکل میں ہوئی وہ بھی اس کتاب کی برتری اور مقبولیت کی دلیل ہے۔

ہم نے ختمِ بخاری کے مواقع پر کیے گئے مختلف بیانات کو بعض اضافات اور تشریحات کے ساتھ مرتب کر کے "بادِ بہاری" کے نام سے شائع کیا۔ اس میں آخری حدیث کی تشریح مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ اور فارغ التحصیل علماء کی خدمت میں پیش کی گئی؛ تاکہ اس مصروفیت کے دور میں مختلف شروح اور حواشی کی مراجعت کی زیادہ ضرورت نہ رہے۔

پہلی مرتبہ ہماری یہ کتاب ہندوستان میں چھپی اور الحمد للہ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے بے حد مقبول ہوئی۔ اب زمزم پبلشرز کے احباب "بادِ بہاری" کو دوبارہ چھاپنا چاہتے ہیں۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ طباعتِ ثانیہ میں دوست واحباب کی خدمت میں ایک اہم بات عرض کریں۔ وہ یہ کہ جلسہ دستار بندی اور اس میں ختمِ بخاری کی مجالس میں آج کل جو اسراف وغلو اور شادی بیاہ جیسا سماں دیکھنے میں آتا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ہمیں مسلمانوں کی حالتِ زار اور کسمپرسی اور مدارس اسلامیہ کی غربت اور حاجت پیش نظر رکھنا چاہئے، اور ہر طرح کے اسراف اور رسم ورواج کی پابندیوں سے پہلو تہی کرنی چاہئے۔ نیز ان جلسوں میں بڑی بڑی پُر رونق دعوتوں سے احتراز کرنا چاہئے، اور جو بڑی بڑی رقمیں ان پر

خرچ ہوتی ہیں ان کو کسی مفید مصرف میں خرچ کرنا چاہیے۔

"بادِ بہاری" تحریر کرنے کی غرض صرف صحیح بخاری کے آخری باب اور آخری حدیث کی تشریح اور اس سے متعلق ابحاث کو خاص ترتیب سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ ہمارے اکابر اور شارحین حضرات نے شروحات میں جو موتیاں بکھیرے ہیں ان کو ہم نے خاص ترتیب کی لڑی میں پرویا ہے۔

تکلفات کے بغیر دستار بندی کے جلسے منعقد کرنے کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی کا ایک وعظ بھی سرمہ بصیرت بنانے کے لائق ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دستار بندی کے جلسے عوام الناس کو دین کی طرف رغبت دلانے کے ذرائع اور وسائل ہیں؛ لہٰذا جو اہلِ مدارس دستار بندی کے پُر تکلف جلسے منعقد نہیں کرتے وہ بھی قابلِ داد ہیں اور جو تکلفات سے بچتے ہوئے جلسون کا اہتمام کرتے ہیں وہ بھی قابلِ ستائش ہیں۔

ہم یہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی کا وہ وعظ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں ان جلسون کی افادیت کو الم نشرح کر دیا گیا ہے:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی کے بیان سے دینی مدارس میں دستار بندی کے جلسوں کا ثبوت اور فضیلت:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا:

"حق تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۰٤) اے مسلمانو! تمہارے اندر ایک جماعت ایسی بھی ضرور ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) ترغیب اور نیک کاموں کا حکم کریں۔ الخ۔

اس میں اعمالِ خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ پس ایسی ایک جماعت کا ہونا واجب ہے جو اعمالِ خیر کی ترغیب دیں۔ اور تعلیم و تعلمِ قرآن کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہو چکا۔ تو اس کی ترغیب دینا بھی ضروری ٹھہرا۔ اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں، ایک تو ان کی اعانت کرنا، ان کی خدمت کرنا، ان کی عزت

وعظمت کرنا، اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کی جائے۔ اس سے بھی فارغین کو مسرت ہونے کے سبب تعلیمِ قرآن کی طرف اور ان کے سرپرستوں کو تعلیم کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے۔ اور تعلم کا سبب بن جانا یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے۔ پس یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے؛ کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسبابِ رغبت میں سے ہے۔ پس صراحۃً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔

غرض اس دستار بندی سے خود لڑکوں کو بھی رغبت ہوتی ہے کہ اگر اچھی طرح یاد کریں گے تو ہماری دستار بندی ہوگی۔ نیز والدین کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے۔ نیز اگر لڑکوں میں صلاحیت ہوئی تو ان کو خیال ہوگا کہ اب ہم بڑے بنادئے گئے ہیں، اب ہم کو تقوی وطہارت اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ تو قرآن سے دستار بندی کا ثبوت اور اس کی فضیلت معلوم ہوئی۔

قرآن کے علاوہ حدیث سے بھی حفاظ کی دستار بندی کا ثبوت ملتا ہے:

اب احادیث سے بھی اس کا ثبوت بیان کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص طہارتِ قلب سے قرآن پڑھے تو اس کے والدین کو قیامت میں ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی کے سامنے چاند وسورج بھی ماند پڑ جائیں گے۔[1]

یہ حدیث صحاح میں موجود ہے اور گو اس میں حافظ کے لیے کسی بات کی تصریح نہیں؛ بلکہ اس کے والدین کا اجر مذکور ہے؛ مگر جب حافظ کی بدولت والدین کا یہ حال ہوگا تو خود اس کے لیے یہ فضیلت بدرجہ اولی ثابت ہوئی؛ چنانچہ اسی حدیث میں یہ بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ تاج کو کچھ خصوصیت ہے اور عمامہ بھی تاج ہے؛ اس لیے اشارۃً اس عمل کا مستحسن ہونا حدیث سے بھی ثابت ہوگیا۔ اور طبرانی کی ایک

---

(۱) عن معاذ الجُهَني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «مَن قرأ القرآنَ وعَمِل بما فيه، أُلبس والداه تاجًا يومَ القيامة، ضوءُه أحسنُ مِن ضَوء الشمس في بيوت الدنيا لو كانت فيكم، فما ظَنُّكم بالذي عَمِل بهذا؟». (سنن أبي داود، رقم:۱۴۵۳).

روایت تو اس مضمون میں بہت ہی صریح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حاکم بناتے تو اس کے سر پر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے۔(۱) اور ظاہر ہے کہ حافظ وعالم بھی قوم کا مقتدا ہونے کی وجہ سے حاکم کے مثل ہے، تو سندِ فراغ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی اس حدیث کے موافق ہے؛ مگر چونکہ مجھے اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں؛ اس لیے میں نے اس کو سب کے بعد میں بیان کیا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تب تو دلیل اس فعل کے مقبول ہونے کی بہت صریح ہے اور اگر صحیح نہ ہو تو گزشتہ دلائل بھی مدعی کے اثبات میں کافی ہیں۔ غرض یہ عمل خلافِ سنت نہیں ہے۔ یہ مختصر بیان اس وقت کافی ہے اب لڑکوں کو بلاکر دستار بندی کردی جائے اور اس وعظ کا نام میں «التعميم لتعليم القرآن الكريم» رکھتا ہوں۔

اس کے بعد دستار بندی شروع ہوئی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے ہاتھ سے سب طلبہ کے سروں پر عمامے باندھے۔ (التبلیغ (سلسلۂ مواعظ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی) ۲۱/۲۳۶-۲۴۰، ط: مکتبہ دانش، دیوبند۔ تحفۃ العلماء ۱/۲۳۱-۲۳۳، ط: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)۔

---

(۱) عن أبي أمامة قال: «كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يُوَلِّي واليًا حتى يُعَمِّمَه، ويُرخِي لها عَذَبةً من جانب الأيمن نحو الأُذن». (المعجم الكبير للطبراني، رقم: ٧٦٤١، وفي إسناده جميع بن ثوب، وهو متروك. ورواه أيضًا: الدولابي في الكنى والأسماء، رقم: ١١٠٩. وتَمَّام في فوائده، رقم: ١٦٨٦).

وفي حديث آخر بإسناد صحيح: «أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر عبد الرحمن بن عوف يتجهز لسرية بعثه عليها، وعممه بعِمامة بيضاء». (أخرجه الحاكم في المستدرك، رقم: ٨٦٢٣، وقال: «هذا حديث صحيح الإسناد، و لم يخرجاه». ووافقه الذهبي).

وعن عبد الله بن بسر قال: «بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عليًّا إلى خيبر فعَمَّمه بعِمامة سوداء». (الأحاديث المختارة للمقدسي (٩/١٠٩/٩٧). وقال السيوطي في الحاوي للفتاوي (١/٣٥٩): «إسناده حسن».

وفي صحيح البخاري: قال سعد بن عُبادة: «يا رسول الله، اعف عنه (أي: عن عبدِ الله بن أُبَيٍّ ابن سَلول) واصفح، فلقد أعطاك الله ما أعطاك، ولقد اجتمع أهل هذه البَحْرَة على أن يُتَوِّجُوه فيُعَصِّبُوه، فلما ردَّ ذلك بالحق الذي أعطاك شَرِق بذلك».(رقم:٥٦٦٣) قال القسطلاني والعيني: «فيعصِّبوه بالعصابة، أي: فيعمِّموه بعمامة الملوك». (عمدة القاري ١٨/١٥٦. إرشاد الساري ٧/٦٨).

مسلمانوں کو ہوشیاری کا دامن تھامنا چاہیے:

ترغیبِ دین کے ساتھ حدودِ دین کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر سادگی کو نظر انداز کرنا قطعاً عقلمندی نہیں۔ بعض جگہوں میں دیکھا گیا کہ دستار بندی کے جلسوں کا منظر کچھ یوں ہوتا ہے:

دیگوں کی قطار، پھولوں کا ہار، جن میں نوٹ ہوتے ہیں بے شمار، کھانوں اور رنگ برنگ مٹھائیوں کی بھرمار، ان کے ساتھ قسم قسم کے مشروبات کی بہار، بے شمار لائٹوں کے انوار، مشرق و مغرب سے جمع ہو جاتے دوست اور رشتہ دار، اور اس مقصد کے لیے دور دور سے کرتے ہیں اسفار، چائے کی پیالیاں ہر آن ہوتی ہیں تیار، خوبصورت کپڑے پہننے کے لیے کیا جاتا ہے انتظار، دوست واحباب بار بار کرتے ہیں محبت وپیار، اور بعض لوگ ان تقریبات کی وجہ سے ہو جاتے ہیں قرضدار، اور جلسوں کو پُر رونق بنانے میں لگے رہتے ہیں لیل ونہار، سب کے ذہنوں میں جلسے کا رہتا ہے خمار۔ سن لیجئے ان تکلفات سے شریعت اسلامیہ ہے بیزار، ضروریات کو چھوڑ کر ان تکلفات میں لگنا ہے باعثِ عار۔ ربنا أدخِلنا الجنة مع الأبرار، وقِنا ربَّنا عذابَ النار.

اللہ تعالی "بادِ بہاری بر ختمِ بخاری" کو قبول ومقبول فرمائے اور اہل مدرسہ اور ہمارے لیے اور ہمارے اساتذہ اور والدین کے لیے اس کو باعثِ اجر وثواب اور ذخیرۂ آخرت بنادے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه أجمعین.

رضاء الحق عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخری ۱۴۴۵ھ / ۵ جنوری ۲۰۲۴ء

دستار بندی سے متعلق مفصل بحث صفحہ نمبر ۹۰ سے ۹۹ تک ملاحظہ فرمائیں۔

مُقَدِّمَة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبيَّ بعده، وعلى آله وأصحابه وعلى من اتبع سنته، أما بعد:

صحیح بخاری کی جلد اول کی تدریس کئی سالوں سے دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ میں بندہ عاجز کے ذمے ہے اور جلد ثانی کی تدریس مدرسہ کے مہتمم مولانا شبیر احمد صاحب کے سپرد ہے۔ صحیح بخاری کی آخری حدیث کی تشریح اور بیان بھی اربابِ اہتمام نے میرے ذمے لگایا ہے۔ سالہا سال سے آخری حدیث کے متعلق کچھ تشریح اور بیان کا سلسلہ جاری ہے۔ کبھی کبھی دوسرے مدارس کے اربابِ اہتمام بھی از راہِ حسنِ ظن میری نااہلی کے باوجود مجھے بلاتے ہیں۔ میں اکثر انکار کرتا ہوں؛ لیکن ان کا اِصرار میرے انکار پر غالب آجاتا ہے۔ چونکہ میرا حافظہ کمزور ہے اس لیے ہر سال میرے بیان میں اکثر یکسانیت نہیں ہوتی اور بیان کے بعض حصے غیر مکرر اور بعض مکرر ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی آسانی اور بار بار مطالعہ سے بچنے کے لیے اپنی بخاری کے حواشی پر بعض اشارات لکھے ہیں، تاکہ ان اشارات کی روشنی میں بیان میں آسانی رہے۔

میرے تصنیف و تالیف کے رفیق اور معاون مولانا عثمان بستوی فاضل دار العلوم دیوبند مدت سے فرما رہے تھے کہ اگر ان بیانات اور اشارات کی روشنی میں صحیح بخاری کے

آخری باب اور آخری حدیث کی تشریحات پر مشتمل رسالہ لکھا جائے تو طلبہ کرام اور خود ہمارے لیے اس کی وجہ سے آسانی ہو گی۔ نیز اس رسالہ میں آخری حدیث کی تشریح کے سلسلے میں بعض دوسرے اہم مضامین اور مفید باتیں بھی زیر تحریر آجائیں گی۔ میں نے لیت ولعل کرنے کے بعد ان کے مشورہ کو قبول کیا، اور ہم نے ان اشارات اور مختلف بیانات کی روشنی میں رسالہ مرتب کرنا شروع کیا۔ اصل متن پر مولانا عثمان صاحب نے تحقیق و تعلیق کا کام کیا اور کام بڑھتے بڑھتے رسالہ کی بجائے کتاب بن گئی۔

چونکہ ختمِ بخاری درحقیقت طلبہ کرام کے لیے سب کتبِ حدیث کے اختتام اور تکمیلِ علم کی علامت اور نشانی ہے؛ اس لیے طلبہ کرام اور ان کے رشتہ داروں میں خوشی کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔ اس خوشی کی مناسبت سے میں نے رسالہ یا کتاب کا نام ''بادِ بہاری بر ختمِ بخاری'' رکھا۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں کچھ اشعار بھی بن گئے اور اس نظم کو حوالہ قرطاس کیا گیا۔

اب کتاب آپ کے سامنے ہے۔ اگر کسی کو اس سے فائدہ پہنچے تو دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ اس کتاب میں مختلف قدیم اور جدید کتابوں اور تقریروں سے استفادہ کیا گیا ہے اور اس کے شروع میں نصیحتوں پر مشتمل دو بیان بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول اور مقبول فرمادیں اور اس کو ہمارے اور ہمارے اساتذہ ومشائخ اور اربابِ اہتمام کے لیے دونوں جہاں میں وسیلۂ ظفر بنادیں۔

رضاء الحق عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ / ۱۶ نومبر ۲۰۲۳ء

تقریظ

از: حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سالوجی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ
استاذ حدیث و مہتمم دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندوں کو اس سے جوڑنا افضل ترین اعمال میں سے ہے؛ بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا اہم مقصد ہے۔ اسی غرض سے اصلاح کے مختلف طور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک وعظ و نصیحت کی مجالس بھی ہے، بالخصوص ختمِ بخاری شریف اور دستاربندی کی مجلس متعدد وجوہ سے لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ طلبہ وعلماء کے علاوہ عوام وخواص بھی اس میں شرکت فرماتے ہیں۔ مشائخِ حدیث اس موقعہ کو غنیمت جان کر علماء وطلبہ کے لیے رہنما اصول اور عام لوگوں کے لیے اصلاحی باتیں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ایسی مجالس منعقد کرنے کا سب سے اہم مقصد اور فائدہ غفلت کی زندگی سے توبہ کرنا، اللہ کی رضامندی والی زندگی گزارنے اور اپنے دل کی دنیا سنوارنے کا عزم کرنا ہوتا ہے۔ بعض اہلِ علم کی ختمِ بخاری کی تقریریں چھپ چکی ہیں، اور منظرِ عام پر آکر مفیدِ عوام وخواص بن چکی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب «بادِ بہاری بر ختمِ بخاری» میرے استاذ مکرم حضرت مفتی رضاء الحق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ / شیخ الحدیث ومفتی دارالعلوم زکریا کے افادات کا مجموعہ ہے۔

استاذ مکرم حضرت مفتی صاحب تیس سال سے زائد عرصے سے دار العلوم زکریا کے شیخ الحدیث ہیں اور ختمِ بخاری کا درس عموماً آپ ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کے ساتھ لگاؤ، غیر معمولی فہم، حیرت انگیز وسعتِ مطالعہ، تفہیم کا عجیب ملکہ، طویل

تجرباتی علمی زندگی، اکابر سے خصوصی استفادہ، اور طلبہ کی خیر خواہی اور ان کی قدر دانی جیسی عظیم صفات سے نوازا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آپ کی تالیفات اہلِ علم کے حلقے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی تصنیفات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں بہت سے البیلے اور انوکھے مضامین پائے جاتے ہیں جو آسانی سے دیگر کتابوں میں دستیاب نہیں ہوتے۔

زیرِ نظر کتاب ختمِ بخاری شریف کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک وقیع اضافہ ہے۔ اس کتاب میں بخاری شریف کے آخری باب اور آخری حدیث کی ضروری توضیح و تشریح کے علاوہ بہت سی اہم اور مفید باتوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً: دین کی فہم کے چھ درجات: شعور، معرفت، علم، فقہ، حکمت اور علمی لدنی پر تفصیلی بحث۔ فقاہت اور حکمت کے متعدد واقعات۔ علم تصوف کی اہمیت وضرورت۔ طلبہ اور فارغین کے لیے مختصر ہدایات۔ علماء کے اوصاف اور ان کی ذمہ داریاں۔ دستار بندی کی حقیقت، ثبوت اور اس کی مختصر تاریخ۔ اکابر علمائے دیوبند حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمہا اللہ کے ہاتھوں متعدد علماء کی دستار بندی، اور جلسہ دستار بندی میں ان کی شرکت کے واقعات۔ مسئلہ خلقِ قرآن اور وزنِ اعمال کی تفصیلی بحث۔ میزان کو بھاری اور ہلکا کرنے والے اعمال۔ ذِکر کی فضیلت، اقسام، شرائط، ثبوت اور ذکر اجتماعی وجہری پر ہونے والے اشکالات اور ان کے مدلل و مختصر جوابات۔ التزام اور دوام میں فرق۔ امام بخاری کے حالات اور صحیح بخاری کا تعارف۔

اللہ تعالی اس کتاب کو حضرت مفتی صاحب، مرتب اور قارئین کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ حضرت کی عمر میں برکت عطا فرما کر تادیر ہمیں آپ سے مستفید فرمائے، اور آپ کے افادات کو بہتر سے بہتر طور پر منظرِ عام پر لانے کے لیے ہمیں موفق فرمائے۔ وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

شبیر احمد سالوجی عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ / ۱۶ نومبر ۲۰۲۳ء

مبارک ہو تم کو یہ ختم بخاری[1]

ہمارے مدارس کا فیضان جاری ❁ مبارک ہو تم کو یہ ختم بخاری

یہ دل کی تمنا یہ احساں ہے یارو ❁ کہ "قال النبی" ہے فضاؤں میں ساری

علومِ نبوت دلوں کی جلا ہے ❁ پڑی آپ پر ذمہ داری ہے بھاری

جو عالم ہو دن رات کرتا ہے محنت ❁ قرار و سکوں میں عجب بے قراری

مشائخ کی محنت عجب رنگ لائی ❁ کہ عشاق پر بے خودی سی ہے طاری

علوم نبوت میں خوشبو کی لہریں ❁ یہ پھولوں کا گجرا یہ بادِ بہاری

جو فارغ ہوئے جاگ اٹھی ان کی قسمت ❁ شگفتہ گلوں پر ہوا فضل باری

ہو پیش نظر علم و اصلاحِ باطن ❁ ہے تبلیغ و دعوت کی بھی ذمہ داری

خوشی بھی یہی ہے مزہ بھی یہی ہے ❁ کہ گلشن کی ہر دم کرو آبیاری

منور کرو شش جہت علم دیں سے

رِضاؔ یہ زمیں ہے فقط بس ہماری

---

(۱) جنوبی افریقہ کے ایک مدرسہ میں پہلی مرتبہ ختم بخاری شریف کے موقع پر اہل مدرسہ نے نظم کی خواہش ظاہر کی، حضرت مفتی صاحب نے ان کی خواہش پر یہ نظم تحریر فرمائی، جس میں طلبہ کے لیے قیمتی نصائح بھی شامل ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين. أما بعد:

عن عبد الله بن عمرو، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم: «الراحمون يَرحَمُهم الرحمنُ، ارحَمُوا أهلَ الأرض يَرحَمْكم مَن في السماء». (سنن أبي داود، رقم: ٤٩٤١).

حدیث مسلسل بالاولیت:

مذکورہ حدیث کو مسلسل بالاولیت کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر راوی نے اپنے استاذ سے سب سے پہلے یہ حدیث سنی؛ البتہ اس حدیث میں تسلسل بالاولیت صرف سفیان بن عیینہ تک ہے۔ اس کے بعد تسلسل ثابت نہیں۔[١]

اس حدیث سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا استقرار آسمان میں ہے۔ اس کی تاویل امام بیہقی نے یہ فرمائی ہے کہ تم اسفل والوں پر رحم کرو اللہ تعالی جو اعلی ہے تم پر رحم

---

(١) قال الحافظ ابن حجر: وأما الحديث المسلسل بالأولية، وهو حديث «الراحِمون يَرحَمُهُمُ الرحمنُ...»، فإنه انتهى فيه التسلسل إلى سفيان بن عيينة. قال السخاوي: «والمعتمد تسلسله إلى ابن عُيَينة خاصةً، كما سُقناه، ومن سَلسَله إلى منتهاه فهو إمَّا مُخطئ، أو كاذِب». (الجواهر المكللة في الأحاديث المسلسلة، ص٦٣، للسخاوي، ط: دار الفتح).

والراوي الصحابي: عبدُ الله بن عمرو بن العاص، روى عنه عمرو بن دينار، وروى عنه أبو قابوس، وروى عنه سفيان بن عُيَينة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «الرَّاحِمون يَرحَمُهُم الرحمنُ تبارَك وتعالى، ارْحموا مَن في الأرض يَرحَمْكم من في السَّماء». قال السخاوي: «هذا حديث حسن».

ورواه الترمذي (رقم: ١٩٢٤) بدون تسلسل وقال: «هذا حديث حسن صحيح».

واستحسن الأئمة، وأصحابهم أن يكون هذا الحديث أول حديث يلقنه الشيوخ لأصحابهم؛ ليتعاملوا مع الناس بالرحمة، ولتَشيع الرحمة بين الناس، وهذا حق، وخير. (تعليقات الشيخ محمد عوامة على تدريب الراوي ٨٤/٥).

کرے گا۔ علاوزہ ازیں بعض حضرات نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے؛ لیکن اس کی سند میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے مولی ابو قابوس ہیں، ان کو حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے؛ لیکن اس کی تعلیق میں شیخ بشار اور شیخ شعیب ارنؤوط نے ان کو مجہول کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: «بل مجهول فقد تفرد بالرواية عنه عمرو بن دينار، و لم يوثقه أحد، وذكره البخاري في «الضعفاء»، وتصحيح الترمذي حديثه (١٩٢٤) لأن له ما يعضده». (تحرير تقريب التهذيب ٤/٢٥٥).

حدیث مسلسل کی میری سند:

اس حدیث کی میری سند اس طرح ہے:

رضاء الحق، عن الشيخ المفتي محمود حسن الكنكوهي، عن الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي، عن الشيخ خليل أحمد السهارنفوري، عن الشيخ عبد القيوم البدهانوي، عن الشيخ محمد إسحاق، عن الشيخ عبد العزيز، عن الشاه ولي الله الدهلوي.

اس کے بعد تسلسل شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب «الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين» میں موجود ہے۔

مولانا عبد القیوم بڑھانوی رحمہ اللہ کے والد مولانا عبد الحی بڑھانوی سید احمد شہید رحمہ اللہ کی مجلس شوری کے ممبر تھے۔ مولانا عبد الحی کا وصال بواسیر کے مرض میں پاکستان صوبہ پختونخواہ میں بٹ خیلہ قصبہ کے قریب ہوا اور اس کے بہت بڑے مقبرے میں مدفون ہیں۔ سید صاحب مولانا عبد الحی کو شیخ الاسلام اور مولانا اسماعیل شہید کو حجۃ الاسلام کہتے تھے۔

خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کو شاہ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ سے بھی حدیث مسلسل بالاولیت باجابۃ الدعاء عند الملتزم کی اجازت حاصل ہے۔

دار العلوم دیوبند میں شیخ عبد الحق اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، دار العلوم وقف میں مولانا سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مظاہر علوم سہارنپور میں شیخ محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مسلسلات پڑھاتے تھے۔

ہمارے علاقے میں ایک مولانا عبد الرحمن مینوی تھے، انھوں نے «جواهر الأصول

في مصطلح أحاديث الرسول» کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ اتفاق سے پچھلے سال اس رسالے پر تعلیقات اور تحقیق کا کام ہم نے اور ہمارے ساتھیوں نے کیا۔ اس رسالے میں ہماری اسانید کی تفصیل اور اسانید میں جو رجال اور شخصیات آئی ہیں ان کی بھی تفصیل موجود ہے۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے تقریباً پانچ چھ مہینے میں اس کا ایک ایڈیشن ختم ہو گیا اور اب الحمدللہ اس کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے۔

حدیث مسلسل کی تعریف، اس کی اقسام و فوائد اور مختلف مدارس میں مسلسلات پڑھانے کا اہتمام:

حدیث مسلسل کی تعریف: رجالِ سند کا ایک وصف یا ایک حالت پر تسلسل کے ساتھ قائم رہنا۔

حدیث مسلسل میں عموماً کوئی نہ کوئی خلل یا ضعف ہوتا ہے؛ اگرچہ وہ حدیث بغیر تسلسل کے صحیح ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: «وأصح مسلسل يروَى في الدُّنيا المسلسل بقِراءة سورة الصَّف». **اور امام سیوطی فرماتے ہیں:** «وكذا المسلسل بالحفاظ، والفقهاء». (اليواقيت والدرر شرح نخبة الفكر ٢/٢٨٦، للمناوي).

مسلسلات کا فائدہ:

حدیث مسلسل میں تدلیس کا احتمال نہیں ہوتا۔ نیز تسلسل کی وجہ سے رواۃ کا مزید ضبط اور اور احادیث کی کیفیات تک کو محفوظ رکھنے کا اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث مسلسل شریعتِ محمدیہ کی اس خصوصیت پر بھی مشتمل ہے کہ راویوں نے متون کے ساتھ ساتھ احادیث اور راویوں کی کیفیات کو بھی محفوظ کیا ہے۔

حدیث مسلسل کی اقسام:

(۱) مسلسل قولی۔[1]

---

(١) المسلسل القولي، كقوله عليه السلام لمعاذ بن جبَل رضي الله عنه: «يا معاذ، والله إني لأُحِبُّك».

(۲) مسلسل فعلی۔ (۱)

(۳) مسلسل بصفات الرواۃ الأئمۃ۔ (۲)

(۴) مسلسل بحالۃ عارضۃ۔ (۳)

رواه أبو داود، وذكر التسلسل من الصنابحي إلى النبي صلى الله عليه وسلم. ورواه السخاوي في «الجواهر المكللة» وذكر التسلسل من شيخِه أحمد بن الشَّرف الأزهري إلى النبي صلى الله عليه وسلم، وقال: «هذا حديث صحيح المتن، والتسلسل». (الجواهر المكللة، ص: ٣٠٥-٣٠٩).

(١) والمسلسل الفعلي، كالمسلسل بالمصافحة. رواه السخاوي عن شيخه أبي العباس أحمد بن علي بن محمد المؤذِّن مسلسلاً بقولهم: «فما مسستُ خزًّا، ولا حريرًا ألْيَن من كفِّه» (أي: كف شيخه) إلى أنس بن مالك رضي الله عنه أنه قال: «صافحتُ بكفِّي هذه كفَّ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، فما مسستُ خَزًّا، ولا حريرًا ألْيَن من كَفِّ رسول الله صلى الله عليه وسلم».

والحديث أخرجه البخاري (رقم: ١٩٧٣)، ومسلم (رقم: ٢٣٣٠) بدون تسلسل. أما الإسناد المسلسل بالمصافحة فهو باطل. قال السخاوي: «وهو مع كونه متصلا عندنا... باطل، فأبو هُرمز واسمه نافع، ضعَّفوه؛ بل كذَّبه ابن مَعين مرة ... ويُتَعَجَّب من قول كل مِن رُواته أنه ما مسَّ خَزًّا، ولا حريرًا ألين مِن كفِّ شيخه». (الجواهر المكللة، ص: ٤٠٠-٤٠٤).

ورواه الشاه ولي الله المحدث الدهلوي في «الفضل المبين» (ص: ٤٣-٤٥)، والشيخ محمد بن أحمد الحنفي المكي في «الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة» من طريق أبي هرمز مسلسلا بقولهم لشيوخهم: «صافحني بالكف التي صافَحت بها ...(وذكَر اسمَ شيخِه)» فصافَحَهُ.

(٢) المسلسل بصفات الرُّواة، كالمسلسل بالفقهاء، أو الحفاظ، أو المعمرين، أو الصوفيين. ومثاله: ما رواه السخاوي عن شيخه أبي الفتح محمد بن الزَّين الشافعي، بإسناده إلى ابن عباس رضي الله عنهما، الذي دعا له النبي صلى الله عليه وسلم فقال: «اللهم فَقِّهْهُ في الدين، وعلِّمهُ التأويلَ»، قال: «قُتِل رجل من بني عدي، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم ديتَه اثني عشر ألفا». ورجال إسناده كلهم من الفقهاء. والحديث أخرجه أبو داود (رقم: ٤٥٤٦) بدون تسلسل الفقهاء، وإسناده حسن. وأما قوله صلى الله عليه وسلم: «اللهم فَقِّهْهُ في الدين، وعلِّمهُ التأويلَ»، أخرجه أحمد (رقم: ٢٣٩٧) وغيره، وهو حديث صحيح.

(٣) المسلسل بالحالة العارضة، كما يقول: «حدثني فلان وهو يتبسم، قال: حدثني فلان وهو يتبسم». مثاله: ما رواه السخاوي عن شيخه الحافظ ابن حجر مسلسلا بقولهم: «حدثني... وهو يَتبَسَّم»، بإسناده إلى أنس بن مالك، وهو يتبسم، ثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يتبسم،

(۵) مسلسل بزمان مخصوص۔ [۱]
(۶) مسلسل بمکان مخصوص۔ [۲]

حدثني جبريل عليه السلام وهو يتبسم، قال: «آخر من يدخل الجنة رجلٌ يقال له: مُرَّ على الصِّراط، فيَتعلَّق بيدٍ وتزِلُّ به أُخرى...». الحديث.

وإسناده ضعيف، لضعف سعيد بن زَرْبي، وغيره. ولكن للمتن شاهد في صحيح مسلم من حديث ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعًا: «آخر من يدخل الجنة رجل يمشي مرةً ويكْبُو مرةً...». الحديث. (انظر: الجواهر المكللة في الأخبار المسلسلة، ص: ٤٤٠-٤٤٣).

(١) المسلسل بالزمان المخصوص، كما يقول: «حدثني فلان يوم عيد، قال: حدثني فلان يوم عيد». مثاله: ما رواه السخاوي عن شيخه الحافظ ابن حجر مسلسلا بقولهم غالبًا: «في يوم عيد فطر» بإسناده إلى ابن عباس رضي الله عنهما قال: شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فطر، وأضحى، فلما فرغ من الصلاة أقبل صلى الله عليه وسلم علينا بوجهه، فقال: «يأيها الناس قد أصبتم خيرا، فمن أحبَّ أن ينصرِف فلينصرفْ، ومن أحبَّ أن يقيم حتى يسمعَ الخطبة فليُقِم». (الفضل المبين، ص: ١٣٣-١٣٤، والجواهر المكللة، ص: ٧٦-٨٣).

جزم الذهبي، وابن حجر بوضعه، لكنهما تردَّدا في الواضع له بين أبي عبيد الله الفراسي الخطيب، وشيخه بشر بن عبد الوهاب الأموي مولاهم، انظر: ميزان الاعتدال (٣٢٠/١)، ولسان الميزان (٢٥/٢).

نعم شهِد ابن عباس رضي الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم العيد، كما في «صحيح البخاري» (رقم: ٩٧٥) قال ابن عباس: «خرجتُ مع النبي صلى الله عليه وسلم يوم فطر، أو أضحى فصلى، ثم خطب، ثم أتى النساءَ، فوعظهن، وذَكَّرَهن، وأمَرَهُنَّ بالصدقة».

والحديث أخرجه الطبراني في «المعجم الكبير» (رقم: ١٣٥٩١) عن ابن عمر رضي الله عنهما من طريق سعيد بن راشد السماك بدون تسلسل، وسعيد هذا متروك الحديث.

وأخرجه أبو داود (رقم: ١٠٧٣) عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: «قد اجتمع في يومكم هذا عيدان، فمن شاء أجزَأَه من الجمعة، وإنا مُجَمِّعُون». وإسناده صحيح. وهذه رخصة لأهل البوادي الذين يردون الأمصار للعيد، والجمعة خاصةً. كما روى مالك في «الموطأ» (رقم: ١٩٢) عن عثمان بن عفان أنه خطب، وقال: «إنه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان. فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة، فلينتظرها. ومن أحب أن يرجع، فقد أذنت له». وقوله صلى الله عليه وسلم في حديث أبي هريرة «وإنا مُجَمِّعُون» دليل واضح على أن الجمعة لا تسقط عن أهل الأمصار إذا اجتمع العيدان، وبه قال مالك، وأبو حنيفة، والشافعي رحمهم الله تعالى.

(٢) المسلسل بذكر المكان المخصوص، كقول الراوي مع رواية الحديث: «والله ما أهمني أمر فدعوت

مسلسل کی اور بھی بعض اقسام ہیں، جنہیں شیخ نور الدین عتر نے اپنی کتاب "منہج النقد فی علوم الحدیث" (ص:۳۵۴-۳۵۸) میں مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مسلسلات کے موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کے نام ملاحظہ فرمائیں:

١- «العذب السلسل في الحديث المسلسل»، للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، المتوفى سنة: ٧٤٨هـ.

٢- «الجواهر المفضَّلات في الأحاديث المسلسلات»، لابن الطيلسان: أبي القاسم، القاسم بن محمد الأنصاري القرطبي، المتوفى سنة:٦٤٢هـ.

٣- «جياد المسلسلات»، و«المسلسلات الكبرى»، كلاهما للإمام عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي، المتوفى سنة:٩١١هـ.

٤- «المناهل السِّلسلة في الأحاديث المسلسلة»، للشيخ محمد عبد الباقي الأيوبي، المتوفى سنة:١٣٦٤هـ.

٥- «الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين» للشيخ الشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله تعالى، المتوفى سنة: ١١٧٦هـ، وهو من أشهرها في شِبه القارة الهندية والباكستانية وبنغله ديش.

الله عز وجل في الملتزم إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من فلان». مثاله: ما رواه السخاوي عن شيخه أبي الفتح محمد بن أبي بكر المدَني، بإسناده إلى عمرو بن دينار، يقول: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: «الملتزم موضع يستجاب فيه الدعاء، وما دعا الله تعالى فيه عبد دعوةً إلا استجابها». قال ابن عباس: «فوالله ما دعوتُ الله عزَّ وجلَّ فيه قط إلا أجابني». وقال عمرو: «وأنا والله ما أهمني أمر فدعوت الله عز وجل فيه إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من ابن عباس». وتسلسل جميع الرواة مثل قول عمرو بن دينار.

وهذا موضوع، جزم الذهبي، وابن حجر بوضعه، واتهما بوضعه ابن راشد الأنصاري. راجع: ميزان الاعتدال (٥١٨/٣)، ولسان الميزان (٧٥/٧).

ختمِ بخاری شریف کی مناسبت سے طلبہ و علماء اور عوام و خواص کے لیے چند مفید باتیں

ختمِ بخاری شریف اور دستار بندی کی مجلس متعدد وجوہ سے لوگوں کے لیے دلچسپی کا مرکز ہے۔ طلبہ و علماء کے علاوہ عوام و خواص بھی اس میں شرکت فرماتے ہیں۔ علمائے کرام اس موقعہ کو غنیمت جان کر طلبہ کے لیے کچھ رہنما اصول اور لوگوں کے مناسب اصلاحی باتیں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہم بھی اس موقعہ کی مناسبت سے چند مفید باتیں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں:

تعلیمی نصاب سے فراغت اور نکاح میں مناسبت:

ماشاء اللہ تعالی آپ فارغ التحصیل ہو رہے ہیں۔ فارغ التحصیل کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے مکمل علم حاصل کر لیا؛ بلکہ آپ کے اندر اب دین کے سمجھنے اور مزید علم حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی، علمِ دین کے دریچوں کے کھولنے کی چابی آپ کے ہاتھوں میں آ گئی، اور طالب علمی کے زمانے میں جو بوجھ استاذ پر تھا اب وہ بوجھ آپ کے کندھوں پر آ پڑا۔ بعض مؤلفین اور اکابر سے شادی کے متعلق چند مقولے منقول ہیں وہ فارغ التحصیل حضرات پر خوب منطبق ہوتے ہیں:

نکاح کیا ہے ؟:

اس سوال کے جواب میں یہ چند جملے کچھ اضافہ کے ساتھ کچھ یوں ہیں:

١- سُرور شهر. ٢- غموم دهر. ٣- لزوم مهر. ٤- وقوع قهر. ٥- كسر ظهر. ٦- نزول قبر.

سب سے پہلے سُرور شہر ہے۔ فراغت کے بعد چند دن کی خوشی، دعوتیں، نئے کپڑے اور مبارکبادیاں ہوں گی۔

اس کے بعد غموم دھر ہے۔ پوری زندگی کی فکر ہے۔ العلمُ من المهْد إلى اللَّحْد کا منظر ہوگا۔ ڈاکٹر حضرات اور دوسرے کوالیفائڈ لوگ فارغ ہونے کے بعد رات کو آرام سے سو جاتے ہیں اور صبح ڈیوٹی کرتے ہیں، آپ کو ہمیشہ مطالعہ اورافادہ واستفادہ میں مشغول رہنا پڑے گا۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے ❁ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کئے

اپنے لہو کے گھونٹ پی ❁ زخم پر زخم کھا کے جی

آہ نہ کر لبوں کو سِی ❁ عشق ہے، دل لگی نہیں

سینے پر تیر کھائے جا ❁ آگے قدم بڑھائے جا

یعنی زبان حال سے ❁ کہہ دے کہ ہاں! ستائے جا

مجھے دنیا سے کیا مطلب ❁ یہ معہد ہے وطن اپنا

مروں گا میں کتابوں پر ❁ ورق ہوگا کفن اپنا

مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولكن الكتاب كتاب علم ❁ سميري في الليالي والنهار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علمی سفر کے بارے میں فرمایا: ﴿لَقَدۡ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبٗا ۝٦٢﴾ (الكهف: ٦٢) (ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔)

اس کے بعد لزوم مھر ہے۔ پھر نکاح میں مہر دینا پڑتا ہے۔ گویا عالم کی علم کے ساتھ شادی ہوگئی ہے تو اس کا مہر ادا کرنا پڑے گا۔ عالم کے لیے کتب خانہ چاہئے، کتابوں کا الگ

ایک کمرہ یا کئی کمرے چاہئیں، یا بڑا مناسب مکان چاہئے۔ کتابوں کے لیے روپیے اور ریٹڑ ہونا چاہئے، الماریاں اور کتابوں کی جلد بندی ہونی چاہئے، پھر علم کی نسبت سے آپ کے مہمان آئیں گے۔ پھر ان کے لیے انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ان سب کے لیے اچھی خاصی رقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ احباب کی غمی وشادی میں شرکت کے لیے بھی اسباب چاہئے۔ اللہ تعالی علماء کو اتنا غنا عطا فرمائے کہ وہ دینی اور دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کسی کے محتاج نہ ہوں۔

مولانا عبد اللہ پٹیل کاپودروی فرماتے تھے کہ مولانا عبد الرؤف پشاوری (جو چارسدہ، صوبہ پختون خواہ کے رہنے والے تھے اور ڈابھیل میں استاذ الحدیث اور شیخ الحدیث تھے، وہ) استاذ تھے اور میں طالب علم تھا اور ان کے سر کی مالش کرتا رہتا تھا۔ ایک دن فرمایا: عبد اللہ آپ نے کسی لوہار کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے کام کے لیے دوسروں کے اوزار استعمال کرتا ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ پھر فرمایا: کسی بڑھئی کو دیکھا ہے جو دوسروں کے آلات استعمال کرتا ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ پھر فرمایا: حجام کو دیکھا ہے کہ وہ کسی اور کے اوزار استعمال کرتا ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: ان مولوی حضرات اور طلبہ کو کیا ہوا کہ وہ دوسروں کی کتابیں استعمال کرتے ہیں، اپنی کتابیں نہیں خریدتے۔ اپنی کتابوں میں استاذ کی تقریر اور شروحات کا خلاصہ لکھنا بھی مفید ہوگا اور مستقبل میں کام آئے گا۔ یہ لزومُ مَھر ہے۔

اس کے بعد وقوع قھر ہے۔ دوسروں کی طرف سے دباؤ اور قہر بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ عالم کو تبلیغ ودعوت سے منسلک ہونا چاہئے۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہترین میدان ہے اور اپنی اصلاح کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس میں لوگوں کا قہر وغضب برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ آپ کو مسجد سے نکالیں گے بعض کہتے ہوں گے کہ آپ غیر مسلموں کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ بعض لوگ آپ کو دیکھتے ہی دروازہ بند کریں گے۔ خود اپنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ کبھی آپ کو مسجد میں امامت اور خطابت کی ذمہ داری ملے گی تو کمیٹی اور مسجد کے چیرمین کی باتیں سننی پڑے گی۔ وقت پر جانے کی پابندی کرنی پڑے گی۔ پڑھنے والے بچوں کے ساتھ نہ زیادہ نرمی کرسکتے ہیں نہ زیادہ سختی۔

کرنے کی صورت میں ملامت کا نشانہ بننا پڑے گا۔ مختلف دینی کاموں کی وجہ سے گھر میں دیر سے آنے یا گھر والی کو زیادہ وقت نہ دینے کی وجہ سے بیوی کی ملامت کا نشانہ بنو گے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ کے ساتھ انگلینڈ کا ایک شاگرد حج یا عمرہ میں شریک سفر تھا۔ ایک تجارتی کتب خانہ میں گئے۔ شیخ الحدیث مرحوم نے شاگرد عالمِ دین سے فرمایا: فلاں فلاں کتاب خرید لو۔ شاگرد نے کہا: بیوی ناراض ہو جاتی ہے کہ ہر جگہ کتابیں پڑی ہوئی ہیں، گھر میں جگہ نہیں۔ شیخ الحدیث صاحب ہنسے اور فرمایا ان کو سمجھا دو کہ ہماری یہ عزت و مرتبہ ان کتابوں کی برکت سے ہے، کتابیں نہ ہوں تو ہم کچھ نہیں۔

بعض بیویاں کبھی تند مزاجی کی وجہ سے اس شعر کا مصداق ہوتی ہیں:

وتَفْتح لا كانت فمًا لو رأيتَه ۞ تَوَهَّمتَه بابًا من النّار يُفتح

یہ سب مراحل آپ کو درپیش ہیں اور ان میں استقامت کی ضرورت ہوگی۔

اس کے بعد کسر ظہر کا نمبر ہوگا۔ کام کی زیادتی اور دن رات کی مشغولی اور مطالعہ اور اسباق کو ذہن نشین کرتے کرتے صحت پر اثر پڑے گا اور مختلف بیماریوں کا شکار بن جائیں گے۔ آنکھوں کی کمزوری، دماغ کا ضعف، گھٹنوں کا درد، بلڈ پریشر اور شوگر اور بے شمار بیماریاں لاحق ہوں گی اور بڑھاپا الگ ایک مرض ہے۔ آخر کمر جھک جائے گی۔

اور آخر میں نزول قبر کا مرحلہ آئے گا۔ جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ موت اور قبر کی گود میں سو جائیں گے۔[1]

---

(١) **ان مقولات کے حوالے درج ذیل ہیں:** قال ابن عبد البر القرطبي: «كان يقال: النكاح فرح شهر، وغم دهر، ووزن مهر، ودق ظهر». (بهجة المجالس وأنس المجالس، ص١٨٣. لأبي عمر يوسف بن عبد الله بن محمد النمري القرطبي، المتوفى: ٤٦٣هـ).

وقال الأصمعيّ: «النكاح فرح شهر، وترح دهر، وكسر ظهر، وإلزام مهر». وقيل: «التزوُّج سرور شهر، وغموم دهر». سئل حكيم عن التزوّج فقال: «بقل شهر، وشوك دهر». (روض الأخيار المنتخب من ربيع الأبرار، ص٢٩٤، لمحمد بن قاسم بن يعقوب الأماسي الحنفي، (المتوفى: ٩٤٠هـ) الناشر: دار القلم العربي، حلب).

فارغ التحصیل علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟:

مکاتب و مدارس، مساجد و خانقاہیں، تبلیغی جماعت اور دینی و امدادی تنظیمیں ، چھ ذمہ داریوں سے آپ کا نکاح۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں :

طویت بإحراز العلوم وكسبها ۞ رِداء شبابي والجنون فنون

فلمّا تحصَّلت العلوم ونِلتها ۞ تبيَّن لي أن الفنون جنون

(شذرات الذهب ٨/٥٤٨).

ترجمہ: میں نے علم کے جمع کرنے اور اسے حاصل کرنے میں اپنی جوانی کی چادر کو لپیٹ دیا (جوانی صرف کر دی) اور جنون کی مختلف اقسام ہیں۔ جب میں نے علم کو حاصل کر لیا اور اسے پالیا تو مجھے پتا چلا کہ علوم جنون ہیں۔

اور جعفر علی حسرت کا شعر ہے:

تمہیں غیروں سے کب فرصت ۞ ہم اپنے غم سے کب خالی

چلو بس ہوچکا ملنا ۞ نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور بعض علماء فرماتے ہیں:

سَهَري لِتَنْقِيحِ العُلُومِ أَلَذُّ لي ۞ مِنْ وَصْلِ غَانِيةٍ وطِيبِ عِنَاقِ

وتمايلي طَرَبًا لحلِّ عَويصةٍ ۞ في الدَّرْسِ أَشْهَى مِنْ مُدَامَةِ سَاقِ

وصَريرُ أقلامي على أوراقِهَا ۞ أحلى منَ الدَّوْكاهِ والعُشَّاقِ

وَأَلَذُّ مِنْ نَقْرِ الفتاة لِدُفِّهَا ۞ نَقْري لأُلقِيَ الرَّمْلَ عن أوراقي

يا مَن يُحاوِل بالأمَاني رُتْبَتي ۞ كَم بَينَ مُسْتَفِلٍ وآخرَ راقي

وفي حاشية البجيرمي على شرح المنهج (٢٢١/٣): «ونقَل الثَّعالِبيُّ عن بعضهم أنَّه قال: النِّكاح فرَحُ شهْرٍ وغَمُّ دهْرٍ ووَزْنُ مهْرٍ ودَقُّ ظَهْرٍ». كذا في حاشية البجيرمي على شرح المنهج. وشرح المنهج للعلامة زكريا الأنصاري المصري الشافعي ، وحاشيته لسليمان بن محمد البُجَيْرَمِيّ.

أأبيتُ سَهرانَ الدُّجى وتَبِيتُه ۞ نَوْمًا وَتَبْغي بَعْدَ ذَاكَ لحَاقِي[1]

ترجمہ: علوم کی تحقیق وتہذیب کے لیے شب بیداری مجھے زیادہ لذیذ ہے فطری حسینہ کی ملاقات اور معانقہ کی لذت سے۔ اور میرا درس میں کسی مسئلہ کو حل کرتے ہوئے خوشی سے جھومنا مجھے ساقی کی شراب سے زیادہ پسند ہے۔ اور کاغذ پر چلنے والے قلم کی آواز مجھے زیادہ پیاری ہے عاشقوں کے گانے کی آواز سے۔ اور کسی دوشیزہ کی دف پر چلنے والی انگلیوں سے زیادہ میری کاغذ سے ریت صاف کرنے والی انگلیاں مجھے پسند ہیں۔ اے خواہشوں سے میرا درجہ تلاش کرنے والے! ایک ادنی اور نفیس انسان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے! میں شب

(۱) قال العلامة المفسر شهاب الدين الآلوسي المتوفى ١٢٧٠هـ في كتابه «غرائب الاغتراب» (ص٦١، ط: مطبعة شابندار، بغداد): «ويحق لي أن أقول غير مبال بحسود جهول». ثم أوردها.

احمد بن حمید القزوینی (م:۱۹۹۲ء) نے بھی اپنی کتاب «النوادر في الأخبار والأشعار والطرف الأدبية» (ص۱۱۸) میں ان اشعار کو علامہ آلوسی کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ زمخشری کی تفسیر ''الکشاف'' (تعليق: خليل مأمون شيحا، ط: دار المعرفة بيروت، الطبعة الثالثة، ص١٢٣٣) کے آخر میں مذکورہ اشعار کو علامہ زمخشری کا کلام قرار دیا گیا ہے۔

علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیہ (۱/۲۲، ط: المکتبۃ العربیۃ، کوئٹہ) میں، اسی طرح علامہ شامی نے در مختار کے حاشیہ (۱/۳۱، ط: دار الفکر) میں شروع کے چار اشعار نقل فرمائے ہیں، اور دونوں حضرات نے تاج الدین سبکی کی طرف ان اشعار کی نسبت کی ہے۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے ''صفحات من صبر العلماء'' (ص۱۳۹) کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ آلوسی اور تاج الدین سبکی نے ان اشعار کو تمثیلاً ذکر فرمایا ہے۔ یہ اشعار علامہ زمخشری کے شعر اور ان کے اسلوب کے زیادہ مشابہ ہیں؛ لیکن شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے علامہ زمخشری کے ترجمے کے جن مصادر کی طرف رجوع کیا ان میں یہ اشعار انہیں نہیں ملے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس میں یہ اشعار موجود ہیں وہ علامہ آلوسی کی ''غرائب الاغتراب'' ہے، اور علامہ آلوسی نے چونکہ ان اشعار کو اپنی طرف منسوب کیا ہے؛ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ یہ علامہ آلوسی کے اشعار ہیں۔

بعض حضرات نے ان اشعار کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کی ہے؛ لیکن ''دیوان الشافعی'' (ط: دار صادر، بیروت) میں یہ اشعار موجود نہیں۔ ہاں مولانا عبد اللہ کاپودروی رحمہ اللہ کے ترجمے کے ساتھ مطبوعہ نسخے میں (ص۱۸۹) پر یہ اشعار موجود ہیں؛ لیکن محققین کے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف ان اشعار کی نسبت درست نہیں۔

بیداری کرتاہوں اور تو آرام سے سوتا ہے اور پھر بھی درجہ میں مجھے پالینے کی خواہش کرتا ہے۔

عبد الرحمن جامی نے ''مثنوی ہفت اورنگ'' میں مجنون کی ایک حکایت مندرجہ ذیل اشعار میں نظم کی ہے:

دید مجنون را یکے صحرا نورد ۞ در میان بادیہ بنشستہ فرد
ساختہ بر ریگ ز انگشتان قلم ۞ می زند حرفے بہ دست خود رقم
گفت اے مفتون شیدا چیست این ۞ می نویسی نامہ سوئے کیست این
ہر چہ خواہی در سوادش رنج برد ۞ تیغ صرصر خواہدش حالی سترد
کے بہ لوح ریگ باقی ماندش ۞ تا کسے دیگر پس از تو خواندش
گفت شرح حسن لیلی می دہم ۞ خاطر خود را تسلی می دہم
می نویسم نامش اول و از قفا ۞ می نگارم نامۂ عشق و وفا
نیست جز نامی ازو در دست من ۞ زآن بلندی یافت قدر پست من
ناچشیدہ جرعۂ از جام او ۞ عشق بازی می کنم با نام او

(مثنوی ہفت اورنگ، نور الدین عبد الرحمن بن احمد جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ)، ص ۳۲۱، ط: کتاب فروش سعدی، تہران)

ترجمہ: ایک جنگل میں پھرنے والے نے مجنون کو دیکھا کہ وہ جنگل میں اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے ریت پر انگلیوں کو قلم بنار کھا ہے اور اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: اے مبتلائے عشق یہ کیا ہے؟ تم یہ کس کے نام خط لکھ رہے ہو؟ تم اپنے عشق میں جو چاہو رنج اٹھالو، اپنی خواہش کی تیز تلوار کو جس طرح چاہو صاف کرلو۔ کب ریت کی تختی پر باقی رہے گا کہ کوئی دوسرا بعد میں اسے پڑھ سکے گا۔ مجنون نے کہا: میں لیلی کے حسن کو بیان کرکے اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔ میں ابتدا میں اور آخر میں اس کا نام لکھ رہا ہوں، میں محبت وعقیدت کی داستان لکھ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ میں اس کے نام کے سوا کچھ نہیں، اس نام سے میرے پست مرتبہ نے بلندی حاصل کرلی ہے۔ آپ نے اس کی شراب کے پیالے سے ایک

گھونٹ بھی نہ چکھی، میں اس کے نام کے ساتھ اظہارِ محبت کر رہا ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے عبد الرحمن بن مہدی کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیت میں انہیں یہ دو اشعار تحریر فرمائے:

إني مُعزِّيكَ لا أني على ثقةٍ ۞ مِنَ الخُلودِ، وَلكنْ سُنَّةُ الدِّينِ

فما المُعَزَّى بِباقٍ بعدَ مَيِّتِهِ ۞ ولا المُعَزِّى وإنْ عاشَا إلى حِينِ

(مناقب الشافعي، للإمام البيهقي ٢/٩٠-٩١، ط: مكتبة التراث)

اب آپ کی عرفی طالب علمی کا زمانہ ختم ہوا اور حقیقی اور واقعی اور اصلی طالب علمی کا زمانہ شروع ہوا؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دینی علم اور فہم کے درجات کو بیان کیا جائے۔

دین کی فہم کے چھ درجات:

دین کے فہم کے بھی چھ درجات ہیں اور ان کی بھی آپ کو ضرورت ہے:

(۱) شعور۔ (۲) معرفت۔ (۳) علم۔ (۴) تفقہ۔ (۵) حکمت۔ (۶) علم لدنی۔ اب آپ ان درجات کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلا درجہ: شعور:

شعور کے معنی ہیں: الإدراك بالحواس الخمس الظاهرة.[1] آنکھوں سے دیکھنا، کانوں سے سننا، ناک سے سونگھنا، منہ سے چکھنا اور ہاتھ پاؤں سے کسی چیز کو مس کر کے حرارت و برودت اور نرمی و سختی کو معلوم کرنا، اسے شعور کہتے ہیں۔

شعور کو شعور اس وجہ سے بھی کہتے ہیں کہ یہ اہل الشعور (بال والوں) یعنی جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جانور اگر گہرے پانی کو دیکھتا ہے تو اس میں چھلانگ نہیں لگاتا؛ بلکہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اگر خوفناک آواز سنتا ہے تو بِدکتا اور بھاگتا ہے۔ اگر گھاس اور چارے میں گندگی مل جائے تو نہیں کھاتا، سونگھنے سے اسے محسوس ہو جاتا ہے۔

---

(۱) روح المعاني، البقرة:٩.

علماء فرماتے ہیں کہ وضوء میں مضمضہ اور استنشاق دونوں سنت ہیں پھر بھی اسے مقدم رکھا گیا ہے؛ تاکہ آنکھوں سے پتا چل جائے کہ پانی کا رنگ بالکل صاف ہے، مضمضہ کرے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ پانی کا مزہ ٹھیک ہے، پانی خراب نہیں۔ ناک میں پانی ڈالے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ بدبو نہیں ہے۔ جب رنگ، مزہ اور بو معلوم ہو گئے تو اب اعضائے مفروضہ کو اطمینان سے دھولے گا۔

شاعر کو بھی اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ وہ اپنے محسوسات سے بہت اہم نتائج نکالتا ہے۔ عام لوگ خوبصورت باغ سے گزرتے ہیں تو بس اتنا کہتے ہیں کہ کتنا خوبصورت باغ ہے۔ ایک شاعر بھی ایک خوبصورت باغ سے گزرا تو اس نے کہا:

گلستان میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا ۞ یہ تیری سی رنگت یہ تیری سی بو ہے

دوسرا شاعر گزرا تو اس نے کہا:

گلستان میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا ۞ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

تیسرا شاعر گزرا تو اس نے کہا:

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں پھولو ۞ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز ونزاکت والے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ شاعر شَعْر یعنی بال سے نکلا ہے؛ اس لیے کہ اصلی شاعر وہ ہے جس کے اشعار میں بالوں کی طرح باریک خیالی اور نازک تخیلات ہوں۔ میں صرف اس کی دو مثالیں پیش کروں گا۔ زیادہ مثالیں پیش کرنے میں بات لمبی ہو جائے گی۔ عربی شاعر کہتا ہے:

ولو أنَّ ما بي مِن ضَنًى وصبابةٍ ۞ على جَمَلٍ لم يدخل النّار كافر

(الطبقات الشافعية الكبرى ٢/١٩٥، وفي بعض الكتب «جَوًى» بدل قوله «ضَنًى»)

عشق ومحبت میں میرے جسم کو جو کمزوری اور لاغری لاحق ہے اگر وہ کسی اونٹ کو لاحق ہوتی تو دھاگے کی طرح کمزور ہو جاتا اور ﴿حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِي سَمِّ ٱلْخِيَاطِ﴾ (الأعراف: ٤٠) کے نتیجے میں کوئی کافر جہنم میں نہیں جاتا۔ یہ نازک خیالی قارئین پر مخفی نہیں۔

اردو کا شاعر کہتا ہے:

کسی کسی کو خدا وہ جمال دیتا ہے ۞ کہ آئینے کو بھی حیرت میں ڈال دیتا ہے

یہ نازک خیالی بھی قابلِ داد ہے۔

شعور کے معنی قرآن وحدیث کی روشنی میں:

(۱) اللہ تعالی نے چیونٹی کی حکایت نقل فرمائی کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کے گزرنے کے وقت کہا: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّمْلُ ٱدْخُلُوا۟ مَسَـٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَـٰنُ وَجُنُودُهُۥ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ (النمل: ١٨)اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، حضرت سلیمان اور ان کا لشکر تمھیں روند نہ ڈالے، اور انہیں پتا بھی نہ چلے۔ کیونکہ آدمی لشکر کے ساتھ چلتے وقت نیچے زمیں پر چیونٹیوں کو نہیں دیکھتا۔

یہاں لَا يَشْعُرُونَ کا لفظ محسوسات کو نہ دیکھنے کے لیے آیا ہے۔

چیونٹی نے انبیاء علیہم السلام کی معصومیت اور ان کے صحابہ کی محفوظیت کو بہترین طریقہ پر بیان کیا۔

(۲) جب منافقین سے کہا گیا کہ تم زمین میں فساد مت کرو، تو انھوں نے کہا: ہم تو اصلاح کرتے ہیں، تو اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلْمُفْسِدُونَ وَلَـٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴾ (البقرة: ١٢)

منافقین فساد پھیلاتے ہیں۔ یعنی شرک پھیلاتے ہیں۔ کافروں کے شبہات مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔ مسلمانوں کے راز افشا کرتے ہیں۔ عبادات میں سستی کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں پر اس کا اثر پڑ جائے؛ چونکہ فساد اکثر وبیشتر محسوسات میں سے ہے؛ اس لیے لَّا يَشْعُرُونَ آیا۔

علمائے کرام میں شعور ضروری ہے۔ اگر بھلائی محسوس کرے یا دیکھ لے تو اس کی طرف دعوت دے اور اگر برائی دیکھ لے یا محسوس کرے تو نہی عن المنکر کرے۔ «من رأى منكم منكرًا فليُغَيِّره بيده، فإن لم يستطِع فبلسانه، فإن لم يستطِع فبقلبه». (صحيح مسلم، رقم: ٧٨) میں یہ مضمون مذکور ہے۔

(۳) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے گزرے جو عیب دار بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم کے عوض میں خریدنا پسند کرے گا؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم کسی بھی شے کے بدلے میں اسے خریدنا نہیں چاہتے اور ہم اس کا کریں گے بھی کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ لوگوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا، تب بھی عیب دار تھا، یہ تو مردہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے، جتنا یہ تمہارے نزدیک حقیر ہے۔ (صحیح مسلم، رقم: ۲۹۵۷)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے مردار بچے کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی اور دنیا سے محبت نہ کرنے کو بیان فرمایا۔

دوسرا درجہ: معرفت:

شعور کے بعد دوسرا درجہ معرفت ہے۔ معرفت کے معنی ہیں: کسی خاص چیز کی پہچان۔ معرفت جزئیات میں استعمال ہوتی ہے اور علم کلیات میں استعمال ہوتا ہے۔ معرفت کبھی بعد النسیان ہوتی ہے، جیسے «الآن عرفتُك» میں بھول گیا تھا ابھی میں نے پہچان لیا، اور علم میں یہ چیز نہیں۔

طالب علم اور فارغ التحصیل علماء کو بھی چاہئے کہ مختلف حضرات سے ملاقات کے بعد ان کے درجات کو پہچان لیں اور ان کے مرتبہ کے مناسب ان سے دینی بات چیت کریں۔ عام لوگوں سے عوامی بات کریں، خواص کے سامنے خاص مضمون کو بیان کریں۔ تبلیغی احباب کے سامنے دعوت و تبلیغ کا مضمون بیان کریں۔ تصوف کے دلدادوں کے سامنے تصوف کا مضمون بیان کریں۔ شادی کے موقعہ پر شادی اور غمی کے موقعہ پر مصیبت کا مضمون بیان کریں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «ما أنت بمحدِّثٍ قومًا حديثًا لا تبلُغُه عقولُهم، إلا كان لبعضهم فتنةً». (صحيح مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع).

جب آپ لوگوں کے سامنے ایسی بات بیان کریں گے جس تک ان کی عقل نہیں پہنچتی تو وہ ان کے لیے باعثِ فتنہ بن جائے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالی صفاتِ متشابہات کی احادیث سب لوگوں کے سامنے بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔

جو علماء زمین کی حرکت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں:﴿ وَهُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ وَٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَۖ كُلٌّ فِي فَلَكٖ يَسۡبَحُونَ ﴾ (الأنبياء: ٣٣) سے اللہ تعالی کی مراد یہ ہے کہ زمین اور شمس وقمر سب گھومتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالی نے زمین کی جگہ لیل ونہار کا ذکر فرمایا؛ تاکہ پرانے زمانے اور بعض اس زمانے کے لوگ تکذیب یا شک نہ کریں۔

یاد رہے کہ زمین محل ہے اور لیل ونہار حال ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں ﴿وَفَارَ ٱلتَّنُّورُ﴾ کا لفظ آیا ہے۔ یہ دراصل تنور نما انجن تھا جو پٹرول کے بغیر بطورِ معجزہ اُبل کر سٹیم بناتا تھا اور کشتی یا لانچ چلتی تھی۔ انجن اور مشین کی جگہ تنور آیا ہے کہ یہی عام فہم کلمہ تھا۔ انجن اور مشین پرانے لوگ کہاں جانتے تھے۔

نیز علماء کو چاہیئے کہ وہ لوگوں سے میل جول رکھیں؛ تاکہ مفسد اور مصلح میں تمیز کر سکیں اور ہر ایک کے ساتھ مناسب معاملہ کریں۔ نیز اپنے محلہ اور گاؤں کے لوگوں کی پہچان رکھیں، ان کی عیادت وخبر گیری، دفن کفن اور جنازہ پر حاضری کا اہتمام کریں۔ ان کے بچوں کی بھی پہچان رکھیں؛ تاکہ والدین سے ان کو مکاتب اور مسجد میں بھیجنے کی درخواست کریں۔

تیسرا درجہ: علم:

کتابوں میں علم کی بہت ساری تعریفیں کی گئی ہیں؛ لیکن «إدراك الشيء على ما هو عليه».[1] کسی چیز کی حقیقت کے ادراک کو علم کہتے ہیں۔ اسی طرح «حصول صورة

(١) الحدود الأنيقة والتعريفات الدقيقة، للشيخ زكريا الأنصاري، ص٦٦.

الشيء في الذهن»[1]کو علم کہتے ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باہر کی چیز کو اٹھائے اور ذہن میں رکھے تو یہ علم ہے اور ذہن کی چیز کو باہر لے جائے اور متحقق کرلے اس کو عمل کہتے ہیں۔[2] انھوں نے علم اور عمل کی یہ اچھی تعریف کی ہے۔ مافی الخارج کو مافی الذہن کردے، یہ علم ہے۔ اور مافی الذہن کو مافی الخارج کردے، یہ عمل ہے۔ جیسے نماز کا طریقہ آپ کے ذہن میں ہے تو یہ علم ہے، پڑھ لی تو یہ عمل ہے۔

علم کی فضیلت:

علم کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں، یہاں پر صرف چند فضائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدیث میں ہے: «إن الله لا يَقبض العلمَ انتزاعًا يَنتزِعَه مِن العِباد، ولكن يَقبض العلمَ بقبْض العُلَماء، حتى إذا لم يَبقَ عالما اتخذ الناسُ رؤُوسًا جهالا، فسُئلوا فأفتوا بغير علم، فضَلُّوا وأضلُّوا».(صحيح البخاري، رقم:١٠٠).

ترجمہ: اللہ تعالی علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے؛ لیکن اللہ تعالی علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا، حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر جواب دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۲) قَالَ تَعَالَىٰ:﴿ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي ٱلْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَآ ﴾ (الأنبياء: ٤٤) علمائے کرام اس آیت کریمہ کے تین معنی بیان کرتے ہیں:

۱- زمین کے اطراف کم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ملک کے کسی صوبے کے لوگ مسلمان ہوجائیں تو کافروں کی زمین کم ہوگئی اور مسلمانوں کی زمین زیادہ ہوگئی۔

۲- مسلمانوں نے کسی زمین کو فتح کیا تو کافروں کی زمین کم ہوگئی۔

۳- ایک معنی یہ ہے کہ کسی عالم کی وفات سے زمین کم ہوجاتی ہے۔ علماء باغ کی طرح

---

(١) دستور العلماء ٢٠٦/١.

(٢) الفوائد، لابن قيم، ص٨٤.

ہیں، جیسے باغ میں مختلف حصے ہوتے ہیں: انگور کا حصہ، سیب کا حصہ، آم کا حصہ، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح علم کے باغ اور زمین میں تعلیم وتبلیغ کی شاخ ہے، تزکیہ وتصوف کی شاخ ہے۔ اسی طرح تصنیف وتالیف، امامت وخطابت، خدمت خلق اور ردِّ فرق باطلہ کی شاخیں ہیں۔ کسی عالم کی وفات سے جو شعبہ اس پر غالب ہو اس کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۳) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: «من سلك طريقا يلتمس فيه علمًا، سهَّل الله له طريقا إلى الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم، وإن طالب العلم يستغفر له من في السماء والأرض، حتى الحيتان في الماء، وإن فضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب. إن العلماء ورثة الأنبياء، إن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، إنما ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر». (سنن ابن ماجه، رقم: ٢٢٣. سنن أبي داود، رقم: ٣٦٤١.)

ترجمہ: جو شخص علم کے حصول کی راہ میں چلا اللہ تعالی اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتے ہیں۔ اور بیشک ملائکہ اپنے پروں کو طالب علم کی خوشنوی کے لیے بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لیے زمین وآسمان کی تمام اشیاء مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ حتی کہ مچھلیاں پانی میں (اس کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں)۔ اور بیشک عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر۔ بیشک علماء انبیاء علیہم السلام کے ورثاء ہیں۔ انبیاء علیہم السلام دینار ودرہم کا وارث نہیں بناتے، وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے اسے حاصل کر لیا تو اس نے پورا حصہ حاصل کر لیا۔

(۴) غیر مفید کتا شریعت کی نظر میں قابلِ نفرت ہے؛ لیکن جب کتا معلَّم اور سدھایا ہوا بن جائے اور بسم اللہ پڑھ کر بھیجا جائے اور وہ شکار میں سے نہ کھائے، نیز دوسری شرائط اس میں موجود ہوں تو اس کو الیفائڈ اور معلَّم کتے کا شکار جب ذبح کرنے کا موقعہ نہ ملے حلال ہے۔

(۵) جب حضرت موسی علیہ السلام طالب علم کی حیثیت سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تو ان کے لیے مچھلی کی سرنگ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی علامت

قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ عالم کے لیے علم ایسا ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی۔ مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی اسی طرح عالم علمی مشغلہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

چوتھا درجہ: فقہ:

فقہ کی بہت سی تعریفیں ہیں۔جو تعریف فقہاء کرتے ہیں: «العلم بالأحكام الشرعية الفرعية العملية» وہ الگ ہے۔فقہ کی ایک تعریف یہ ہے: «إتقان العلم والعمل». علم بھی مضبوط اور عمل بھی مضبوط۔اسی طرح فقہ کے معنی ہیں: «فهم حقيقة الشيء». کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فقہ کے معنی ہیں: «العلم الراسخ الذي يظهر أثره على الجسم والبدن». وہ علم جو مضبوط ہو اور اس کا اثر جسم اور بدن پر ظاہر ہو جائے (یعنی نافذ ہو جائے)۔

تفقہ یعنی مضبوط علم حاصل کرنا۔ یہ مطلوب ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

اس آیت کریمہ کے تین معانی ہیں۔ لیکن ظاہری معنی یہی ہے کہ بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت کیوں نہیں نکلتی تاکہ وہ مضبوط علم کو حاصل کرے، جب مضبوط علم حاصل کریں گے تو وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ پر عمل کریں گے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال ہو کہ ہر جگہ اِنذار کے ساتھ تبشیر کا لفظ آتا ہے، یہاں نہیں آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فقہ کا لفظ ہے اور فقہ اس مضبوط علم کو کہتے ہیں جس کی برکت سے آدمی فرقِ باطلہ کا مقابلہ کر سکے۔ فرق باطلہ کے مقابلے میں انذار کا لفظ مناسب ہے۔ ان کو بھی ڈرائیں اور عام لوگوں کو بھی ڈرائیں کہ اس فتنے سے بچو؛ اس لیے اللہ تعالی نے صرف اِنذار کا لفظ استعمال فرمایا۔

فقہ، ایک بڑی نعمت ہے:

بخاری شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:«من يُرِد الله به خيرًا يُفَقِّهْه في الدِّين». (صحيح البخاري، رقم: ٧١).

جس کے ساتھ اللہ تعالی خیر عظیم کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی گہری سمجھ اور گہرا علم عطا فرماتے ہیں۔ خیرًا میں تنوین تعظیم کے لیے ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿ وَلِلَّهِ خَزَآئِنُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (المنافقون: ٧)

آسمان اور زمین کے خزانے اللہ کے پاس ہیں ؛ لیکن منافقین اس گہری بات کو نہیں سمجھتے۔ منافقین تو یہ کہتے ہیں کہ جو کمانے کے ذرائع اختیار کرے گا وہ کمائے گا؛ حالانکہ بہت سارے لوگ کمائی کے ذرائع اختیار کرتے ہیں، مگر نہیں کماتے ؛ اس لیے کہ خزانے اللہ تبارک وتعالی کے پاس ہیں۔

اس وقت مضبوط علم کی ضرورت ہے:

فقہ، مضبوط علم کو کہتے ہیں۔ آج کل لوگ پوری دنیا میں قرآن کریم، احادیث اور فقہی مسائل پر اشکالات کر رہے ہیں؛ اس لیے اس وقت مضبوط علم کی ضرورت ہے؛ تاکہ ان کے اشکالات کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے تفقہ کی دعا فرمائی۔ آپ نے فرمایا:«اللهم فَقِّهه في الدين». (صحيح البخاري، رقم:١٤٣).

یااللہ ان کو دین کی گہری سمجھ عطا فرما۔

دوسری حدیث میں ہے : «فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد». (سنن الترمذي، رقم: ٢٦٨١. سنن ابن ماجه، رقم: ٢٢٢).

ایک مضبوط علم وعمل کا حامل فقیہ شیطان پر ہزار عبادت کرنے والوں سے بھاری ہے۔

طلبہ اور طالبات کو گہرے علم کے لیے آج کل English کی بھی ضرورت ہے، اس لیے کہ بسا اوقات کسی سوال کے جواب کے لیے ڈاکٹروں، سائنس دانوں اور مختلف محققین

اور پی ایچ ڈی والوں کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ جن ممالک کی زبان English ہے وہاں کے طلبہ عرفی انگلش تو بولتے ہیں؛ لیکن اس مضبوط انگلش کی ضرورت ہے جس سے حوالوں کو تلاش کرلیں اور اسے اچھی طرح سمجھ بھی لیں۔

انگریزی ممالک کے طلبہ اپنے آپ کو پاکستان اور ہندوستان کے طلبہ سے الگ سمجھیں، ان کے لیے تو اتنا کافی ہے کہ عربی اردو سیکھ لیں یا افغانستان اور ہمارے علاقوں میں پشتو میں تدریس ہوتی ہے، ان علاقوں کے طلبہ اپنی علاقائی زبان سے کام چلا لیتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی گہرا مسئلہ آجائے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر مکھی پانی وغیرہ میں گر جائے تو اسے ڈبو دو؛ اس لیے کہ اس کے ایک پَر میں (داء) بیماری ہے اور دوسرے میں (دواء) دوا ہے۔[1] داء اور دوا دونوں مل جائیں گے تو Balance ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حدیث صحیح ہے۔ یعنی مکھی کے ایک پر میں Virus ہے اور دوسرے میں Antivirus ہے۔ اب یہ مسئلہ اگر استفتاء کی شکل میں آتا ہے تو اس کے لیے ڈاکٹروں کی تحقیق چاہیے۔

آسٹریلیا کے ایک پروفیسر جوان کلارک کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مکھی اکثر وبیشتر گندگی پر بیٹھتی ہے اور اس کو چوستی ہے، جس کی وجہ سے بہت ساری بیماریاں اور جراثیم اپنے ساتھ رکھتی ہے اور انسانوں میں منتقل بھی کرتی ہے، اس کے باوجود وہ خود نہیں مرتی! اور یہ جراثیم اس کی اپنی ذات کو کیوں نقصاندہ ثابت نہیں ہوتے؟ یہ سوال پیدا ہوتے ہی اس نے بعض مکھیوں پر ریسرچ شروع کی اور دائیں جانب کے پَر (شفا والی جانب کی طرف) بحث کرنی شروع کی تو اسے معلوم ہوا کہ مکھی میں (Antibiotics) جراثیم کش ادویات (شفا) بھی موجود ہیں، جو مکھی کے بیماری والے جراثم کو ختم کرنے کی اور شفا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔[2]

---

(١) صحيح البخاري، رقم: ٣٣٢٠.

(٢) تفصیل کے لیے درج ذیل ویب سائٹ کا مطالعہ مفید ہوگا:

www.smh.com.au,national,humbla-fly-may-be-super-bugs-match-2000512-gdgqty.html?js-chunk-not-found-refresh=true

اسی طرح پروفیسر رحاب محمد عطا مصری اپنی ریسرچ میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ مکھی کے داہنے پَر میں بیکٹیریا اور فنگس (مضر صحت جراثیم) میں سے کچھ بھی موجود نہیں، برخلاف بائیں پَر میں یہ سب موجود ہیں۔ یعنی داہنے میں شفا اور بائیں میں بیماری موجود ہے۔[1]

ان کے علاوہ اور بھی متعدد مسلم وغیر مسلم محققین نے اس مسئلے کو موضوع بحث بنایا ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مکھی کے بائیں پر میں Virus اور داہنے پر میں Antivirus ہوتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتلا دیا تھا۔

یہ کام انگلش جاننے والے کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے طلبہ سے انگلش کے حوالوں کی تلاش اور تحقیق کا کام لیتے ہیں۔

فقاہت کی چند مثالیں:

(۱) اللہ تعالی نے آسمان اور زمین کے بارے میں ﴿فَاطِرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ﴾ (الزمر: ٤٦) فرمایا۔ بظاہر اس کے معنی خالق السموات ہے؛ لیکن فطر کے معنی پھاڑنا ہے، جیسا کہ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنفَطَرَتۡ﴾ (الانفطار: ۱) اور ﴿تَكَادُ ٱلسَّمَٰوَٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِن فَوۡقِهِنَّۚ﴾ (الشوری: ٥) میں فطر کے معنی پھٹنا ہے۔ پھر آسمان وزمین کے پھاڑنے کا کیا مطلب ہے؟

آج کل سائنسدان کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے یہ دونوں گولے کی شکل میں موجود تھے، اس میں دھاکہ ہوا وہ گولہ پھٹ گیا اور یہ کائنات آسمان وزمین کو وجود مل گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے آسمان یعنی علویات یعنی بادل کو پھاڑ کر بارش برسائی اور زمین پھاڑ کر نباتات نکالے۔ معلوم ہوا کہ تفقہ کے لیے فقہ اللغہ کا علم بھی ضروری ہے۔

(۲) علامہ بنوری ٹاؤن میں ایک مرتبہ ایک سؤال آیا۔ سوال یہ تھا کہ فلمی اداکار شوہر بیوی تھے، شوہر نے فلمی واقعہ میں بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اکثر مفتیوں نے طلاق کے واقع

---

(۱) اس تحقیق کے لیے درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ فرمائیں:

https:www.researchgate.net,publication,337926012-microbiological-studies-on-fly-wings- musca domestica where disease and treat

ہونے کا فتوی دیا اور یہ لکھا: «ثلاثٌ جدُّهن جدٌّ وهَزلُهن جدٌّ».[1] تین چیزیں ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مزاح بھی سنجیدگی ہے۔ ان تین چیزوں میں طلاق شامل ہے۔ حضرت مفتی ولی حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طلاق نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ فلمی قصہ حکایت ہے، مثلاً محکی عنہ مجنون اور لیلی ہے تو گویا مجنون نے لیلی کو طلاق دی۔ شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی؛ بلکہ طلاق کی حکایت اور نقل کی۔ یہ تفقہ ہے۔

(۳) ایک مرتبہ مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ فجر کی نماز سے پہلے گنگوہ پہنچے۔ حضرت مولانا گنگوہی وضو فرما رہے تھے، انھوں نے دریافت فرمایا: اس وقت کیسے آنا ہوا؟ فرمایا: ایک آیت کریمہ کے مطلب میں خلجان تھا؛ اس لیے حاضر ہوا ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ۳۹) سے ایصال ثواب کی نفی ہوتی ہے۔ مولانا گنگوہی نے فرمایا: سعی سے سعی ایمانی مراد ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح تفاسیر و کتب فقہ کی شروح میں یقیناً پڑھی ہوگی؛ لیکن مختصر اور ملخص جواب چاہتے تھے۔

(۴) تفقہ کے بارے میں ایک اور واقعہ یاد آیا: ہندوستان کے حیدر آباد شہر میں مولانا ابو الوفا افغانی رہتے تھے اور فقہ حنفی کی بہت خدمت کرتے تھے۔ متقدمین کی کتابوں کو مختلف کتب خانوں سے جمع کرتے اور ان پر تعلیقات لکھ کر ان کو چھپواتے تھے۔ نیز بعض مطابع کے لیے تصحیح کا کام بھی کرتے تھے اور اسی سے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ نہ صدقہ لیتے تھے اور نہ ہدیہ قبول کرتے تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے شناسائی اور تعلق تھا۔ مولانا بنوری کو کسی نے بتایا کہ آج کل مولانا ابو الوفا پر کبھی کبھی فاقوں کی نوبت آتی ہے اگر آپ ان کے لیے کچھ انتظام فرمادیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت مولانا نے بیرون ملک کے اپنے بعض دوستوں کو خط لکھا اور انھوں نے مولانا ابو الوفا کے پاس ہندوستان ہی کے دفتر سے پانچ سو روپیے بھیجے۔ اُس زمانے میں پانچ سو روپیے بہت بڑی رقم تھی۔ جب رقم مولانا ابو الوفا کو ملی تو وہ حیران ہوئے کہ یہ کس نے بھیجی۔ پھر کسی نے ان کو بتایا کہ غالباً یہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کے ذریعہ سے آئی ہوگی۔ مولانا ابو الوفا نے مولانا بنوری کو خط لکھا کہ میرے پاس یہ رقم پہنچی ہے، مجھے بتلایا گیا کہ

---

(۱) سنن أبي داود، رقم: ۲۱۹٤.

آپ کے بعض دوستوں نے بھیجی ہے، آپ مجھے ان کا پتا بتلادیں تا کہ میں اس کو واپس کر دوں۔ میں نے صدقات اور ہدایا کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ حضرت مولانا بنوری نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ رقم میرے بعض دوستوں نے بھیجی ہے، وہ علماء کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہدیہ ہے آپ اسے قبول فرمالیں۔ اورآپ نے خط میں جو حدیث لکھی ہے کہ «الید العلیا خیر من الید السفلی» اور اس کا ترجمہ یہ فرمایاہے کہ "دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے" قطع نظر اس کے کہ اس حدیث کے دوسرے معانی بھی ہیں، اس حدیث کا تعلق صدقات سے ہے، ہدایا سے نہیں؛ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول نہ فرماتے ؛ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایا قبول فرماتے تھے۔ کچھ دنون کے بعد مولانا ابوالوفاصاحب کاخط آیا کہ میں نے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کیا اور رقم بھیجنے والوں کا پتا معلوم کر کے رقم واپس کر دی۔

«الید العلیا خیر من الید السفلی» کا تعلق ہدایا سے نہ ہونا تفقہ کی بات ہے۔

پانچواں درجہ: حکمت:

حکمت سنت نبویہ کو بھی کہتے ہیں۔ حکمت کے معنی ہیں: «فِراسةٌ یُوضَع بها کلُّ شيء في موضعه». وہ ذہانت جس کے ساتھ ہر چیز اس کی جگہ میں رکھی جائے۔ اسی طرح حکمت کے معنی ہیں: «استنباط العلل و اللطائف». نکتے اور دلائل کو مستنبط کرنا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حکمت اصل میں حَکَمَۃٌ سے نکلا ہے۔ حَکَمَۃٌ اس لوہے کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے منہ میں رکھتے ہیں اور کنٹرول کرنے کے لیے اس کے ساتھ لگام ہوتی ہے۔ اردو میں اسے دہانہ اور انگلش میں Bit کہتے ہیں۔

سنت کو بھی حکمت اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرح حَکَمَۃٌ کے ذریعہ گھوڑے کو کنٹرول کرتے ہیں کہ یہ آگے نہ بڑھے، اسی طرح سنت بھی آدمی کو کنٹرول کرتی ہے، سنت کو چھوڑ دیا جائے تو آدمی آزاد اور بے دین ہو جائے گا۔ گھوڑے کے منہ میں لگام ہو تو وہ سیدھا اپنی منزل مقصود تک پہنچے گا، اسی طرح جب آدمی سنت پر عمل کرتا رہے تو وہ سیدھا

جنت اور منزل مقصود تک پہنچے گا۔

اسی طرح «استنباط العلل واللطائف» کو بھی حکمت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ وہ شخص کر سکتا ہے جس کی عقل محکم اور مضبوط ہو۔ توحَکَمَۃٌ کے اندر مضبوطی کے معنی ہیں۔

فارغ ہونے کے بعد حکمتِ عملی کی ضرورت ہے:

فارغ ہونے کے بعد آپ امام بنیں گے۔ دین کے دوسرے کام کریں گے۔ آپ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ بات بات میں یہ کہتے رہیں کہ یہ حرام ہے اور یہ ناجائز ہے؛ بلکہ آپ کو حکمت سے کام کرنا پڑے گا۔ کچھ مدت کے بعد لوگ دین سمجھ لیں گے۔ اگر آپ حکمت سے کام کریں گے تو کام خوب پھیلے گا اور لوگ جوق در جوق دین کے قلعے میں پناہ لیں گے۔ ہاں کھلے ہوئے حرام یا ناجائز کو حرام اور ناجائز کہدیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کے بعض واقعات:

(۱) بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرے اندر چار بُری عادتیں ہیں: میں زنا کرتا ہوں، شراب بھی پیتا ہوں، چوری بھی کرتا ہوں اور جھوٹ بھی بولتا ہو۔ اور میں چاروں کو بیک وقت نہیں چھوڑ سکتا، ہاں ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ کو چھوڑ دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکمت کی بات کی۔ وہ شخص چلا گیا۔ جب اس نے زنا کا ارادہ کیا تو اسے خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھیں گے، اگر میں جھوٹ بولوں گا تو وعدہ خلافی ہو گی اور اگر سچ بولوں گا تو مجھ پر زنا کی حد جاری ہو گی۔ یہ سوچ کر وہ زنا سے باز رہا۔ پھر اس نے چوری اور شراب پینے کا اردہ کیا تو اسے پھر وہی خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھیں گے، اگر میں جھوٹ بولوں گا تو وعدہ خلافی ہو گی اور اگر سچ بولوں گا تو مجھ پر حد جاری ہو گی۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ میں نے چاروں بُری عادتوں کو چھوڑ دیا۔[1]

---

(۱) ذكره الجاحظ في كتابه «المحاسن والأضداد»، ص۵۹. والمبرد في «الكامل في اللغة والأدب»

(۲) غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایک کافر کو پکڑا اور اس سے کافروں کی تعداد دریافت کی، وہ نہیں بتا سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ وہ لوگ کتنے اونٹ روزانہ ذبح کرتے ہیں؟ اس نے کہا کبھی ۹ اور کبھی ۱۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی تعداد ۹ سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔[1]

(۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے اور اصح قول کے مطابق آپ کی عمر اس وقت پینتیس (۳۵) سال تھی، اس وقت خانہ کعبہ میں حجر اسود کو رکھنے کا مسئلہ آیا۔ یہ طے ہوا کہ جو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے گا وہی رکھے گا۔ اللہ تعالی نے سب پر نیند طاری کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے پہنچے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ امین آ گئے ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔ اس موقعہ پر رؤساء اور بڑے لوگوں کے دل کے مکدّر ہونے کا اندیشہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حکمت سے کام لیا۔ فرمایا کہ چادر بچھا دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو چادر میں رکھا اور فرمایا کہ سب قبیلوں کے سردار چادر کے ایک کنارے کو پکڑ کر اسے اٹھائیں اور اس کی جگہ پر لے چلیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ سب خوش ہو گئے۔[2] اس کو حکمت کہتے ہیں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ پڑوسی مجھے تنگ کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو۔ اس نے پھر دوسری یا تیسری مرتبہ یہی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور اپنا سامان گھر کے باہر راستے کے کنارے پر رکھ دو۔ چنانچہ اس نے سامان راستے کے کنارے پر رکھ دیا۔ جب لوگ گزرتے اور پوچھتے تو وہ سب کو بتلاتا کہ پڑوسی مجھے تنگ کر رہا

١٥٦/٢. والزمخشري في «ربيع الأبرار ونصوص الأخيار» ٣٣٩/٤. والشاه عبد العزيز الدهلوي في «تفسير عزيزي» في سورة ن والقلم، تحت قوله تعالى: ﴿مَآ أَنتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُونٖ﴾ (القلم: ٢). و لم نجد له سندًا في كتب الحديث. والله تعالى أعلم.

(١) السيرة النبوية لابن هشام، ص ٦١٧، ط: شركة مصطفى البابي، مصر.

(٢) السيرة النبوية لابن هشام، ص ١٩٧، ط: شركة مصطفى البابي، مصر.

ہے۔ سب نے پڑوسی کو ملامت کی، تو وہ معافی مانگنے کے لیے آیا کہ معاف کرنا آئندہ آپ کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔[۱] اس کو حکمت کہتے ہیں۔

حکمت کی وجہ سے عزت محفوظ رہی:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے، مجلس میں کسی کی ریح نکلی، بو سے پتا چل گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی ہوا خارج ہوئی ہے اس کو جاکر وضو کرنا چاہئے۔ سب خاموش ہوگئے؛ اس لیے کہ شمالی علاقوں میں یہ بُرا سمجھا جاتا ہے، جنوب میں بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت! ایسا کیوں نہ کریں کہ سب جاکر وضو کرلیں۔ یہ حکمت کی بات تھی۔ سب نے جاکر وضو کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واہ جریر! آپ جاہلیت کے زمانے میں بھی سردار اور ہوشیار تھے اور اسلام میں بھی۔[۲]

حکمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعت کا حکم نہ ٹوٹے اور لوگوں کے دل بھی نہ ٹوٹیں۔ اس طریقے پر کام کریں گے تو لوگ علماء کے ساتھ جُڑتے رہیں گے۔

عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ جواب:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو خیبر کے یہود کی اس شرط پر جان بخشی ہوئی اور انہیں خیبر میں رہنے کی اجازت ملی کہ خیبر کی زمیں اور سونا چاندی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ہے۔ اہل خیبر نے کہا کہ ہم کاشت کرنا خوب جانتے ہیں آپ زمین ہمارے قبضے میں دیدیجئے ہم اس میں محنت کریں گے اور جو پھل پیدا ہوگا اس کا آدھا آپ لے لیجئے گا اور آدھا ہم لے لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زمین ان کے سپرد کردی۔ جب کھجور توڑنے کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، انھوں نے کھجوروں کا اندازہ کیا کہ اس میں اتنی کھجوریں ہیں۔ یہودی یہ سن کر بولے: اے ابن رواحہ آپ نے بہت بڑھا کر

---

(۱) سنن أبي داود، رقم: ۵۱۵۳، والعبارة المذكورة في الكتاب معناه.

(۲) البداية والنهاية ۵٦/۸، ط: دار الفكر.

کہا۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا میں کھجوریں توڑ لیتا ہوں اور جو اندازہ میں نے کیا ہے اس کا آدھا میوہ تمہیں دیدوں گا۔ یہودی کہنے لگے: نہیں، آپ کا کہنا سچ ہے اور سچ ہی کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ آخر یہودیوں نے کہا ہم آپ کے اندازے پر راضی ہیں۔[1]

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اور حکمت:

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سامنے ایک شخص آیا۔ حضرت نے دیکھا کہ اس کا پائے جامہ ٹخنوں سے نیچے ہے۔ اب بجائے اس کے کہ حضرت اس سے یہ فرماتے کہ تمہارا پائے جامہ ٹخنوں سے نیچے ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی! مجھے نماز پڑھنی ہے آپ ذرا دیکھ لیں کہ میرا پائے جامہ کہیں ٹخنوں سے نیچے تو نہیں؟ اس شخص نے کہا کہ حضرت! آپ کا نہیں، میرا ہے۔ اس کو حکمت کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ایک تصویر لاکر آپ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام غسل کر لیا کرتے تھے ہم ان کی تصویر کو بھی غسل دیں گے؛ چنانچہ پرانے زمانے کی قلمی تصویر پانی میں ڈالنے سے تھوڑی دیر میں مٹ گئی۔

اب اس کہنے میں کہ اس تصویر کو پھاڑ کر پھینک دو اور اس کہنے میں کہ اس کو غسل دیدو، کتنا بڑا فرق ہے! یہ حکمت ہے۔

علمائے دیوبند کی حکمتِ عملی:

(۱) ہمارے اکابر نے انگریز قابض حکومت کے خلاف جہاد کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، حافظ ضامن شہید سب اس جہاد میں شامل تھے۔ اس جہاد میں اکابر دیوبند کو بظاہر کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریز حکومت نے گرفتاریاں کیں اور بہت سارے علماء شہید کیے گئے۔ اس کے بعد علمائے کرام نے سر جوڑ کر مشورہ کیا کہ

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب خرص النخل والعنب، رقم: ۱۸۲۰.

متحدہ ہندوستان میں دین کی بقا اور حفاظت کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہمارے اکابر نے مشورہ کیا کہ اسلامی مدارس وجامعات قائم کئے جائیں۔ ان مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ قابض حکومت کا مقابلہ بھی جاری رکھا جائے؛ چنانچہ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی، مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی، شیخ الہند کے والد مولانا ذوالفقار صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شبیر احمد عثانی کے والد ماجد مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی، منشی فضل حق صاحب دیوبندی، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہم اللہ دار العلوم دیوبند کے اولین معمار تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی دار العلوم کے سب سے پہلے سرپرست اور حاجی عابد حسین رحمہ اللہ تعالی دار العلوم کے سب سے پہلے مہتمم تھے۔[1] دار العلوم کے قیام کے کچھ مدت بعد مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا۔ اکابر کی حکمتِ علمی کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے دیوبندی مکتب فکر کے مدارس سے پوری دنیا میں دینی خدمت کا وہ زبردست کام لیا کہ دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔ بے شمار ممالک کو "صبغۃ اللہ" کے رنگ میں رنگ دیا۔

ظفر علی خان نے کسی زمانے میں دار العلوم دیوبند کی خدمات کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا:

شاد باش وشادزی اے سرزمین دیوبند ۞ ہند میں تونے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

بعض حضرات نے کہا کہ اگر ظفر علی خان، پوری دنیا میں دیوبندی مکتبِ فکر کی خدمات کو دیکھتے تو یوں فرماتے:

شاد زی تونے کیا اے سرزمین دیوبند ۞ کائنات زیست میں اسلام کا جھنڈا بلند

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ ایک رومی بت پرست بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کو لکھا کہ میں اسلام میں رغبت رکھتا ہوں؛ لیکن میں شراب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

---

(۱) مکمل تاریخ دار العلوم دیوبند، تصنیف: سید محبوب رضوی، ص ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۳۵، ۱۵۷، ط: میر محمد کتب خانہ۔ دار العلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، ترتیب: مولانا محمد اللہ قاسمی، ص ۶۰، و ۴۵۹۔

مسلمان بادشاہ نے علمائے کرام سے سوال کیا؟ علماء نے کہا؛ اسلام میں شراب حرام ہے، اگر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو شراب کو چھوڑنا پڑے گا۔ کسی مسیحی بادشاہ کو پتا چلا اس نے لکھا کہ مسیحیت میں شراب کی اجازت ہے تم مسیحی بن جاؤ؛ چنانچہ وہ مسیحی بن گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا: اگر مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ تم مسلمان بن جاؤ اور شراب کی حرمت پر یقین رکھو، پھر اگر پیو گے تو گناہ ہو گا اسلام سے نہیں نکلو گے۔ آگے اللہ تعالی سچی توبہ کی توفیق دیں گے۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس ایک دیہاتی آیا اور کہا: حضرت مجھے مرید کیجئے۔ مرید ہونے کے بعد اس نے کہا کہ حضرت آپ نے افیم کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ حضرت مولانا نے فرمایا: مجھے آپ کی افیم کے بارے میں کیا معلوم۔ اس نے کہا: میں افیم کھاتا ہوں۔ مولانا نے حکمت سے کام لیا اور فرمایا: کتنی کھاتے ہو؟ اس نے مقدار بتلائی۔ حضرت نے فرمایا: اس مقدار میں سے تھوڑا سا حصہ کھاؤ اور آہستہ آہستہ کم کرتے کرتے چھوڑ دو؛ اس لئے کہ افیم کو یکبار چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر حضرت نے غالباً دعا فرمائی ہو گی۔ اس نے افیم یکدم چھوڑ دی اور سخت بیمار ہو گیا۔ پھر اللہ تعالی نے شفا دی۔ کچھ مدت کے بعد حاضر ہوا اور حضرت کی خدمت میں دو روپے پیش کئے، حضرت نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں اتنی مدت میں دو روپے کی افیم کھاتا تھا، جب یہ دو روپے بچ گئے تو میں نے اپنے نفس سے کہا: تم خوش مت ہو یہ دو روپے میں اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کروں گا۔

(۴) حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی ایک جماعت کی کارگزاری سن رہے تھے۔ ایک ساتھی نے کہا کہ کام تو بس یہی ہے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کیا کہا؟ اس نے اپنی بات دہرائی۔ مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم کہتے ہیں "کام یہ بھی ہے" اور آپ نے کہا: "بس کام یہی ہے"۔ "بھی" اور "یہی" کا فرق ہے۔ پھر فرمایا: تین چیزیں ہیں: علمِ نبوت، عملِ نبوت، نورِ نبوت۔ علم نبوت مدارس سے پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے۔ عملِ نبوت تبلیغی جماعت سے پھیل رہا ہے، اور نورِ نبوت خانقاہوں سے پھیل رہا ہے۔ یہ سب کام اہم ہیں۔ اگر یہ سب کر سکتے ہو تو بہت خوب اور اگر صرف ایک کر سکتے ہو تو دوسرے کاموں کی تنقیص نہ کیا کرو۔ حضرت مولانا نے بہترین طریقہ پر دین کی تینوں شاخوں کی

اہمیت کو اُجاگر فرمایا۔

(۴) ایک مرتبہ کراچی پاکستان میں مصر کے ایک خوش آواز قاری صاحب آئے تھے۔ ان کی قراءت کی مجلس میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی موجود تھے۔ مصری قاری صاحب محلوق اللحیہ تھے۔ بعض حضرات تعجب کرنے لگے کہ اتنے بڑے قاری ہیں اور داڑھی منڈے ہیں۔ حضرت مولانا بنوری نے اپنے اردو بیان میں فرمایا اور پھر عربی میں اس کا ترجمہ فرمایا کہ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ قاری صاحب کی داڑھی نہیں! میں نے لوگوں سے کہا کہ آدمی کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔ قاری صاحب کا باطن ہم سے بہتر ہے اور ہمارا ظاہر قاری صاحب سے بہتر ہے؛ اس لیے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کو قاری صاحب کی طرح بنادیں اور قاری صاحب کے ظاہر کو ہماری طرح بنادیں۔ قاری صاحب کھڑے ہوگئے اور کہا کہ حضرت مولانا کا باطن بھی مجھ سے اچھا ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اِن شاءاللہ میں اپنے ظاہر کو حضرت مولانا کی طرح بنادوں گا۔

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے شرعی مسئلہ کو کتنے پیارے اور پُرحکمت انداز میں بیان فرمایا!

حکمت سے دوسرے کے دل کو ٹھیس لگنے سے بچالیا:

پرانے زمانے میں فارسی کا ایک مشہور شاعر تھا، جس کا نام ''اَنوری'' تھا۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا، بادشاہ اس کے اشعار سے بہت خوش ہوا اور انعام میں اسے ایک عمدہ عربی گھوڑا دیا۔ عمدہ گھوڑے کو پالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور شعراء کو گھوڑے رکھنے سے کیا تعلق! وہ ایک ہفتے کے اندر مر گیا۔ جب انوری دوبارہ بادشاہ کے پاس حاضر ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کہ گھوڑے کا کیا حال ہے؟ اب انوری اگر یہ کہے کہ گھوڑا مر گیا تو بادشاہ کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔ انوری نے کہا کہ حضرت کیا کہوں؟

شاہ اسپِ بانوری بخشید ۞ بادِ صرصر بگردِ وے نہ رسید
ایں چنیں بود تیز رفتار ۞ کہ بیک شب بآخرت برسید

بادشاہ سلامت نے انوری کو ایسا گھوڑا دیا کہ بادِ صر صر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اتنا تیز رفتار نکلا کہ ایک ہی رات میں آخرت کو پہنچ گیا۔

شاعر نے تعبیر اچھی کی، بادشاہ خوش ہوا اور اس کو انعام دیا۔ یہ تعبیر اچھی نہیں تھی کہ ''گھوڑا مر گیا''؛ اس لیے انوری نے دوسری تعبیر کی۔

حکمت سے اپنے آپ کو بچالیا:

پہلے زمانے میں ایک شخص کو دو لوگوں کے درمیان حکم بنایا گیا۔ ان دونوں میں اختلاف یہ تھا کہ ایک نے کہا: شیرنی انڈا دیتی ہے۔ دوسرے نے کہا: شیرنی بچہ دیتی ہے۔ جس نے کہا کہ شیرنی انڈا دیتی ہے وہ بولا: حکم صاحب! صحیح فیصلہ کرنا ورنہ یہ چمکتی ہوئی تلوار آپ کا علاج کرے گی۔ دوسرے نے کہا: صحیح فیصلہ کرنا، ورنہ یہ خنجر سامنے ہے۔ خنجر لمبی چھری کو کہتے ہیں۔ اب وہ آدمی حیران! اس نے کہا: بھائی! شیر جنگل کا بادشاہ اور شیرنی جنگل کی ملکہ ہے، اس کی مرضی ہو تو انڈا دیدے اور مرضی ہو تو بچہ دیدے۔ اس نے حکمت سے اپنے آپ کو بچالیا۔

علمائے کرام اور طلبہ کو حکمت کی ضرورت پڑتی ہے، خصوصاً جو نئے فارغ ہو کر جوش میں ہوتے ہیں ان کو بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

ایک بادشاہ نے کسی زمانے میں رات کو کرفیو لگایا تھا کہ جو بھی رات کو نکلے گا اس کو قتل کیا جائے گا۔ ایک آدمی رات کو نکلا اور پکڑا گیا۔ دوسرے دن حاکم کے سامنے پیش کیا گیا۔ حاکم نے کہا: تم کون ہو اور کیوں نکلے؟ اس نے کہا: میں اس شخصیت کا بیٹا ہوں جس کے سامنے بادشاہ بھی سر جھکاتے ہیں۔ حاکم نے چھوڑ دیا۔ جب باہر نکلا تو اس کو بلایا کہ تم اپنے قول کی تشریح کرو۔ اس نے کہا میں نائی (بال تراش) کا بیٹا ہوں۔ حاکم نے حسن تعبیر کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔

حکمت کے چند مزید واقعات:

(۱) شام میں حافظ الاسد (م:۲۰۰۰ء) کی حکومت آئی۔ اس کا تعلق قرامطہ باطنیہ علویہ فرقہ سے تھا۔ اس کی حکومت کو باطل پرستوں کی حمایت حاصل تھی۔ روس بھی اس کی

حمایت میں پیش پیش تھا۔ اہل سنت پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اس زمانے میں شام کے مفتی عام شیخ احمد کفتارو رحمہ اللہ (م:۲۰۰۴ء) تھے۔ وہ نقشبندی بزرگ تھے۔ اپنے والد کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے سوچا کہ فی الحال ہم حکومت کا مقابلہ ظاہری اسباب میں نہیں کر سکتے، تو مفتی صاحب حافظ الاسد کے قریب ہو گئے اور اس کے ساتھ علیک سلیک اور ملاقاتیں جاری رکھیں۔ اس زمانے میں بہت سارے علماء نے ان کے اس عمل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ کچھ مدت کے بعد حافظ الاسد کا ایک بیٹا جو غالباً ولی عہد تھا ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔ حافظ الاسد اس کی موت پر بہت مغموم ہوا۔ حافظ الاسد قرامطہ باطنیہ میں سے ہونے کے باوجود مفتی احمد کفتارو سے بہت مانوس تھا۔ مفتی احمد کفتارو نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر آپ شام کی بڑی مساجد میں سے ہر ایک مسجد کے ساتھ دار القرآن اس کے نام پر کھول دیں تو آپ کے بیٹے کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا؛ چنانچہ حافظ الاسد نے ایسا کیا، اور اس بہانے بہت سارے مکاتب اور دار الحفظ کھل گئے۔ یہ شیخ احمد کفتارو کی حکمت کا نتیجہ تھا۔

(۲) ساؤتھ افریقہ میں ہمارے آنے سے بہت پہلے ایک امام صاحب تھے، ان سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! یہ کیا قصہ ہے کہ ہم سعودی عرب جاتے ہیں، مصر جاتے ہیں تو عورتیں مسجد میں آتی ہیں اور یہاں مسجد میں عورتیں نہیں آتیں۔ ہماری عورتوں کو بھی مسجد آنا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ بالکل عورتوں کو مسجد آنا چاہیئے؛ لیکن ایک بات سن لو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب عورتیں مسجد میں آتی تھیں تو اس وقت تک مرد بیٹھے رہتے تھے جب تک عورتیں نکل نہیں جاتیں۔ جب وہ گھر پہنچ جاتیں تب مرد نکلتے تھے؛ اس لیے تم بھی بیٹھے رہو گے، عورتیں جب گھر پہنچ جائیں گی تب تم جاؤ گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب عورتیں باتیں شروع کرتی ہیں تو ان کی باتیں چلتی رہتی ہے۔ تو اس پر کیسے عمل ہو سکتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں عورتوں کو گھر میں ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ حکمت ہے۔

(۳) حکمت کے سلسلے میں علامہ عبد الوہاب شعرانی صوفی شافعی رحمہ اللہ تعالی کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے: ۲۶ رجب ۹۵۵ھ کی رات کو ان کی خدمت میں ایک کتا آیا اس کے

منہ میں فٹ بال کی طرح کاغذات کا مجموعہ تھا۔ خدام نے کتے کو کمرہ سے نکالا وہ کتا اوپر کے روشن دان سے آیا۔ شیخ اور خدام سمجھ گئے کہ یہ کتا نہیں کوئی جنی ہے۔ اس نے شیخ کے سامنے کاغذات کا مجموعہ رکھ دیا اور چلا گیا۔ ان کاغذات کو کھولا گیا تو اس میں تصوف اور دوسرے مسائل سے متعلق (٨٠) سوالات تھے اور ابتدا میں لکھا تھا کہ یہ سوالات ہم نے جنات کے علماء سے کئے؛ لیکن وہ مناسب جوابات نہ دے سکے، پھر ہم نے معلوم کیا کہ انسانوں میں بڑے عالم کون ہیں تو ہمیں آپ کا نام بتلایا گیا، آپ ان سوالات کے جوابات دیدیں۔ شیخ عبدالوہاب نے ان سوالات کے جوابات پر مشتمل رسالہ لکھا۔ جس کا نام «کشف الحجاب والران عن وجه أسئلة الجان» ہے۔ یہ رسالہ مکتبہ حجازی، قاہرہ سے چھپ چکا ہے۔

ان سوالات میں سوال نمبر ٥٨ یہ تھا کہ «الحياء شعبة من الإيمان» اس کا تعلق مامورات اور ممنوعات دونوں سے ہے یا ایک سے ہے؟ شیخ نے حکمت کی بات لکھی جس کا خلاصہ کچھ اضافے کے ساتھ یہ ہے کہ اس کا تعلق ممنوعات سے ہے۔ ممنوعات کے ارتکاب سے حیا کی جائے؛ کیونکہ مامورات میں ترک حیا مطلوب ہے؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ وَٱللَّهُ لَا يَسۡتَحۡيِۦ مِنَ ٱلۡحَقِّ ﴾ (الأحزاب: ٥٣) وقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسۡتَحۡيِۦٓ أَن يَضۡرِبَ مَثَلٗا مَّا بَعُوضَةٗ فَمَا فَوۡقَهَا ﴾ (البقرة: ٢٦) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حق کے بیان میں حیا نہ کی جائے۔ حق کے بیان سے نہیں شرمانا چاہیے۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ منہیات کا ارتکاب تو ویسے بھی ممنوع ہے، حیا کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ جواباً عرض ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ممنوعات سے ایسی نفرت ہو کہ طبیعت اس کو برداشت ہی نہ کرے۔ ممنوع شرعی آدمی کے لیے ممنوع طبعی کی طرح بن جائے۔

اس حدیث پر محدثین نے اچھی خاصی بحث فرمائی ہے۔ علامہ شعرانی نے اپنے پُر حکمت کلام میں اچھا خلاصہ ذکر فرمایا ہے۔

شریعت کے مسائل میں سمجھوتا نہیں:

اللہ تبارک وتعالی ہمیں اور طالبین وطالبات کو بھی تفقہ فی الدین یعنی إتقان العلم والعمل عطا فرمائے۔ دین کے مسائل بیان کرنے میں حکمت سے کام لیں۔ اگر کوئی مسئلہ بیان کرنا ہو تو بجائے اس کے کہ کسی کا نام لیں یہ کہیں کہ حق یہ ہے اور باطل یہ ہے، ہم باطل کا مقابلہ کریں گے۔ یہ نہ کہیں کہ فلاں یا فلاں کا مقابلہ کریں گے۔ فتنے سے بچنے کی کوشش کریں۔ شریعت کے مسئلے میں تسامح اور چشم پوشی نہ کریں، بلکہ شریعت کا مسئلہ پورا بیان کرنا چاہئے؛ اس لیے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ مسئلہ گرم ہونا چاہیئے اور طریقہ نرم ہونا چاہئے۔ اس میں کسی کے ساتھ Compromise اور مصالحت نہ کریں۔ اللہ تعالی مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

دین محمدی جلال وجمال کا مجموعہ ہے:

دین محمدی میں جلال کی چند مثالیں:

(ا) حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی فرماتے تھے کہ دین محمدی کی ابتدا وحی سے ہوئی۔ اس میں جلال ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تو سخت سردی میں بھی آپ کی پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی۔ قالت عائشة رضي الله عنها: «ولقد رأيته ينـــزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد، فيَفصِمُ عنه، وإن جبينَه ليَتفصَّد عَرَقًا». (صحيح البخاري، رقم:٢).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وحی کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ نکلتا۔

وعن عبادة بن الصامت، قال: «كان نبي الله صلى الله عليه وسلم إذا أُنزِل عليه الوحيُ كُرِبَ لذلك وتَرَبَّدَ وجهُه». (صحيح مسلم، رقم:٢٣٣٤).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر سختی ہوتی اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔

حدیث افک میں ہے: «حتى أُنزِل عليه، فأخَذَه ما كان يأخُذُه من البُرَحاء، حتى إنه ليَتحدَّر منه من العَرَق مثل الجُمان، وهو في يومٍ شاتٍ من ثِقَلِ القول الذي أُنزِل عليه». (صحيح البخاري، رقم:٤١٤١).

یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی، اور آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کی شدت میں طاری ہوتی تھی؛ چنانچہ موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گرنے لگے؛ حالانکہ سردی کا موسم تھا، یہ اس وحی کی ثقل کی وجہ سے تھا جو آپ پر نازل ہو رہی تھی۔

(۲) قانون میں نرمی نہیں جلال ہے، حدیث شریف میں ہے: «إنما هلك من كان قبلكم، أنهم كانوا يقيمون الحد على الوَضيع ويترُكون الشريف، والذي نفسي بيده، لو أن فاطمة فعلت ذلك لقطعتُ يدها». (صحيح البخاري، رقم:٦٧٨٧).

تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہوگئے کہ وہ کمزوروں پر تو حد قائم کرتے تھے، اور بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ نے بھی یہ کام (چوری) کیا ہوتا (أعاذها الله تعالى) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

(۳) بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی فدیہ لیا۔ عن أنس بن مالك، أن رجالا من الأنصار استأذنوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: ائذَنْ لنا فلنترُكْ لابن أختنا عباس فداءَه، قال: «والله لا تَذَرون منه درهما». (صحيح البخاري، رقم: ٤٠١٧).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار کے چند افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور عرض کیا کہ آپ ہمیں اجازت عنایت فرمائیں ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ معاف کر دیں (جو بدر کی قید سے آزادی حاصل کرنے کے لیے انھیں ادا کرنا پڑتا) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم ان کے فدیہ سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

(۴) زانی اور زانیہ کی حد سے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِي فَٱجۡلِدُواْ كُلَّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا مِاْئَةَ جَلۡدَةٖۖ وَلَا تَأۡخُذۡكُم بِهِمَا رَأۡفَةٞ فِي دِينِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۖ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا

طَآئِفَةٌ مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ﴾ (النور: ٢)

زانیہ اور زانی دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہیے کہ مومنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔

دینِ محمدی میں جمال کی چند مثالیں:

(١) دین محمدی میں جمال اور رحمت بھی ہے؛ قَالَ تَعَالَىٰ:﴿مَن جَآءَ بِٱلۡحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشۡرُ أَمۡثَالِهَاۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَىٰٓ إِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ﴾ (الأنعام: ١٦٠)

جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو شخص کوئی بدی لے کر آئے گا، تو اس کو صرف اسی ایک بدی کی سزا دی جائے گی، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

(٢) اچھی نیت کا ثواب لکھا جاتا ہے؛ عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجع من غزوة تبوك فدنا من المدينة، فقال: «إن بالمدينة أقواما، ما سرتم مسيرا، ولا قطعتم واديا إلا كانوا معكم»، قالوا: يا رسول الله، وهم بالمدينة؟ قال: «وهم بالمدينة، حبسهم العذر». (صحيح البخاري، رقم:٤٤٢٣).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جہاں بھی تم چلے اور جس وادی کو بھی تم نے قطع کیا وہ (اپنے دل سے) تمہارے ساتھ ساتھ تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگرچہ ان کا قیام اس وقت بھی مدینہ میں ہی رہا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (اپنے دل سے) تمہارے ساتھ تھے، وہ کسی عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔

(٣) اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے صحت کے زمانے کے اچھے اعمال نہیں کر سکتا ہے یا سفر کی وجہ سے مقیم ہونے کی حالت میں جو اعمال کرتا تھا انہیں نہیں کر پا رہا ہے تو بھی اس کے لیے ان اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جو وہ اقامت یا صحت کی حالت میں کرتا تھا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا مرض العبد، أو سافر، كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا».(صحيح البخاري، رقم:٢٩٩٦).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے، تو اس کے لیے ان اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جنہیں وہ اقامت اور صحت کے وقت کیا کرتا تھا۔

(۴) اللہ تعالی کبھی گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔عن أبي ذر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إني لأعلم آخِرَ أهلِ الجنة دخولا الجنةَ، وآخِرَ أهلِ النار خروجًا منها، رجل يُؤتَى به يومَ القيامة، فيقال: اعْرِضُوا عليه صِغار ذنوبه، وارفعوا عنه كِبارَها، فتُعرَض عليه صِغارُ ذُنوبه، فيقال: عَمِلتَ يومَ كذا وكذا كذا وكذا، وعَمِلتَ يومَ كذا وكذا كذا وكذا، فيقول: نعم، لا يستطيع أن يُنكِر وهو مُشفِقٌ من كِبار ذنوبه أن تُعرَض عليه، فيُقال له: فإن لك مكان كل سيئة حسنةٌ، فيقول: ربِّ، قد عملت أشياء لا أراها هاهنا. فلقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحِك حتى بدت نَواجِذُه. (صحيح مسلم، رقم:١٩٠).

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب کے بعد جنت میں جائے گا اور سب کے بعد دوزخ سے نکلے گا، وہ ایک شخص ہو گا جو قیامت کے روز لایا جائے گا، پھر حکم ہو گا کہ اس کے ہلکے گناہ پیش کرو اور اس کے بھاری گناہ مت پیش کرو، چنانچہ اس پر ہلکے گناہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور کہا جائے گا فلاں روز تونے ایسا کام کیا اور فلاں روز یہ کام کیا؟ وہ قبول کرے گا، انکار نہ کر سکے گا اور وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں وہ پیش نہ کیے جائیں۔ پھر کہا جائے گا: ہم نے تجھے ہر ایک گناہ کے بدلے ایک نیکی دی۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اور بھی کچھ (گناہ کے) کام کئے ہیں جنہیں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں کھل گئیں۔

(۵) کبھی اللہ تعالی بظاہر معمولی نیکی پر بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس

کی مغفرت فرمادی۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «بينما كلبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ، كاد يقتُلُه العطَشُ، إذ رأته بغيٌّ من بغايا بني إسرائيل، فنـــزعت مُوقَها فسقَتهُ فغُفِر لها به». (صحيح البخاري، رقم:٣٤٦٧).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک کتا ایک کنوئیں کے چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے اس کی جان نکل جائے، کہ بنی اسرائیل کی ایک زانیہ عورت نے اسے دیکھ لیا۔ اس عورت نے اپنا جرموق اتار کر (کنوئیں سے پانی نکال کر) کتے کو پانی پلایا اور اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوگئی۔

(٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالی نے راستے سے کانٹے دار ٹہنی ہٹانے کی وجہ سے ایک شخص کی مغفرت فرمادی۔ عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «بينما رجل يمشي بطريق وجَد غُصْن شَوْكٍ على الطريق فأخَّره، فشكَرَ اللهُ له فغفَر له». (صحيح مسلم، رقم: ٦٥٢).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کہیں جارہا تھا، راستے میں اس نے کانٹوں بھری ایک شاخ دیکھی اور اسے راستے سے ہٹادیا، اللہ تعالی (صرف اس بات پر) اس سے خوش ہوگئے اور اس کی مغفرت فرمادی۔

(٧) ایک شخص جس کے ۹۹ رجسٹر تاحدِ نگاہ گناہوں سے بھرے ہوئے ہوں گے، اس کی صرف ایک پرچی کی وجہ سے جس میں شہادتین ہوں گی اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ عن عبد الله بن عمرو بن العاص، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن الله سيُخلِّص رجلا من أمتي على رُؤوس الخلائق يومَ القيامة، فيُنشَر عليه تسعة وتسعين سِجلا، كل سِجلٍّ مِثلُ مَدَّ البصر، ثم يقول: أتُنكر من هذا شيئا؟ أظلمتك كتبتي الحافظون؟ قال: لا، يا رب، فيقول: أفلك عذر، فيقول: لا، يا رب، فيقول: بلى، إن لك عندنا حسنة واحدة، فإنه لا ظلمَ عليك اليوم، فتُخرَج بِطاقةٌ فيها: أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، فيقول:

احضُر وَزْنك، فيقول: يا رب، ما هذه البطاقة مع هذه السجلات؟ فقال: إنك لا تُظلَم، قال: فتُوضَع السجلات في كِفَّةٍ والبِطاقةُ في كِفَّةٍ، فطاشَت السِّجلات وثقُلت البِطاقة، ولا يثقُلُ مع اسم الله شيءٌ». (سنن الترمذي، رقم: ٢٦٣٩. مسند أحمد، رقم: ٦٩٩٤).

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالی میری امت کے ایک شخص کو جدا کر کے لوگوں کے سامنے لائیں گے، پھر اس کے سامنے (گناہوں) کے ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا بڑا ہو گا کہ جہاں تک نظر پہنچے۔ پھر اللہ تعالی فرمائیں گے: کیا تم اس میں سے کسی گناہ کا انکار کرتے ہو؟ کیا تم پر میرے حفاظت کرنے والے کاتبوں نے ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب! اللہ تعالی فرمائیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ تعالی فرمائیں گے: ہمارے پاس تمہاری نیکی بھی ہے، آج تم پر کچھ ظلم نہیں ہو گا۔ پھر اللہ تعالی ایک پرچی نکالیں گے جس میں لکھا ہو گا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: تم اپنے اعمال تولانے کے لیے جاؤ۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب ان دفتروں کے مقابلے میں اس پرچی کا کیا وزن ہو گا! اللہ تعالی فرمائیں گے: تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر ایک پلڑے میں وہ دفتر رکھ دئے جائیں گے اور وہ پرچی ایک پلڑے میں، چنانچہ وہ دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور پرچی بھاری ہو جائے گی، اور اللہ کے مبارک نام کے سامنے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

اخلاص کی اہمیت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہو، اگر کوئی شخص اللہ کے راستے میں احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلہ کی برابری بھی نہیں کر سکتا اور نہ اس کے آدھے کی۔ (صحیح البخاری، رقم: ٣٦٧٣)

یہاں سونے کا پہاڑ ہے اور وہاں صرف ایک مد بلکہ آدھا مد غلہ۔یعنی ایک کلو بلکہ آدھا کلو گرام۔اس عظیم فرق کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اخلاص کے جس مقام پر فائز تھے عام لوگ اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز جس کا فیصلہ سب سے پہلے ہو گا وہ ایک شہید ہو گا، اسے اللہ تعالی کے پاس لایا جائے گا، اللہ تعالی اس کو اپنی نعمتیں بتلائیں گے، وہ پہچان لے گا، اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے اس کے لیے کیا عمل کیا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے آپ کے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے جھوٹ کہا، تونے تو اس لیے قتال کیا تا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں، اور تجھے دنیا میں بہادر کہا جا چکا، پھر حکم ہو گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا شخص جس نے دین کا علم سیکھا، سکھایا اور قرآن پڑھا، اسے اللہ تعالی کے پاس لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتیں بتلائیں گے وہ پہچان لے گا، اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے اس کے لیے کیا عمل کیا ہے؟ وہ کہے گا: میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اورآپ کی رضا کے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے جھوٹ کہا، تونے تو اس لیے علم حاصل کیا تھا تا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، اور تونے قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، اور دنیا میں تجھے قاری کہا جا چکا ہے۔ پھر اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تیسرا شخص جسے اللہ تعالی نے مال دیا تھا اور سب طرح کے مال دیئے تھے، وہ اللہ تعالی کے پاس لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتیں دکھلائیں گے وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا، اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے اس کے لیے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے آپ کی رضا کے لیے ہر اس راہ میں مال خرچ کیا جس راہ میں مال خرچ کرنا آپ کو پسند تھا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: تونے جھوٹ کہا، تونے اس لیے خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں، اور تجھے دنیا میں سخی کہا جا چکا، پھر حکم ہو گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(صحیح مسلم، رقم: ۱۹۰۵)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے یہاں صرف وہی عمل مقبول ہے جو صرف اور صرف اس کی رضا کی خاطر ہو۔ اللہ کے راستے میں شہادت، اس کے راستے میں خرچ کرنا اور دین کا علم حاصل کرنا اور دوسروں کو سکھانا اعلی درجے کی نیکی اور دنیا وآخرت میں سعادت کا ذریعہ ہے؛ لیکن اگر ان میں اخلاص نہ ہو تو یہ سارے کام وبالِ جان بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالی ریا ونمود سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور صرف اپنی رضا کی خاطر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اتباعِ سنت کی اہمیت:

کبھی کام اخلاص اور رضائے الہی کی خاطر ہوتا ہے؛ لیکن عمل کا طریقہ وہ نہیں ہوتا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا ہے؛ جس کی وجہ سے وہ عمل بے کار ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے کنارے میں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے نماز پڑھی اور پھر حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام، جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گئے اور نماز پڑھی، اور پھر آکر سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام، واپس جاؤ اور نماز پڑھو؛ کیونکہ آپ نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ ان صاحب نے دوسری مرتبہ یا اس کے بعد عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے سکھا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو تو پہلے پوری طرح وضو کرو پھر قبلہ رُو ہو کر تکبیر (تحریمہ) کہو۔ اس کے بعد قرآن مجید میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو وہ پڑھو، پھر رکوع کرو، اور جب رکوع کی حالت میں برابر ہو جاؤ تو سر اٹھاؤ، جب سیدھے کھڑے ہو جاؤ تو اب سجدے میں جاؤ، جب سجدہ پوری طرح کر لو تو سر اٹھاؤ اور اچھی طرح سے بیٹھ جاؤ۔ یہی عمل اپنی ہر رکعت میں کرو۔ (صحیح البخاری، رقم: ۶۲۵۱)

معلوم ہوا کہ نماز جیسا مبارک عمل بھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق نہ ہو تو وہ مقبول نہیں۔

چھٹا درجہ: علم لدنی:

جب آدمی اللہ والا بن جاتا ہے، صراطِ مستقیم پر چلنے لگتا ہے اور اس کا دل منور ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کے دل میں القاء ہوتا ہے۔ اللہ تعالی اس کو وہ علم دیتے ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتا۔ اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ ایک شہر میں گئے جو ان کی بستی لکھنؤ سے فرض کیجیے تقریباً چالیس کلو میٹر پر تھی، وہاں پہنچنے کے بعد ان کے دل میں آیا کہ شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی قریب ہیں، میں ان کی زیارت اور ملاقات کے لیے ہو آؤں، وہاں سے فرض کیجیے کہ آگے تقریباً چالیس کلو میٹر بنتے تھے اور ارادہ نیا تھا، پہلے سے ارادہ نہیں تھا، حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے سفر کے دوران دونوں مسافتوں کو شامل کیا کہ مثلا ۷۸ کلو میٹر سے زیادہ بنتے ہیں؛ اس لیے انھوں نے قصر نماز پڑھی، جب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے یہاں پہنچے، تو شاہ صاحب فرمانے لگے کہ ہاں! بہت بڑے عالم بنے پھرتے ہیں! شرحِ وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے، ہدایہ پر حاشیہ لکھا ہے اور آپ نے راستے میں قصر کرلی، قصر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ جب مولانا واپس گھر آئے اور دیکھا تو مسئلہ ایسا ہی پایا۔

اگر آدمی ایک جگہ کا اردہ کرے اور وہ جگہ قصر کی مسافت سے کم ہے اور پھر وہاں سے اتفاقاً آگے کا اردہ بن جائے اور دونوں مسافتوں کو ملا کر قصر کی مسافت بن جائے؛ لیکن پہلے سے ارادہ نہیں تھا تو ایسی صورت میں قصر نہیں، اتمام کرنا چاہیئے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ۲/۵۰۵)۔

سب کو معلوم ہے کہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ صاحبِ کشف بزرگ تھے، ان کو کشف بہت ہوتا تھا۔ کشف الگ چیز ہے اور علمِ غیب الگ چیز ہے۔ علمِ غیب دائمی چیز ہے اور کشف کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ کشف ظن کے درجے میں ہے اور وحی یقین کے درجے میں۔ بزرگوں کے کشف بھی علم لدنی ہے۔

قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (الحشر: ۹) کے مفسرین حضرات نے مختلف معانی لکھے ہیں، مثلاً تبوؤ الدار وأخلصوا

الإيمان يالزموا المدينة والإيمان ياتبوؤا دار الهجرة ودار الإيمان. لیکن مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ تَبَوَّءُو کے معنی وطن بنانا اور آباد ہونا ہے۔ یعنی جنھوں نے اپنے اجسام کا وطن مدینہ منورہ بنایا اور ارواح کا وطن ایمان کو بنایا۔ مدینہ منورہ ان کے اجسام کا وطن ہے اور ایمان ان کی ارواح کا وطن ہے۔ یہ علم لدنی کا ایک کرشمہ ہے۔

اللہ تعالی اولیائے کرام کو علم لدنی عطا فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا علم لدنی وحی ہے اور اولیاء کرام کا الہام ہے۔

حضرت مولانا دوست محمد قریشی نقشبندی اپنے سلسلہ کے معروف بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے تھے کہ صوفیہ کا مقولہ ہے «تخلقوا بأخلاق الله». یعنی اللہ تعالی کی بعض صفات کو اپنے اندر اتارو۔ مثلاً اللہ تعالی نے اپنی ذات کو مخلوق سے چھپایا ہے اور مخلوق کو پھیلا کر ظاہر کیا ہے، تم اللہ تعالی کے نام کو پھیلاؤ اور اپنے آپ کو چھپاؤ۔ اللہ تعالی بصیر ہیں تم اپنے عیوب پر بینا بن جاؤ۔ اللہ تعالی ستّار ہیں تم دوسروں کے عیوب کو چھپاؤ۔ اللہ تعالی منّان ہیں تم مخلوق کے ساتھ خوب احسان کرو۔ یہ علم لدنی کی ایک جھلک ہے۔

علم لدنی یعنی علم وہبی بھی علم کی ایک قسم ہے۔ علم کی چھ قسمیں ہیں۔

علم کی چھ قسمیں:

(۱) دینی علم۔ (۲) دنیوی علم۔ (۳) علم نافع۔ (۴) علم غیر نافع۔ (۵) علم کسبی۔ (۶) علم وہبی (علم لدنی)۔

(۱) دینی علم، شریعت کا علم ہے۔ اس کی بھی چھ شاخیں ہیں: ۱- قرآن وتفسیر کا علم، ۲- علم الحدیث والآثار، ۳- علم کلام، ۴- علم تجوید، ۵- علم فقہ، ۶- علم لغت عربیہ، جس میں صرف، نحو اور ادب وغیرہ داخل ہیں۔

(۲) دنیوی علم۔ بعض حضرات دنیوی علوم کو علوم نہیں سمجھتے ہیں؛ لیکن صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی علوم ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل کو غیر مفید بتلایا تو صحابہ کرام نے تابیر نہیں کی اور کھجوریں خراب نکلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس شکایت آئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أنتم أعلم بأمر دنیاکم».[1] دنیوی امور میں اعلم ہونے میں عالم ہونا خود بخود آ گیا۔

(۳) علم نافع، جو دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے۔

(۴) علم غیر نافع، جو دنیا وآخرت میں فائدہ نہ دے۔ ضیاعِ وقت اور فضول گوئی کے سوا کچھ نہ ہو۔ بعض فنون میں توغل اور زیادہ انہماک خصوصاً منطق اور فلسفہ میں زیادہ انہماک ممکن ہے کہ علم غیر نافع ہو۔ نیز فلسفیانہ مسائل یا ڈارون وغیرہ کے باطل نظریات، یہ سب علم غیر نافع؛ بلکہ جہل غیر نافع ہیں۔

(۵) علم کسبی وہ ہے جو کسب اور محنت کے نتیجہ میں حاصل ہو، جیسے عام طور پر ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور اشعار ہیں:

بِقَدرِ الكَدِّ تُكْتَسَبُ المَعَالِي ۞ وَمَنْ طَلَبَ العُلَى سَهِرَ اللَّيَالِي

وَمَنْ طَلَبَ العُلَى مِنْ غَيْرِ كَدٍّ ۞ أَضَاعَ العُمْرَ فِيْ طَلَبِ المُحَالِ

تَرُوْمُ العِزَّ ثُمَ تَنَامُ لَيْلاً ۞ يَغُوْصُ البَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِي

۱- محنت اور مشقت کے بقدر ہی بلندیاں حاصل کی جاتی ہیں، جس نے بھی بلندی کی خواہش کی اُس نے راتیں جاگ کر گزاریں۔ ۲- جس نے بلا محنت بلند مقام حاصل کرنا چاہا، اس نے محال چیز کی طلب میں عمر ضائع کر دی۔ ۳- تم عزت (اور بلندی) کے طالب ہو پھر راتوں کو سوتے ہو؛ حالانکہ موتیوں کا طالب تو سمندر میں غوطے لگاتا ہے۔

(۶) علم وہبی۔ در حقیقت علم لدنی ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَعَلَّمْنَٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (الكهف: ٦٥)

یہ علم وہبی انبیاء علیہم السلام کے لیے وحی اور اولیاء کرام کے لیے الہام ہے۔ الہام إلقاء الخير في قلب المؤمن کو کہتے ہیں۔

---

(۱) صحيح مسلم، رقم: ٢٣٦٣.

علم تصوف کی اہمیت اور آج کل اس کا فقدان:

آج کل اکثر جگہ علم تصوف کی طرف توجہ نہیں دی جاتی؛ حالانکہ ہمارے اکابر علمِ تصوف اور علم ظاہر دونوں کے ماہر اور کامیاب مدرس تھے۔ تجربہ کار بھی تھے اور تصوف کے اعلی درجے پر فائز بھی تھے۔

تصوف کا مطلب: إصلاح الظاهر والباطن ہے۔ اور ظاہر وباطن کی اصلاح کے لیے علم بھی ضروری ہے۔

بعض حضرات نے تصوف کا یہ معنی بیان کیا ہے: الاتصاف بكل عمَلٍ وخُلُقٍ سَنِيٍّ، والاجتنابُ عن كل عمَل وخُلُقٍ دَنِيٍّ.

ہر اچھے عمل اور اچھے اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرے اور ہر بُرے عمل اور بُرے اخلاق سے اپنے آپ کے بچائے۔ یہ تصوف ہے۔ اسی کو تزکیہ بھی کہتے ہیں۔

تزکیہ کا مطلب ہے صاف کرنا، اس کے بعد اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے مزین کر کے عند اللہ مقبول بنانا۔ جیسے مچھلی سب سے پہلے صاف کی جاتی ہے، اندر کی آلائش اور غلاظت کو باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کے اوپر مصالحہ وغیرہ لگاتے ہیں اور اس کو بہترین طریقے سے پکاتے ہیں، پھر مچھلی لذیذ ہوتی ہے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف نام ہے: اللہ تعالی کو عبادت سے خوش کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اطاعت سے خوش کرنا، اور مخلوق کو خدمت سے خوش کرنا۔ تینوں باتیں جمع ہو جائیں تو یہ تصوف ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس الاحرار نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ تصوف کیا بلا ہے؟ حضرت شیخ الحدیث نے جواب دیا: صرف تصحیح نیت۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتدا «إنما الأعمال بالنيات» سے ہوتی ہے، اور انتہا «أن تعبد الله كأنك تراه» ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ علوم ظاہریہ میں کامل ہونے کے باوجود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور تصوف کے ماہر معلم اور مرشد بن گئے۔ اس کی تفصیلات میں جانے سے بات لمبی ہو جائے گی بس اس پر اکتفا کرتا ہوں:

مولوی ہرگز نشد مولائے روم ۞ تا غلامِ شمس تبریزی نشد

طلبہ اور فارغین کے لیے چند مختصر ہدایات

مدرسہ کا مقصد:

مدرسہ کا مقصد اللہ رب العزت اور طالب علم کے درمیان بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا ہے۔ فرائض کی پابندی کے ساتھ نوافل اور دعاؤں کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ اچھے اخلاق اور زہد واستغناء کی کیفیت پیدا کرنی ہے۔ ذاتی جوہر اور استعداد میں پختگی پیدا کرنی ہے۔

اگر ہم نے ان امور کو اپنا مقصود اور نصب العین بنایا تو اِن شاء اللہ دنیا میں بھی کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور آخرت میں بھی ہم سرخ رو ہوں گے۔

ہماری آرزوئیں اونچی ہوں اور محنت اور لگن بھی ویسی ہی ہو:

اللہ تعالی نے انسان کے اندر بہت کچھ بننے کی صلاحیت رکھی ہے۔ انسان فرشتوں سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے؛ اس لیے ہمارا ارادہ اور آزوئیں اونچی ہونی چاہئیں۔ ہم یہ آرزو کریں کہ اللہ تعالی ہم سے وہ کام لے جو پیغمبروں سے لیا۔ جب ہم اللہ تعالی کی توفیق سے بہت کچھ بن سکتے ہیں تو پھر ہم گری پڑی آرزوئیں کیوں کریں! آج ہی سے ہم یہ عہد کریں کہ ہمیں اچھے سے اچھا بننا ہے۔

ترقی اور کامیابی موروثی نہیں ہوتی۔ آپ کو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ فاسق کی اولاد ولی کامل اور بڑے بڑے بزرگوں کی اولاد باغی اور سرکش۔ کامیابی تو محنت اور قربانی سے ملتی ہے۔ ع

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پر گھس جانے کے بعد

اگر آپ اچھا بننا چاہیں تو کوئی روک نہیں سکتا، اور اگر نہ بننا چاہیں تو مشیتِ الٰہی کے علاوہ کوئی بنا نہیں سکتا۔

عزیز طلبہ! محنت کر لو، کھانے اور لباس کے معیار کو بھول جاؤ۔ اگر تم صاحبِ کمال بن جاؤ گے تو دنیا وآخرت دونوں تمہاری ہو جائیں گی۔

اخلاص واختصاص (امتیاز) کے بغیر کامیابی ممکن نہیں:

اپنے اندر دو صفات پیدا کرنی انتہائی ضروری ہے، جس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں:

(۱) جوہر ذاتی: یعنی ذاتی قابلیت وصلاحیت اور امتیازی شان۔ انسان کی ذاتی قابلیت ہی وہ چیز ہے جو ہر زمانے میں اس کی ترقی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ہاں صلاحیت و قابلیت کو مقصود اصلی نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہونی چاہئے۔

(۲) اخلاص: جو چیز حقیقت میں کام آنے والی ہے وہ آخرت کی فکر اور اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔ اس کے بغیر دنیا میں کچھ واہ واہ اور ناموری تو ہو سکتی ہے؛ مگر آگے اس کا کچھ حصہ نہیں۔

اگر آپ نے اپنے اندر ان دونوں صفات کو پیدا کر لیا تو پھر آپ جہاں بھی جائیں گے لوگوں کو اپنا منتظر پائیں گے۔ اور اگر آپ نے اپنے آپ کو ان صفات سے مزین نہیں کیا تو پھر زمانے اور حالات کو اپنے مخالف پائیں گے۔ زمانہ صالح کے بجائے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔ زمانے کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش اور احساس کمتری کی علامت ہے۔

گزشتہ زمانے کی بزرگ شخصیات میں سے جن کا نام آج دنیا میں روشن ہے اور گویا کہ وہ آج بھی زندہ ہیں اگر آپ ان کی سیرت کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ انہی دو صفات نے ان کو دوام بخشا ہے۔ آپ ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی (م:۱۱۶۱ھ) کو دیکھ لیجئے کہ ان کا نصاب آج بھی بہت سے ممالک میں درس نظامی کے نام سے رائج ہے۔ ملا نظام الدین نے علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہونے کے بعد باطنی علوم حاصل کرنے کے لیے شاہ عبد الرزاق بانسوی (م:۱۱۳۶ھ) سے بیعت کی جو ایک گمنام شخص تھے اور ظاہری علوم سے ناواقف تھے؛ لیکن باطنی علوم کے امام تھے۔

شیخ کی صحبت نے ملا نظام الدین میں علمی مہارت کے ساتھ اخلاص وللّٰہیت کا وہ کمال پیدا کیا جس کی برکت سے ملا نظام الدین اور ان کا درسِ نظامی آج بھی زندہ ہے۔

آپ بھی اپنی زندگی کے لیے ایک شخصیت کا انتخاب کیجئے اور اسے اپنا رہنما مان کر اپنے اندر اچھے اوصاف منتقل کرنے کی کوشش کیجئے۔

آپ ماضی کی شخصیتوں میں سے جس کی بھی سیرت کا مطالعہ کریں گے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ان کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی یہی دو چیزیں تھیں۔

اگر طالب علم میں ذاتی محنت، فکر و لگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ نہ ہو تو اساتذہ اور اداروں کی محنت سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

امید ہے کہ فارغین ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں گے اور وہ طلبہ جنہیں مدرسے میں ابھی مزید کچھ سال گزارنے کا موقع ہے وہ اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

فراغت کا مطلب اور نصابِ تعلیم کا مقصد:

فراغت کا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ تعلیم و تربیت سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب آپ کو تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں رہی؛ بلکہ فراغت کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ عالمیت کا تعلیمی نصاب مکمل کر چکے ہیں اور آپ کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو چکی ہے کہ از خود کتابوں سے استفادہ کر سکیں، گویا کہ اب آپ کو علم حاصل کرنے کی کنجی مل چکی ہے۔ اس تعلیمی نصاب کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں میں علمی ذوق، اپنی جہالت کا احساس اور علمی پیاس بجھانے کی تڑپ پیدا کر دے۔

علماء کے اوصاف اور ان کی ذمہ داریاں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے علماء دو طرح کے ہیں: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالی نے علم سے نوازا اور وہ لوگوں کے لیے اس کی اشاعت کرتا ہے اور اس پر کوئی لالچ نہیں رکھتا، اور نہ اس سے رقم حاصل کرتا ہے، ایسے علماء کے لیے سمندر کی مچھلیاں، خشکی کے جانور اور آسمانی فضا کے پرندے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اسے اللہ تعالی کے سامنے عزت و شرافت کی حالت

میں پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ رسولوں کا رفیق ہو گا۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا مگر وہ بندوں سے بخل کرتا ہے اور اس علم سے طمع ولالچ رکھتا ہے اور اس سے پیسے کماتا ہے۔ اسے قیامت کے روز آگ کی لگام لگائی جائے گی اور ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: اسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا، تو اس نے بخل کیا اور طمع ولالچ کی اور اسے بیچ کر پیسے کمائے۔ یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: «علماء هذه الأمة رجلان: رجلٌ آتاه الله علمًا، فبذَله للناس و لم يأخُذ عليه طُمْعًا، و لم يَشترِ به ثمنًا، فذلك تَستغفِر له حِيتان البحر، ودَوابُّ البَرِّ، والطيرُ في جَوِّ السماء، ويَقدُم على الله سيِّدًا شريفًا حتى يُرافِق المرسلين، ورجلٌ آتاه الله علمًا، فبَخِل به عن عباد الله، وأخَذ عليه طُمعًا، واشتَرَى به ثمنًا، فذاك يُلْجَم يومَ القيامة بِلجامٍ مِن نار، ويُنادي منادٍ، هذا الذي آتاه اللهُ علمًا فبخِل به عن عباد الله، وأخَذ عليه طُمعًا، واشتَرى به ثمنًا، و كذلك حتى يَفرُغ من الحساب». (المعجم الأوسط، رقم:٧١٨٧).

علمائے ربانی کے پانچ اوصاف:

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ قرآن کریم سے علمائے ربانی کی پانچ علامات مستفاد ہوتی ہیں:

(۱) خوف خدا؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ ﴾ (فاطر: ٢٨)

(۲) خشوع؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ (آل عمران: ١٩٩)

(۳) تواضع؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الحجر: ٨٨)

(۴) حسن اخلاق؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران: ١٥٩)

(۵) دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینا؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ وَقَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ ٱللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ﴾ (القصص: ٨٠)

طالبات وعالمات سے متعلق بعض مفید باتیں اور چند ناصحانہ کلمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أفضل المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه وأتباعه أجمعين. أما بعد: فقد قال الله تعالى: ﴿مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ (النحل: ۹۷)

ترجمہ: جس کسی نے بھی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اسے (دُنیا میں) ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ہم انہیں ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور دیں گے۔

وقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ﴾ (آل عمران: ۱۹۵)

ترجمہ: چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا) کہ: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔

وعن أم سلمة، قالت: استيقَظ النبيُّ صلى الله عليه وسلم ذاتَ ليلة فقال: «سبحانَ الله، ماذا أُنزِل الليلةَ من الفِتَن، وماذا فُتِح من الخزائن، أيقِظُوا صواحبات الحُجَر، فرُبَّ كاسيةٍ في الدنيا عارِيةٍ في الآخرة». (صحيح البخاري، رقم: ۱۱۵)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار ہوئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر فتنے نازل کیے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے۔ ان چار دیواری والیوں کو متنبہ کردو؛ کیونکہ بہت سی عورتیں جو دنیا میں (باریک، یا چست، یا

ناقص) کپڑا پہننے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

محترم طالبات! اللہ تعالی نے بعض چیزوں میں مرد اور عورت میں فرق رکھا ہے۔ وراثت میں فرق ہے، جہاد میں شرکت کے ضروری ہونے نہ ہونے میں فرق ہے، پردہ کرنے نہ کرنے میں فرق ہے؛ لیکن مردوزن دونوں اصناف کے لیے علم وعمل حاصل کرنے میں فرق نہیں ہے۔ علم وعمل دونوں کے لیے ضروری اور اہم ہے۔

تحریر شدہ آیتوں میں اللہ تعالی نے مرد اور عورت دونوں کے لیے عملِ صالح کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ عمل علم پر موقوف ہے۔ علم کے بغیر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ یہ مقولہ مشہور ہے: «العلم بلا عمل عَقيم، والعمل بلا علم سَقيم، وكلاهما طريق مستقيم».[1] علم بغیر عمل کے بانجھ ہے، اور عمل بغیر علم کے بیمار اور خراب ہے، اور دونوں مل کر صراط مستقیم ہے۔

اور یہ مقولہ بھی امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے: «من تفقَّه و لم يَتَصوَّف فقد تفسَّق، ومن تصوَّف و لم يتفقَّه فقد تزندَق، ومن جمع بينهما فقد تحقَّق».[2] جو مضبوط علم حاصل کرے اور صوفی نہ بنے یعنی عمل نہ کرے تو وہ فاسق ہے، اور جو عمل کرے اور علم نہ ہو تو بد دین بن جائے گا، اور جو لوگ دونوں کو جمع کریں وہ محقق اور قابلِ تعریف ہیں۔

بغیر عمل کے عالم اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتابوں کا بار ہو اور وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا؛ اس لیے علم بقدرِ ضرورت سب کے لیے ضروری ہے اور پورا علمِ دین یا علمِ دین کی اہم شاخون کا حصول بھی بعض مستورات کے لیے اہم ہے؛ تاکہ بغیر کسی جھجک اور پریشانی کے مستورات کی دینی خدمت کر سکیں۔

عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے؛ اس لیے اکثریت کو علمِ دین سے محروم رکھنا بڑی محرومی کی بات ہے۔

---

(۱) روح البيان ۶۱/۱، ط: دار الفكر، بيروت.
(۲) مرقاة المفاتيح ۳۳۵/۱، ط: دار الفكر، بيروت.

علم دین کی ضروری شاخیں یہ ہیں: (۱)علم تفسیر۔ (۲)علم حدیث۔ (۳)علم فقہ۔ (۴)علم تجوید۔ (۵)علم کلام۔ (۶)علم لغت عربیہ، جو علمِ صرف، علمِ نحو اور علمِ ادب بقدرِ ضرورت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے؛ لیکن اگر مستورات ایمان، علم و عمل، تقوی وطہارت اور دینی خدمات میں آگے بڑھ جائیں تو وہ بہت سے مردوں سے بہتر ہوں گی۔ اللہ تعالی نے سورہ نمل میں ایک ایماندار عورت بلقیس کا واقعہ ذکر فرمایا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تبلیغ اور ہدہد کی محنت سے مسلمان ہوئی۔ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَٰنَ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ (النمل: ٤٤)

ترجمہ: اس نے کہا: اے میرے پروردگار! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں نے سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ کی اطاعت اختیار کی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس کے بعد سورہ قصص میں ایک بد بخت مرد فرعون کا ذکر فرمایا جس نے حضرت موسی علیہ السلام کی دعوت اور معجزات کو ٹھکرایا اور اپنی انا کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي ٱلْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِۦ نِسَآءَهُمْ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُفْسِدِينَ﴾ (القصص: ٤)

ترجمہ: یقیناً فرعون نے بہت سرکشی کی تھی زمین (مصر) میں، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، جن میں سے ایک گروہ کو اس نے اتنا دبا کر رکھا ہوا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔

بلقیس ایمان و عمل کی بدولت فخر النساء بن گئی اور فرعون اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے عیب الرجال بن گیا۔ کسی شاعر نے کہا:

عورت کو کسی وقت بھی کمتر نہ سمجھنا ❁ عورت کبھی حوا کبھی مریم کبھی زہرا

اور متنبی نے کہا:

فلا التأنيثُ لاسم الشمس عيبٌ ❁ ولا التذكيرُ فخرٌ للهلال

ترجمہ: سورج کے نام کا مؤنث ہونا عیب نہیں۔ اور نہ ہی مذکر ہونا چاند کے لیے فخر کی بات ہے۔

علم و عمل کا لباس پہننے سے ہر دو صنف ترقی کے درجات پر فائز ہوسکتے ہیں؛ بلکہ عورت جب علم و عمل سے مزین ہو تو پورے گھر کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مرد اگرچہ قوّام اور حاکم ہے؛ لیکن عورت مردوں کو بوتل میں ڈالنے کا ہنر جانتی ہے۔

کسی نے مزاحیہ شعر کہا ہے:

طاقتیں دو ہی ہیں زمانے میں ۞ جن سے سارا نظام جاری ہے

اِک خدا کا وجود برحق ہے ۞ ایک عورت کی ذات پیاری ہے

بہر حال مستورات پوری فیملی پر دینی محنت کرسکتی ہیں۔ نیز بنات کے مدارس میں یہ محسوس کیا گیا کہ بنات خوب پڑھتی ہیں اور وقت ضائع نہیں کرتیں کسی شاعر نے کہا ہے:

بجِدٍّ لا بجَدٍّ كلُّ مجدٍ ۞ وما جَدٌّ بلا مَجْدٍ بجَدٍّ

ترجمہ: ہر قسم کی بزرگی محنت سے حاصل ہوتی ہے، صرف نسب اور دادا سے عظمت نہیں ملتی۔ یعنی بغیر محنت کے صرف دادا کی طرف نسبت سے عظمت نہیں ملتی۔

لڑکیوں کے ایک مدرسہ میں بخاری شریف کی اس روایت «أنت أبا جهل»[1] کی تاویلات کہ أبا کیوں منصوب آیا ہے؟ استاذ نے بیان کیں، مثلاً کبھی کبھی اسمائے ستہ أبوك، أخوك وغیرہ ہر حال میں الف کے ساتھ آتے ہیں۔ مثلاً:

إن أباها وأبا أباها ۞ قد بلغا في المَجد منتهاها

یا یوں تقدیر ہوگی: أنت المقتول يا أبا جهل. یا یوں کہا جائے: أنتَ كنتَ أبا جهل. یعنی تم جہالت کے مورث اعلی تھے۔ تو دورۂ حدیث کی ایک طالبہ نے کہا: استاذ جی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابو جہل رفع اور رِفعت کے قابل نہیں؛ اس لیے اس کو مجرم کی طرح سامنے کھڑا کرکے منصوب کیا جائے۔ غرض یہ ہے کہ بچیوں میں بھی ذہین ترین طالبات

(۱) صحيح البخاري، رقم: ٣٩٦٣.

ہوتی ہیں۔

صحیح بخاری کے راویوں میں ایک راویہ کریمہ بنت احمد ہے۔ جس کا اونچا مرتبہ ہے۔

"تحفۃ الفقہاء" کے مصنف علاء الدین سمرقندی نے "تحفۃ الفقہاء" کے نام سے کتاب لکھی اور یہ کہا کہ جو اس کی شرح لکھے گا میں اپنی بیٹی فاطمہ -جو بہترین عالمہ اور فقیہہ تھیں- کا نکاح اس سے کر دوں گا۔ علاء الدین کے تلمیذ ابو بکر بن شیخ مسعود نے اس کی بہترین شرح "بدائع الصنائع" کے نام سے لکھی۔ استاذ بہت خوش ہوئے اور اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح اپنے تلمیذ صاحبِ بدائع سے کر دیا۔ اور "بدائع الصنائع" کا نسخہ مہر قرار دیا گیا۔

پھر دونوں میاں بیوی فقہ پڑھاتے تھے اور اہم فتوی پر شوہر بیوی اور کبھی کبھی ان کے خسر اور استاذ علاء الدین سمرقندی کے دستخط ہوتے تھے۔ فاطمہ کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا اور شوہر اپنی بیوی کے پڑوس میں دفن کئے گئے۔

مدت دراز تک بنات کی تعلیم پر زیادہ توجہ نہیں تھی۔ اب الحمد اللہ تعالی ہر جگہ بنات کے مدارس قائم ہو گئے ہیں اور بنات خوب پڑھ رہی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے متعدد نکاح فرمائے اور چار سے زائد نکاح آپ کی خصوصیت تھی۔ تعددِ ازدواج کی دوسری حکمتوں کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی تھی کہ مستورات اپنے مسائل اور مشکلات ازواجِ مطہرات سے دریافت کر کے حل کر لیں؛ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گیارہ ازواج مطہرات دینی محنت اور تعلیم و تبلیغ کے درحقیقت گیارہ مراکز تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات کو میں نے اس جملے میں جمع کیا ہے: «صاح أخ عز جسم» ص-صفیہ، ا-ام حبیبہ، ح-حفصہ، أ-ام سلمہ، خ-خدیجہ، ع-عائشہ، ز-زینب بنت جحش، زینب بنت خزیمہ، ج-جویریہ، س-سودہ، م-میمونہ رضی اللہ عنہن۔ (ترجمہ: بھائی نے اعلان کیا کہ ازواج کے اجسام اور شخصیات معزز ہیں۔)

ازواج مطہرات سے بہت ساری روایات مروی ہیں۔ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو ٢٢١٠ روایات مروی ہیں۔ اور مکثرین صحابہ جن سے ایک ہزار سے زائد روایات مروی

ہوتی ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چوتھا نمبر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۵۳۷۴، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ۲۶۳۰، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۲۲۸۶، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۲۲۱۰، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱۶۶۰، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ۱۵۴۰، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ۱۱۷۰ روایات مروی ہیں۔

جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ۹ سال میں رخصتی پر سوختہ پا اور معترض ہیں وہ نکاح اور رخصتی کا مقصد نہیں سمجھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ذہین زوجہ مل گئیں جو زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ طالبۂ علم بھی تھیں اور شب و روز آپ کے ساتھ اپنی نوبت میں رہتی تھیں، اور انھوں نے طلبِ علم کا حق ادا کیا۔

۹ سال کی عمر میں رخصتی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوت کا ذکر ہے، ہم بستری کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ خواتین کا علمی سلسلے سے منسلک ہونا قدیم روایت ہے۔

ابتدا میں جو حدیث لکھی گئی اس کا یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ایک مرتبہ بیدار ہوئے سبحان اللہ پڑھا اور فرمایا: آج رات بہت سارے فتنوں کے نزول اور بہت سے خزانوں کے کھلنے کا مجھے علم ہوا؛ اس لیے چار دیواریوں میں رہنے والیوں کو متنبہ کر دو؛ تاکہ وہ خزانوں کے فتنوں سے بچیں؛ اس لیے کہ بہت ساری وہ خواتین جو دنیا میں لباس میں ملبوس ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ مال و دولت کی کثرت کے نتیجے میں فتنے نمودار ہوں گے اور خواتین ان فتنوں کی شکار ہوں گی۔ وہ فتنے مال و دولت کی بہتات کا نتیجہ ہوں گے۔ مال کی کثرت کی وجہ سے فیشن، مختلف قسم کے کپڑے، لباس اور زیورات، کبھی چست لباس، کبھی ناقص لباس، کبھی باریک لباس، کبھی ایسا لباس جس میں جسم برہنہ اور ننگا نظر آئے گا۔ یہی حال مکانات اور دوسرے ساز و سامان میں اسراف کا ہے؛ اس لیے علماء اور عالمات کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اس قسم کے فتنوں سے قوم کی

بیٹیوں کو بچانے کی فکر کریں۔ یہ کام عالمات اچھی طرح کر سکتی ہیں؛ کیونکہ وہ خواتین کو کھل کر نصیحت کر سکتی ہیں۔ فارسی کا شعر ہے:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ❁ کبوتر با کبوتر باز با باز

غمی شادی کے موقعہ پر بھی اس طرح کی نصیحت کا موقعہ خواتین عالمات کو ملتا ہے۔ جہاں مرد علماء نہیں پہنچ سکتے وہاں خواتین پہنچ سکتی ہیں؛ اس لیے عالمات اور طالبات پر تعلیم و تبلیغ و تذکیر کی ذمہ داری زیادہ ہے۔

نیز بنات کے مدارس میں علم دین سکھانے کے ساتھ گھریلو کام سکھانے کا اہتمام بھی ہونا چاہئے؛ اس لیے کہ خواتین کے لیے گھر کا کام، بچوں کی تربیت اور اس کے ساتھ گھریلو ہنر کا کام سیکھنا بھی ضروری ہے۔ اور فقہاء نے لکھا کہ عورت کے ذمے شوہر کی خدمت دیانۃً لازم ہے یعنی فیما بینہ و بین اللہ۔ بغیر عذر کے نہ کرنے پر گناہ ہو گا۔

اس سلسلے میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب النفقات کے تحت یہ باب قائم فرمایا ہے: «باب عمَل المرأة في بيت زوجها» اور پھر اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن عليٍّ، أن فاطمةَ أتت النبيَّ صلى الله عليه وسلم تشكو إليه ما تَلقَى في يدها مِن الرَّحَى، وبلغَها أنه جاءه رقيقٌ، فلم تُصادِفه، فذكرتْ ذلك لعائشة، فلما جاء أخبرتْه عائشةُ، قال: فجاءَنا وقد أخذنا مضاجعَنا، فذهبنا نقوم، فقال: «على مكانكُما» فجاء فقعَد بيني وبينها، حتى وجدتُ بَرْد قدَميه على بطَني، فقال: «ألا أدلكما على خيرٍ مما سألتُما؟ إذا أخذتُما مضاجعَكما - أو أَويتُما إلى فِراشِكُما - فسبَّحا ثلاثًا وثلاثينَ، واحْمدَا ثلاثًا وثلاثينَ، وكبِّرا أربعًا وثلاثين، فهو خيرٌ لكما من خادم». (صحيح البخاري، رقم:٥٣٦١).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس شکایت کے لیے حاضر ہوئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں کتنی تکلیف ہے۔ انھیں معلوم ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام یا باندیاں آئی

ہیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی؛ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، ہم اس وقت اپنے بستروں میں لیٹ چکے تھے۔ ہم نے اٹھنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں جس طرح تھے اسی طرح رہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی (یا ان کی تشریف آوری کی خوشی دل میں محسوس کی)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے جو چیز مجھ سے مانگی ہے، کیا میں تمہیں اس سے بہتر ایک بات نہ بتادوں؟ جب تم اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

علامہ عینی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں، اور جو عورت چکی پیستی ہے وہ آٹا بھی گوندھتی ہے اور روٹی بھی بناتی ہے۔ اور یہ شوہر کے گھر میں عورت کاموں میں سے ہے۔[(۱)]

اور قاضی ابن الترکمانی نے لکھا ہے کہ اگر گھر کے اندر کی خدمت عورت کے ذِمہ نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ یہ آپ کے ذمہ واجب نہیں۔[(۲)]

عن ضَمْرَةَ بن حَبيب، قال: «قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم على ابنته فاطمةَ رضي الله عنها بخدمة البيت، وعلى عليٍّ رضي الله عنه بما كان خارجا من البيت من الخدمة». (المصنف لابن أبي شيبة، رقم: ٢٩٦٧٧. وقال البوصيري في إتحاف الخيرة المهرة: إسناده مرسل ضعيفٌ، لضُعف أبي بكر بن عبد الله).

---

(١) وهذا يدل على أن فاطمة رضي الله تعالى عنها، كانت تطحن، والتي تطحن تعجن وتخبز، وهذا من جملة عمل المرأة في بيت زوجها. (عمدة القاري ٢١/٢٠، ط: دار إحياء التراث العربي).

(٢) فلو لم تكن خدمةُ داخلِ البيت عليها؛ لقال عليه السلام لها: ليس ذلك بواجبٍ عليكِ. (التنبيه على أحاديث الهداية والخلاصة، ص٣٩١، ط: دارالمهاج).

ضمرہ بن حبیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذِمہ گھر کی خدمت سپرد فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذِمہ گھر کے باہر کی خدمت سپرد فرمائی۔

فقیہ ابو اللیث ثمر قندی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ اگر عورت کھانا اور روٹی پکانے سے منع کرے اور وہ ایسے بڑے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جن کے یہاں کھانا بنانے والے خدام ہوتے ہیں تو اسے کھانا اور روٹی بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس کا تعلق ایسے گھرانے سے ہو جو اپنا کام خود کرتے ہیں تو پھر عورت پر کھانا اور روٹی پکانا لازم ہو گا؛ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے اندر خدمت کی ذمہ داری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ سپرد کی تھی۔ (۱)

علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ گھر میں جھاڑو لگانا، کھانا اور روٹی پکانا، کپڑے دُھلنا، اور اس طرح کے دوسرے کام عورت پر دیانۃً واجب نہیں۔ قضاءً اسے ان کاموں پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۲)

اسی طرح علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عورت کو گھر کے کاموں کے لیے قضاءً مجبور نہیں کیا جائے گا؛ البتہ اس پر گھر کے کام دیانۃً واجب ہیں۔ (۳)

امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث کی شرح

---

(۱) قال الفقيه أبو الليث: «إذا امتنعت من الطَّبخ والخَبز لا تُجبَر عليها إذا كانت من بنات الأشراف، وكانت بها عادة، وإن كانت المرأة ممن تخدم نفسها فعليها الطبخ والخبز؛ لأن النبيَّ صلى الله عليه وسلم جعل خدمة داخل البيت على فاطمة رضي الله عنها». (فتاوى النوازل، لأبي الليث السمرقندي، ص۲۲۲، ط: دار الكتب العلمية، بيروت).

(۲) قال الزيلعي: «وتؤمر به (أي: الإرضاع) دِيانةً؛ لأنه من باب الاستخدام، ككَنْسِ البيت والطبخُ وغسلُ الثيابِ والخَبزُ، ونحو ذلك؛ فإنه واجب عليها دِيانةً، ولا يجبرها القاضي عليه». (تبيين الحقائق، باب النفقة ۳۷٦/۷).

(۳) قال ابن الهمام في مسألة الإرضاع: «عدمُ الجبرِ بيانُ الحكم قضاءً بمعنى أنها إذا امتنعت لا يُجبِرُها القاضي عليه، وهو واجب عليها دِيانةً، وكذا غسلُ الثياب والطَّبْخُ والخَبزُ وكَنْسُ البيتِ واجبٌ عليها دِيانةً». (فتح القدير ۴۹۸/۹).

میں لکھا ہے کہ عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کی خدمت کرے اور گھر کے کاموں کو خود انجام دے، مثلاً کھانا پکانا، کپڑے دُھلنا اور اس جیسے دوسرے کام؛ لیکن یہ عورت پر واجب نہیں؛ بلکہ اس کا تعلق حسن معاشرت سے ہے۔ اور یہ اچھی عادت ہے جس پر شروع سے لے کر آج تک عوتیں عمل کرتی چلی آرہی ہیں۔[1]

اس سلسلے میں ہمارے دوست مولانا یوسف بن مولانا مفتی شبیر احمد صاحب برطانوی حفظہما اللہ تعالی نے «السراج الوهاج في خدمة الأزواج» نامی رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کی طرف مراجعہ کیجئے۔

تاریخی روایات کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا ذریعہ بھی ایک عورت فاطمہ بنت الخطاب بنی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے دین کی خاطر جو مشقتیں برداشت کیں وہ بھی آپ پر مخفی نہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کی مشقت اور شہادت بھی آپ کو معلوم ہے۔ حضرت ام سلیم اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی جو خدمت انجام دی وہ بھی احادیث پڑھنے والیوں کے سامنے ہیں۔

اللہ تعالی ہمیں اور آپ سب کو دینِ اسلام کی خدمت کے لیے قبول فرمالیں۔ آمین۔

---

(۱) قال الإمام النووي: «المرأة تَخدُم زوجَها بهذه الأمور المذكورة ونحوِها من الخَبْز والطَّبْخ وغَسل الثياب وغيرِ ذلك، وكلُّه تبرُّعٌ مِن المرأة وإحسانٌ منها إلى زوجها وحُسن مُعاشرةٍ وفِعلُ معروفٍ معه، ولايجبُ عليها شيءٌ من ذلك...، إنما تفعله المرأة تبرُّعًا، وهي عادةٌ جميلةٌ استمر عليها النساء من الزمن الأول إلى الآن». (شرح النووي على مسلم ۱٦٤/۱٤، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت).

دستار بندی کی حقیقت، ثبوت، اور اس کی مختصر تاریخ

دستار بندی ذمہ داری سونپنا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کوئی عہدہ سپرد فرماکر روانہ فرماتے تو اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھتے تھے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنایا، آپ کے سر پر کھدر کا کالا عمامہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن عوف کو اپنے قریب بلایا اوران کا کھدر کا عمامہ نکال دیا اور ان کے سر پر سفید عمامہ باندھ کر انہیں روانہ کیا اور فرمایا جایئے اللہ کے راستے میں جہاد کیجئے۔(۲)

---

(۱) عن أبي أمامة قال: «كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يُوَلِّي واليًا حتى يُعَمِّمَه، ويُرخِي لها عَذَبةً من جانب الأيمن نحو الأُذن». (المعجم الكبير للطبراني، رقم: ٧٦٤١، وفي إسناده جميع بن ثوب، وهو متروك. ورواه أيضًا: الدولابي في الكنى والأسماء، رقم: ١١٠٩. وتَمَّام في فوائده، رقم: ١٦٨٦).

(۲) عن عطاء بن أبي رباح، قال: كنت مع عبد الله بن عمر فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة، فقال ابن عمر: سأخبرك عن ذلك بعلم إن شاء الله تعالى، قال: كنت عاشر عشرة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، وابن مسعود، وحذيفة، وابن عوف، وأبو سعيد الخدري رضي الله عنهم، فجاء فتى من الأنصار فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جلس...، ثم أمر عبد الرحمن بن عوف يتجهز لسرية بعثه عليها، وأصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من كرابيس سوداء، فأدناه النبي صلى الله عليه وسلم ثم نقضه وعممه بعِمامة بيضاء، وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك وقال: «هكذا يا ابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن». ثم أمر النبي صلى الله عليه وسلم بلالا أن يدفع إليه اللواء فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال: «خذ ابن عوف فاغزوا جميعا في سبيل الله فقاتلوا من كفر بالله، لا تغلوا ولا تغدروا، ولا تمثلوا، ولا تقتلوا وليدا، فهذا عهد الله وسيرة نبيه صلى الله عليه وسلم وسلم». (أخرجه الحاكم في المستدرك، رقم: ٨٦٢٣، وقال: «هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه». ووافقه الذهبي. وأخرجه الطبراني في مسند الشاميين، رقم: ١٥٥٨. وقال الهيثمي في مجمع الزوائد، رقم:٨٥٠٠: «إسناده حسن»).

سیاہ عمامہ نکال کر سفید عمامہ پہنانے کی وضاحت:

اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجتے وقت عمامہ پہنایا۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ غالباً کھدر میں چونکہ کالا رنگ اچھا نہیں لگتا، اس لیے کالے کی جگہ سفید عمامہ باندھا۔

یاد رہے کہ سیاہ عمامہ متعدد روایات سے ثابت ہے؛ اس لیے اس روایت کی روشنی میں سیاہ عمامہ کو خلافِ اولیٰ نہیں کہنا چاہئے۔

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر خیبر کی طرف روانہ فرمایا تو آپ کو کالا عمامہ پہنایا۔[۱]

سیاہ عمامہ کا ثبوت:

فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ پہنا تھا۔[۲] حضرت علی[۳]، حضرت انس[٤]، حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح[٥]، حضرت عمار[٦]، حضرت

---

(۱) عن عبد الله بن بسر قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عليًّا إلى خيبر فعَمَّمه بعِمامة سوداء، ثم أرسلها من ورائه، أو قال: على كَتِفه اليسرى. (الأحاديث المختارة للمقدسي (٩/١٠٩/٩٧). وقال السيوطي في الحاوي للفتاوي (١/٣٥٩): «إسناده حسن». وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (٥/٢٦٧): «رواه الطبراني عن شيخه بكر بن سهل الدمياطي، قال الذهبي: وهو مقارب الحديث. وقال النسائي: ضعيف. وبقية رجاله رجال الصحيح إلا أني لم أجد لأبي عبيدة عيسى بن سليم من عبد الله بن بشر —والصحيح بسر- سماعا»).

(۲) عن جابر بن عبد الله، «أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل يوم فتح مكة، وعليه عمامة سوداء». (صحيح مسلم، رقم: ١٣٥٨).

(۳) عن أبي جعفر الأنصاري ، قال : رأيت على عليٍّ عِمامة سوداء يومَ قُتِل عثمان. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥١).

(٤) عن سلمة بن وردان، قال : رأيت على أنس عِمامة سوداء على غير قَلنسُوة ، قد أرخاها من خلفه. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥٥).

(٥) عن عثمان بن أبي هند، قال: رأيت على أبي عبيدة عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥٧).

(٦) عن ملحان بن ثروان، قال: رأيت على عمار عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥٨).

ابو الدرداء(۱)، حضرت عبد الرحمن بن عوف(۲)، حضرت براء بن عازب(۳)، حضرت حسن بن بن علی(٤)، حضرت عبد اللہ بن الزبیر(٥) رضی اللہ عنہم اجمعین سے سیاہ عمامہ پہننا ثابت ہے۔ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے غرق فرعون کے دن سیاہ عمامہ پہنا تھا۔(٦)

اسلام سے پہلے بھی عہدہ سپرد کرتے وقت عمامہ باندھنے کا رواج تھا:

غزوہ بدر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری حمار پر سوار ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مجلس سے گزرے، جس میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا، اس نے اس وقت تک اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ مجلس میں مسلم و مشرک اور یہود سب تھے۔ ان میں عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سواری کی گرد جب مجلس تک پہنچی تو ابن ابی سلول نے اپنی چادر ناک پر رکھ لی اور کہا کہ ہم پر گرد نہ اُڑاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کیا اور سواری روک کر وہاں اُتر گئے، پھر آپ نے اُنہیں اللہ کی طرف بلایا اور انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ اس پر ابن ابی سلول نے کہا: مجھے آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ اگر آپ کی باتیں حق ہیں تو ہماری مجلس میں بیان کر کے ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں، آپ اپنے گھر چلے جائیں وہاں جو آپ کے پاس آئیں انہیں سنا دیں۔ اس پر عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلسوں میں ضرور تشریف لائیں؛ کیونکہ ہم ان باتوں کو پسند کرتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں،

---

(۱) عن سالم، قال: رأيت على أبي الدرداء عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥٨).

(۲) عن عطاء، قال: رأيت على عبد الرحمن بن عوف عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٦٨).

(۳) عن حَزَنِ الخَثعَمي، قال: رأيت على البراء عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٦٧).

(٤) عن أبي رزين، قال: خطبنا الحسن بن علي يوم الجمعة وعليه عمامة سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٧٠).

(٥) عن عاصم بن محمد، عن أبيه، قال: رأيت ابن الزبير اعتم بعمامة سوداء، قد أرخاها من خلفه نحوا من ذراع. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٥٥).

(٦) عن سعيد بن جبير، قال: كانت عمامة جبريل يوم غرق فرعون سوداء. (المصنف لابن أبي شيبة، رقم:٢٥٤٦٢).

مشرکوں اور یہودیوں میں تُو تُو مَیں مَیں ہو گئی، اور قریب تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ کر بیٹھتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاموش کرتے رہے، یہاں تک کہ سب خاموش ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: سعد، آپ نے سنا نہیں کہ ابو حباب یعنی ابن ابی سلول نے کیا کہا؟ اس پر سعد رضی اللہ عنہ بولے کہ یا رسول اللہ! اس سے درگزر فرمائیے۔ اللہ تعالی نے آپ کو وہ نعمت عطا فرما دی ہے جو عطا فرمانی تھی۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے اس بستی کے لوگ اس پر متفق ہو گئے تھے کہ اسے عمامہ پہنائیں گے اور اس کی دستار بندی کریں گے۔ لیکن جب اللہ تعالی نے اس منصوبہ کو اس حق کے ذریعہ جو آپ کو عطا فرمایا ہے ختم کر دیا تو وہ اس پر بگڑ گیا۔ یہ جو کچھ معاملہ اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ (۱)

علامہ قسطلانی، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے فیُعَصِّبُوہ کا ترجمہ فیعمِّموہ دستار بندی کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) عن عروة، أن أسامة بن زيد، أخبره أن النبي صلى الله عليه وسلم ركِب على حمار، على إكاف على قَطِيفة فَدَكِيَّة، وأردف أسامة وراءَه، يعود سعدَ بن عُبادة قبل وقعة بدْر، فسار حتى مر بمجلس فيه عبدُ الله بن أُبيٍّ ابنُ سَلولَ، وذلك قبل أن يُسلِم عبد الله، وفي المجلس أخلاط من المسلمين والمشركين عبدةِ الأوثان واليهود، وفي المجلس عبد الله بن رواحة، فلما غَشِيَت المجلسَ عَجاجة الدابة، خَمَّر عبدُ الله بن أبي أنفه بردائه، قال: لا تُغَبِّروا علينا، فسلم النبي صلى الله عليه وسلم ووقف، ونزل فدعاهم إلى الله فقرأ عليهم القرآن، فقال له عبد الله بن أُبي: يا أيها المرء، إنه لا أحسنَ مما تقول، إن كان حقًّا فلا تُؤذِنا به في مجلسنا، وارجع إلى رَحلك، فمن جاءك فاقصُص عليه. قال ابن رواحة: بلى يا رسول الله، فاغْشَنا به في مجالسنا، فإنا نحب ذلك، فاستَبَّ المسلمون والمشركون واليهودُ حتى كادوا يتثاوَرون، فلم يزل النبي صلى الله عليه وسلم حتى سكتوا، فركِب النبي صلى الله عليه وسلم دابتَه حتى دخل على سعد بن عبادة، فقال له: «أي سعد، ألم تسمع ما قال أبو حباب؟» -يريد عبد الله بن أبي- قال سعد: يا رسول الله، اعف عنه واصفح، فلقد أعطاك الله ما أعطاك، ولقد اجتمع أهل هذه البَحْرَة على أن يُتَوِّجُوه فيُعَصِّبُوه، فلما ردَّ ذلك بالحق الذي أعطاك شَرِق بذلك، فذلك الذي فعَل به ما رأيت. (صحيح البخاري، رقم:٥٦٦٣، و٦٢٠٧).

(۲) قال القسطلاني والعيني: «فيعصِّبوه بالعصابة، أي: فيعمِّموه بعمامة الملوك». (عمدة القاري ١٥٦/١٨. إرشاد الساري ٦٨/٧). وقال الحافظ ابن حجر: «فيعصِّبوه بالعِصابة يعني يُرَئِّسوه عليهم

یہ حدیث تقریری ہے۔

فتاویٰ فریدیہ میں ہے: "سوال: مدارسِ دینیہ میں دستار بندی کی جو رسم جاری ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: دورہ حدیث کے طلبہ کی دستار بندی تبرک اور اظہارِ اعتماد کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کے لیے **اصل** موجود ہے؛ أما التعميم للتبرك فيدل عليه ما رواه أبو داود عن عبد الرحمن بن عوف، وفي إسنده شيخ مجهول. وكذا يدل عليه ما رواه أبو نعيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم علي بن أبي طالب رضي الله عنه في غدير خم[1]، وما رواه عن عمار بن ياسر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم عليا حين بعثه إلى خيبر، وكذا التعميم لإظهار الاعتماد جائز أيضًا يدل عليه ما رواه البخاري عن النبي صلى الله عليه وسلم عند أول الهجرة لم ينكر على تعميم عبد الله بن أبي، والتفصيل في منهاج السنن للترمذي (۲۱۲/٥)، وهو الموفّق". (فتاویٰ فریدیہ ۴/۵۱۳)

ترجمہ: بہر حال برکت کے لیے دستار بندی کرنا، اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے ابو داود نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس میں ایک مجہول شیخ ہے۔ اسی طرح اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا، اور وہ حدیث جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیجتے وقت ان کی دستار بندی فرمائی۔ اسی طرح اظہارِ اعتماد کے لیے دستار بندی

ويسوِّدوه، وسُمِّي الرئيس معصَّبًا لِما يَعصِب برأسه من الأمور، أو لأنهم يُعصِّبون رؤوسَهم بعِصابة لا تنبغي لغيرهم يمتازون بها». (فتح الباري ۲۳۲/۸).

(۱) عن عبد الله بن بسر، عن أبي راشد الحبراني، عن علي رضي الله عنه، قال: «عممني رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم غدير خم بعِمامة سدلها خلفي ثم قال: «إن الله عز وجل أمدني يوم بدر وحنين بملائكة يعتمون هذه العِمَّةَ»، فقال: «إن العِمامة حاجزة بين الكفر والإيمان». (أخرجه الطسيالسي في مسنده، رقم:۱٤۹. وهذا إسناد ضعيف جداً، الأشعث هذا متروك وهو أبو الربيع السمان. وعبد الله بن بسر ضعيف وهو السكسكي).

کرنا جائز ہے اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی کی دستار بندی پر نکیر نہیں فرمائی۔ تفصیل کے لیے ترمذی کی شرح منہاج السنن (۵/ ۲۱۲) ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالی ہی توفیق دینے والا ہے۔

اشرف الاحکام میں ہے: ”فرمایا ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کی جائے، اس سے فارغین کو مسرت ہوتی ہے، جس کے سبب تعلیمِ قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے، اور تعلیم کا سبب بن جانا یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے۔ پس یہ عمل خلافِ سنت نہیں ہے؛ کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے، اور یہ بھی اسبابِ رغبت میں سے ہے، پس صراحۃً تو نہیں، مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ (اشرف الاحکام، ص ۵۱، ط: ادارہ اسلامیات، کراچی)۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی:

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے چار صاحبزادے تھے۔ شاہ عبد العزیز کی عمر ابھی ۱۷ سال تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔

شاہ رفیع الدین ۱۳ سال کی عمر میں فارغ ہوئے اور علماء و صوفیاء کی مجلس میں ان کی دستار بندی کرائی گئی۔ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب بنام شاہ ابو سعید مجددی رائے بریلی کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ ” شاہ رفیع الدین بفضل الہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں۔ ایک مجلس میں علماء و فقراء کے سامنے ان کی دستار تبرک باندھ دی گئی ہے اور درس کی اجازت دی گئی ہے۔ الحمد للہ ان سے بہت سے طالبان مستفید ہو رہے ہیں“۔ (علم حدیث میں خانوادۂ ولی اللہی کی خدمات کا جائزہ / القلم، اپریل ۲۰۱۶ء)۔

دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ہاتھوں گیارہ طلبہ کی دستار بندی:

مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ نے ”تذکرۃ الرشید“ میں لکھا ہے: ”مدرسہ عالیہ

دیوبند میں جلسہ دستار بندی چار مرتبہ ہوا۔ اول ۱۲۹۰ھ میں پانچ مولویوں کے دستار باندھی گئی۔ دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستاربند ہوئے۔ چوتھی مرتبہ جس میں گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی یہی چودہویں ربیع الاول ۱۳۰۱ھ یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا۔۔۔ اس دستار بندی کا مدرسہ کی طرف سے خاص اہتمام ہوا۔۔۔ جلسہ سے دوماہ پیشتر تاریخ ووقت جلسہ مقرر کرکے تقریباً دوہزار خطوط اور اڑھائی سو اشتہارات مطبوعہ اکثر شہروں اور قصبوں میں شائع کردیئے گئے تھے ۔۔۔ قطب العالم محدث گنگوہی قدس سرہ نے کھڑے ہوکر اپنے دست مبارک سے ہر ایک کے سر پر دستار باندھی اور فرادی فرادی ہر ایک سے کچھ کلمات نصیحت ارشاد فرمائے۔۔۔، جن کی اس مقدس ومشہور جلسہ میں دستار بندی ہوئی مفصلہ ذیل ہیں:

حکیم الامت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی تھانوی دامت فیوضہ۔ حضرت مولانا الحافظ المولوی علاء الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا الحافظ المولوی محمد اسحاق صاحب نہٹوری زید فضلہ۔ جناب مولانا حافظ مولوی محمد یحیی صاحب کاندھلوی۔۔۔" (تذکرۃ الرشید ا/۲۴۷-۲۴۹، ط: ادارہ اسلامیات، لاہور)۔

مذکورہ جلسہ دستار بندی سے متعلق "اشرف السوانح" میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "حضرت والا (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ اس سال دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ حضرت والا نے جب سنا کہ دستار بندی ہونے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سندِ فراغ دی جائے گی؛ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں؛ لہذا اس تجویز کو منسوخ فرمادیا جائے؛ ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔ یہ سن کر مولانا کو جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے اُن کے سامنے تمہیں اپنی ہستی نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔

باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہو گی۔ جہاں جاؤں گے بس تمہیں تم ہو گے۔ باقی سارا میدان صاف ہے اطمینان رکھو۔'' (اشرف السوانح ۱/ ۳۴-۳۵، ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ہاتھوں بعض فضلاء کی دستار بندی:

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''سہارنپور کا مدرسہ مظاہر جس کو مدرسہ عالیہ دیوبند کا مماثل وعدیل کہنا چاہیئے اپنے افتتاح کے وقت سے بہ سرپرستی واہتمامِ خاصانِ خدا بابرکت رفتار پر چل رہا تھا، اس کی عمر بھی اٹھارہ سال کے قریب پہنچ گئی تھی، دو مہینے بعد انیسواں سال شروع ہونے والا تھا اس اٹھارہ سال کی مدت میں بہت اشخاص فارغ التحصیل بن چکے اور نصاب نظامیہ کا تکملہ کر کے اپنے ملک ووطن اور اِدھر اُدھر بلاد میں منتشر ہو چکے تھے۔ اہل سہارنپور کو چونکہ اب تک دستار بندی کے جلسہ کی طرف مطلق توجہ نہ ہوئی تھی اس لیے کوئی جلسہ وہاں منعقد نہیں ہوا تھا؛ چنانچہ اب جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ دیوبند سے فارغ ہو کر سہارنپور تشریف فرما ہوئے تو مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے دو فارغ التحصیل طلبہ کو دستارِ فضیلت باندھنے کی خواہش ظاہر فرمائی جس کو حضرت رحمہ اللہ نے بخوشی قبول فرمایا اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جناب مولانا مولوی فخر الدین صاحب گنگوہی زید فضلہ اور مولانا حافظ محمد جان صاحب پنجابی حال قاضی ریاست ٹونک کے سروں پر دست مبارک سے دستار باندھی''۔ (تذکرۃ الرشید ۱/ ۲۵۲، ط: ادارہ اسلامیات لاہور)۔

رسمِ دستار بندی کے اجراء کی وجہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ہاتھوں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی دستار بندی:

دستار بندی کے متعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''زمانہ ہائے قدیم میں اس امر کے ظاہر کرنے کے لیے کہ طالب علم کتب درسیہ پڑھ کر اور علوم وفنون، فقہ وحدیث میں ماہر ہو کر اس درجہ میں پہنچ گیا ہے کہ اس کے فتاوی قابلِ اعتماد سمجھے جائیں

اور اس کی تعلیم و تدریس قابلِ اطمینان شمار ہو دو طریقے جاری کئے گئے تھے۔ ایک سند دینا جس میں اساتذہ اپنے تلامیذ کی کتب خواندگی اور اس کی صلاحیت علمی اور عملی اور اپنی اجازت ظاہر کیا کرتے تھے اور دوسرا طریقہ دستار بندی یا خرقہ عطا کرنے کا ہوتا تھا۔ مجمع عظیم میں اساتذہ تلمیذ کے سر پر اپنے ہاتھ سے دستار باندھ دیتے تھے یا اپنا جبہ وغیرہ خرقہائے علماء عطا کرتے تھے۔ اس طریقہ ثانیہ سے عام وخاص میں تلمیذ کی قابلیت کا علم اور چرچا ہو جاتا تھا، بخلاف سند کے کہ اس کو سمجھنا اور پڑھنا صرف اہل علم سے ہو سکتا تھا۔

دار العلوم قائم ہونے کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا طریقہ جاری کیا گیا۔ دوسرے تیسرے سال اجتماع عظیم کیا جاتا تھا اور دستار بندی اور سند اور امتحان اور تقریر علمی کی رسوم جاری ہوتی تھیں۔ اس طریقہ سے دار العلوم کی شہرت بہت زیادہ ہونے لگی نیز تعلیم عربی اور تحصیل علوم دینیہ کا جذبہ لوگوں میں بڑے پیمانہ پر پیدا ہو گیا۔

یہ طریقہ غالباً ۱۳۰۴ھ تک جاری رہا، مگر بعد میں کچھ ایسے عوائق پیش آئے کہ اس کی انجام دہی نہیں ہو سکی۔ طلبہ کو صرف سند دی جاتی تھی؛ مگر عام لوگوں اور بالخصوص فارغ التحصیل طلبہ کے تقاضے دستار بندی کے برابر ہوتے رہتے تھے جن کو لطائف وحیل سے اربابِ اہتمام ٹالتے رہتے تھے"۔

حضرت مولانا نے اس کے بعد چند سطروں میں دار العلوم پر آنے والی بعض داخلی وخارجی مشکلات کا ذکر کیا ہے پھر لکھا ہے کہ تقریباً ۲۴ سال بعد ۱۶، ۱۷، ۱۸ / اپریل ۱۹۱۰ء کو جلسہ کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر مولانا نے جلسے کی مختصر روداد ذکر کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اولاً متعدد حضرات نے تلاوتِ قرآن کریم فرمائی پھر عربی زبان میں تقاریر ہوئیں، پھر اردو زبان میں اور پھر دوسری مجلس میں دستار بندی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

مولانا مدنی رحمہ اللہ اس کے بعد لکھتے ہیں: "سب سے پہلے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی، اس کے بعد میری دستار بندی کی گئی۔ مجھ کو ایک عمامہ سبز حسب اصول مدرسہ دوسرے حضرات کی طرح مدرسہ سے از دستِ حضرت

شیخ الہند بندھوایا گیا اور مجھ کو خصوصی طور پر علاوہ دستارِ مدرسہ حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب صاحبزادہ حضرت قطب العالم گنگوہی رحمہ اللہ نے دوسری دستار عطا فرمائی، پھر جناب حکیم مولانا احمد صاحب رامپوری رکن مجلس شوری نے تیسری دستار عطا فرمائی"۔(نقش حیات ۱/ ۱۲۲-۱۲۵، مطبوعہ الجمعیۃ پریس)۔

مدرسہ قومی خیر نگر، میرٹھ کے جلسۂ دستار بندی میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی شرکت:

حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "شعبان میں جناب مولانا سید محمد علی صاحب نامی اور جناب مولانا حکیم سید محمد نقی حسین صاحب کی دستار بندی ہونی تھی۔ اول الذکر میسور کالج میں چوٹی کے پروفیسروں میں ہیں اور غالباً آج کل ریٹائر ہو چکے ہوں گے اور ثانی الذکر میرٹھ کے ممتاز اطبا میں سے ہیں۔

یہ جلسہ خان بہادر نواب اسد اللہ خان کی سرکردگی میں تھا اور نواب صاحب ہی مدرسہ قومی کے مہتمم تھے۔ ان کی شرکت کی وجہ سے رؤسائے شہر بھی شریک تھے۔ بڑی بات یہ تھی کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ بھی تشریف فرما تھے"۔(دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا، مؤلفہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالی، ط: ادارۃ المعارف کراچی: ص ۲۱)۔

دستار بندی کا جلسہ اگر سادگی سے کیا جائے تو بہتر عمل ہے اور اگر تکلفات ہوں تو اس سے بچنا چاہئے:

مذکورہ حوالوں سے جلسہ دستار بندی کا ثبوت معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ جلسہ سادگی کے ساتھ ہو۔

ختم بخاری کی مجالس میں آج کل جو اسراف وغلو اور شادی بیاہ جیسا سماں دیکھنے میں آتا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ہمیں مسلمانوں کی حالتِ زار اور کسمپرسی اور مدارس اسلامیہ کی غربت اور حاجت پیش نظر رکھنا چاہئے، اور ہر طرح کے اسراف اور رسم ورواج

کی پابندیوں سے پہلو تہی کرنی چاہئے۔ نیز ان جلسوں میں بڑی بڑی پُر رونق دعوتوں سے احتراز کرنا چاہئے، اور جو بڑی بڑی رقمیں ان پر خرچ ہوتی ہیں ان کو کسی مفید مصرف میں خرچ کرنا چاہئے۔

تکلفات کے بغیر دستار بندی کے جلسے منعقد کرنے کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی کا وعظ ''مقدمہ طبع دوم'' کے تحت صفحہ نمبر ۱۸-۲۰ پر گزر چکا ہے۔ حضرت کا یہ وعظ سرمہ بصیرت بنانے کے لائق ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دستار بندی کے جلسے عوام الناس کو دین کی طرف رغبت دلانے کے ذرائع اور وسائل ہیں؛ لہذا جو اہلِ مدارس دستار بندی کے پُر تکلف جلسے منعقد نہیں کرتے وہ بھی قابلِ داد ہیں اور جو تکلفات سے بچتے ہوئے جلسون کا اہتمام کرتے ہیں وہ بھی قابلِ ستائش ہیں۔

آخری باب کی تشریح

باب قول الله تعالی: ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ﴾ (الأنبياء: ٤٧)، **وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن.**

وقال مجاهد: «القسطاس: العدل بالرومية». ويقال: «القسط: مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر».

صحیح بخاری کی آخری کتاب کا عنوان:

صحیح بخاری کی آخری کتاب کا عنوان اکثر نسخوں میں «کتاب التوحید» ہے۔ نسفی اور حماد بن شاکر رحمہما اللہ کے نسخوں میں بھی اسی طرح ہے، اور فربری سے نقل کرنے والے رواۃ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔(فتح الباري ۱۳/۳٤٤).

کرمانی نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں «کتاب التوحید والرد علی الجهمیة» ہے۔(الکواکب الدراري، للکرماني ۲٥/۹٥). اور حافظ ابن حجر نے مستملی سے «کتاب التوحید والرد علی الجهمیة وغیرهم» نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ «وغیرهم» سے مراد قدریہ[1] ہیں۔(فتح الباري ۱۳/۳٤٤).

---

(۱) یہ فرقہ جبریہ کے برعکس نظریات کا حامل ہے۔ یہ انسان کو قادر مطلق مانتا ہے اور تقدیر کا منکر ہے؛ اس لیے اس فرقے کو قدریہ کہتے ہیں۔ بعض روایات میں قدریہ کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے۔ مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں اور یہ ہر ایک کو قادر مطلق کہہ کر بے شمار خداؤں کے قائل ہیں۔ اس فرقے کا بانی سوسن نصرانی ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد نصرانی بن گیا تھا۔ اس سے یہ نظریہ معبد الجہنی (م:۹۰ھ سے پہلے) اور غیلان دمشقی (م:۱۰٦ھ) نے لیا۔

قدریہ اپنے لیے اس نام کو پسند نہیں کرتے، وہ اپنے آپ کو "عدلیہ" اور "موحدہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ مذہب باطل اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت اور عقل ومشاہدہ سے جو بات معلوم

شرح ابن بطال کے مکتبۃ الرشد کے مطبوعہ نسخے میں «كتاب التوحيد والرد على الجهمية وغيرهم» ہے۔ اور المکتبۃ الأزہریۃ میں محفوظ مخطوطے میں «كتاب رد الجهمية وغيرهم التوحيدَ» ہے۔ (شرح صحيح البخاري لابن بطال ٤٠١/١٠). اور حافظ ابن حجر نے ابن التین سے بھی «كتاب رد الجهمية وغيرهم التوحيدَ» نقل کیا ہے۔(فتح الباري ٣٤٤/١٣).

مذکورہ عنوان پر حافظ ابن حجر نے یہ اشکال کیا ہے کہ جہمیہ[1] تو توحید کو رد نہیں کرتے، ہاں توحید کی تفسیر میں ان کا اختلاف ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جہمیہ کے متعدد فرقے ہیں، اخلقن کا ایک فرقہ توحید کی تردید کرتا تھا؛ اس لیے عنوان درست ہے۔ (فتح الباري ٣٤٤/١٣. عمدة القاري ٨١/٢٥).

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الأبواب والتراجم (۶/ ۳۳۰) میں

ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی قادر مطلق ہے، بلکہ کاسب ہے اور اپنے اندر کسب کا اختیار رکھتا ہے۔(مرقاة المفاتيح ١٨٢/١. معارج القبول بشرح سلم العلوم ٩٤٣/٣. الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب ١١١٤/٢-١١١٥).

(١) یہ فرقہ جہم بن صفوان (م:۱۲۸ھ) کی طرف منسوب ہے۔ جہم اصلاً کوفہ کا رہنے والا اور جعد بن درہم (م:۱۲۴ھ) کا شاگرد تھا، جب اسے باطل عقائد کی وجہ سے کوفہ سے نکال دیا گیا تو یہ ترمذ آگیا، ترمذ موجودہ ازبکستان کا ایک شہر ہے، جو صوبہ صرخنداریا میں واقع ہے۔ یہاں اس کے نظریات کو شہرت ملی اور اسے بہت سے متبعین مل گئے۔ ۱۲۸ ہجری میں سلم بن اَحوَز نے جہم کو قتل کر دیا۔

اس فرقے کے عجیب وغریب عقائد ہیں: یہ لوگ بندے کو جمادات کی طرح مجبور محض مانتے ہیں۔ جنت وجہنم کے فنا ہونے اور خلقِ قرآن کے قائل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں۔ رؤیت باری تعالی کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ "وجود مطلق" کا نام ہے، پھر اس کے لیے جسم بھی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان صرف "معرفت" کا نام ہے اور کفر فقط "جہل" کا نام ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالی کے سوا کسی کا کوئی فعل نہیں ہے۔ اگر کسی کی طرف کوئی فعل منسوب ہوتا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ (الرد على الجهمية لأحمد بن حنبل، ص٩. الفرق بين الفرق، ص١٤٢. الملل والنحل، ص٧٣-٧٦. مقالات الإسلاميين ٣٣٨/٢).

جہمیہ بہت سے عقائد میں معتزلہ کے ساتھ ہیں، اسی وجہ سے امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ نے معتزلہ پر لفظ جہمیہ کا اطلاق کیا ہے؛ لیکن خیاط معتزلی کی رائے ہے کہ معتزلہ کی طرف جہمیہ کی نسبت درست نہیں؛ اگر بعض مسائل میں جہمیہ معتزلہ کے ساتھ ہیں تو دوسرے بعض مسائل میں وہ الگ رائے رکھتے ہیں۔(الفرق الكلامية، ص١٩٩).

«كتاب الرد على الجهمية وغيرهم» کا عنوان لگایا ہے۔ حضرت شیخ کا یہ عنوان سابقہ تمام عناوین سے مختلف ہے؛ لیکن ہمیں متقدمین کی کتابوں میں یہ عنوان ان الفاظ کے ساتھ نہیں مل سکا۔

صحیح بخاری کی آخری کتاب کونسی ہے؟:

عام شارحین کے نزدیک «كتاب التوحيد» صحیح بخاری کی آخری کتاب ہے؛ البتہ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی رائے جمہور سے الگ ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آخری کتاب «كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة» ہے؛ چونکہ حضرت شیخ نے «كتاب التوحيد» کے بجائے «كتاب الرد على الجهمية وغيرهم» کا عنوان لگایا ہے؛ اس لیے اسے «كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة» کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ اکثر مسائل میں ان کی اضداد کو بھی ذکر کرتے ہیں، مثلاً «كتاب الإيمان» میں «باب كفر دون كفر»، «باب المعاصي من أمر الجاهلية»، «باب ظلم دون ظلم» قائم فرمایا ہے، اسی طرح «كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة» میں جہاں کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید کی ہے وہیں «كتاب الرد على الجهمية وغيرهم» کا عنوان قائم کرکے سنت کی ضد بدعت سے کی تردید فرمائی ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ (الأبواب والتراجم ٦/٣١٦، و٣٣٠).

پہلی اور آخری کتاب میں مناسبت:

امام بخاری نے کتاب کی ابتدا ابتدائے وحی سے کی، جس پر دین کا مدار ہے۔ اس کے بعد کتاب الایمان لائے جس پر نجات منحصر ہے۔ پھر اس کے بعد کتاب العلم لائے جس پر تمام عبادات ومعاملات کی درستگی موقوف ہے۔ اور آخر میں کتاب التوحید لائے؛ اس لیے کہ اعمال کی قبولیت اور ہمیشہ کی کامیابی توحید پر خاتمے کے ساتھ مشروط ہے۔

پہلے اور آخری باب میں مناسبت:

احکام شرعیہ وحی سے ثابت ہوتے ہیں، اخلاص کے ساتھ مقبول ہوتے ہیں، جو «إنما الأعمال بالنيات» کا مضمون ہے، اور وزنِ اعمال کے ذریعہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوتے ہیں، جو وزنِ اعمال کے باب اور حدیث کا خلاصہ ہے۔ اعمال کے ضائع ہونے کے مختلف اسباب ہیں، مثلاً: ریاء و نمود، احسان جتلانا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعمال یعنی صدقات کے محفوظ ہونے اور ضائع ہونے کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

اعمالِ صالحہ کی ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے چند صورتیں:

بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ اعمالِ صالحہ کی ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے چند صورتیں ہیں:

۱- ابتدا اچھی، لیکن انتہا اچھی نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُۥ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ لَهُۥ فِيهَا مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ وَأَصَابَهُ ٱلْكِبَرُ وَلَهُۥ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَٱحْتَرَقَتْ﴾ (البقرة: ٢٦٦)

کیا تم میں سے کوئی آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے پاس اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس پر بڑھاپا آجائے اور اس کے ننھے ننھے بچے ہوں، پھر اس باغ کو بگولا پہنچا جس میں آگ تھی پس باغ جل گیا۔

۳- ابتدا و انتہا دونوں خراب ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾﴾ (البقرة: ٢٦٤)

اے ایمان والو! اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر برباد

مت کرو، اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف چٹان پر مٹی ہو اس پر موسلا دھار بارش برسی جس نے اس چٹان کو بالکل صاف کر دیا۔ ایسے ریاکاروں کو اپنی کمائی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالی کافر قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتے۔

۳- ابتدا و انتہا دونوں بہتر ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو لرضاء اللہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمُ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَـَٔاتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾﴾ (البقرة)

ان لوگوں (کے مال) کی مثال جو اپنے مال کو اللہ تعالی کی رضا کی طلب میں اور اپنے آپ کو عادی بنانے کی لیے یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس باغ کی ہے جو اونچی جگہ پر ہو اس پر زوردار بارش برسی پس اس نے دوگنے پھل دئے۔ اگر زودار بارش نہ ہوئی تو ہلکی بارش بھی اس کے لیے کافی ہے۔ اور اللہ تعالی تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

دوسری وہ جو فی سبیل اللہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِى كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّاْئَةُ حَبَّةٍ ۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾﴾ (البقرة)

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیوں کو نکالے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالی جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے، اللہ تعالی فراخی دینے والا، خوب جاننے والا ہے۔

فی سبیل اللہ کا مصداق:

لفظ "فی سبیل اللہ" ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ اللہ تعالی کی رضا کے لیے جو محنت کی جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے؛ لہٰذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد اس کا مصداق ہیں؛ البتہ عام طور پر جب یہ مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں جہاد کے علاوہ ہجرت، حج وعمرہ اور علم ودعوت وغیرہ کے لیے ”فی سبیل اللہ“ کا لفظ آیا ہے:

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ ٱشۡتَرَىٰ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ أَنفُسَهُمۡ وَأَمۡوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلۡجَنَّةَۚ يُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيَقۡتُلُونَ وَيُقۡتَلُونَ﴾ (التوبة: ١١١)

ترجمہ: اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بدلے خرید لیے ہیں کہ جنت انہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔

وقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَمَن يُهَاجِرۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يَجِدۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ مُرَٰغَمٗا كَثِيرٗا وَسَعَةٗۚ وَمَن يَخۡرُجۡ مِنۢ بَيۡتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ ٱلۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ أَجۡرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمٗا﴾ (النساء: ١٠٠)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن الحج والعمرة من سبيل الله، وإن عمرة في رمضان تعدل حجة». (المستدرك للحاكم، رقم: ١٧٧٤، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک حج اور عمرہ ”سبیل اللہ“ میں داخل ہیں، اور رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

وعن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع». (سنن الترمذي، رقم:٢٦٤٧، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلا وہ اللہ کے راستے میں ہے یہاں تک کہ لوٹ آئے۔

وقَالَ تَعَالَى: ﴿لِلْفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحْصِرُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي ٱلْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ ٱلْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ ٱلتَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا﴾ (البقرة: ۲۷۳)

ترجمہ: (مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقرا ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لیے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لیے ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہے، تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت) کو پہچان سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

ابو حیان اندلسی البحر المحیط میں مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: «قال ابن عباس، ومقاتل: هم أهل الصفة حبسوا أنفسهم على طاعة الله، ولم يكن لهم شيء، وكانوا نحوا من أربع مئة». (البحر المحيط ۲/۶۹۶).

ابن عباس اور مقاتل فرماتے ہیں: یہ اہل صفہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو مقید کر رکھا تھا، ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اور یہ حضرات چار سو کے قریب تھے۔

وقَالَ تَعَالَى: ﴿ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ﴾ (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقینا تمہارا پروردگار ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہِ راست پر قائم ہیں۔

فی سبیل اللہ کی مذکورہ اقسام میں سے کسی بھی قسم میں خرچ کرنا مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا مصداق ہو سکتا ہے: ﴿مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّاْئَةُ حَبَّةٍ ۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرة: ۲۶۱)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے، اللہ بہت وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔

پہلی اور آخری حدیث میں مناسبت:

(۱) پہلی حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آخری حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور دونوں غیر منصرف ہیں۔ معلوم ہوا کہ طالب علم کو اِدھر اُدھر نہیں پھرنا چاہیئے؛ بلکہ یکسوئی کے ساتھ علم میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(۲) پہلی حدیث میں امام بخاری کے استاذ "حمیدی" ہیں جو حمد سے تصغیر کا صیغہ ہے اور آخری حدیث میں احمد ہیں، جو حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اور کام کے ختم پر اللہ تعالی کی حمد و ثنا زیادہ ہونی ہی چاہیئے۔

(۳) پہلی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے جو قرآن کریم یعنی وحی متلو کی حفاظت کے امیر ہیں؛ کیونکہ انہی کے مشورہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو یکجا جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اورآخری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے جو وحی غیر متلو یعنی احادث نبویہ کی حفاظت میں امیر المؤمنین ہیں۔

(۴) پہلی حدیث غریب ہے اور آخری حدیث بھی غریب ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حصول علم کے لیے مسافر یا کالمسافر ہونے کی ضرورت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور اشعار ہیں:

تَغَرَّب عن الأوطان في طلَب العُلَى ۞ وسافِر ففي الأسفار خَمسُ فوائدِ
تفرُّجُ هَمٍّ واكتِسابُ معيشةٍ ۞ وعِلمٌ وآدابٌ وصحبةُ ماجدِ

(ديوان الإمام الشافعي، قافية الدال. ووردت أيضًا منسوبة لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه، كما في مجاني الأدب في حدائق العرب ٢/٢٤٨).

ترجمہ: مقاصدِ عالیہ کے حصول کے لیے ترکِ وطن اختیار کرو، اور سفر کرو؛ اس لیے کہ سفر میں پانچ فائدے ہیں: پریشانی کا دور ہونا، روزی کا حاصل ہونا، علم و ادب کا سیکھنا اور

شریفوں کی صحبت حاصل ہونا۔

(۵) پہلی حدیث چار طبقوں میں غریب ہے: ۱- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ۲- علقمہ بن وقاص، ۳- محمد بن ابراہیم التیمی، ۴- یحیی بن سعید انصاری۔ اور آخری حدیث بھی چار طبقوں میں غریب ہے: ۱- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ۲- ابو زرعہ، ۳- عمارۃ بن قعقاع، ۴- محمد بن فضیل۔ اس میں اشارہ ہے کہ حصول علم کے لیے چاروں طرف مشرق و مغرب شمال و جنوب میں سفر کا تہیہ کرنا چاہئے، جیسا کہ اکابر کا طریقہ تھا۔

(۶) ابن ملقن فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کتاب کی ابتدا میں حدیث «إنما الأعمال بالنيات» اور آخر میں اس حدیث کو لاکر مسنون آداب کو اختیار کیا ہے۔ کتاب کا آغاز اخلاص نیت سے کیا، اور نفس کے محاسبے کے ساتھ ذکر اللہ پر اختتام فرمایا۔ (التوضيح لشرح الجامع الصحيح ۳۳/۵۸۷-۵۸۹).

باب قول الله تعالى: ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾:

نضع کا ترجمہ بعض نے نقیم اور بعض نے نحضر کیا ہے۔[1] دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

الموازین میزان کی جمع ہے۔ اس کی اصل مِوْزان ہے، واو کو ما قبل کے کسرے کی وجہ سے یا سے بدل دیا گیا۔ (فتح الباری ۱۳/۵۳۸)

لفظ القِسْط کی وضاحت:

اگر القِسْطُ بکسر القاف ہو تو انصاف کے معنی میں ہے، یعنی حصہ دینا اور انصاف کرنا، قال تعالی: ﴿وَقُضِىَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (يونس: ٥٤) وقال تعالى: ﴿وَأَقِيمُوا۟ ٱلْوَزْنَ بِٱلْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا۟ ٱلْمِيزَانَ﴾ (الرحمن: ٩)، اور القَسْط بفتح القاف اور القُسُوطُ بضم القاف کے معنی ظلم کے ہیں۔ قال تعالی: ﴿وَأَمَّا ٱلْقَـٰسِطُونَ فَكَانُوا۟ لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن: ١٥) پھر باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہوگا، یعنی إزالة الظلم.

---

(١) قال سليمان الجمل: «أي: نقيم الموازين العادلة». (الفتوحات الإلهية، الأنبياء/ ٤٥). وقال الرازي: «معنى وضعها إحضارها». (تفسير الرازي ٢٢/١٤٨).

القِسْط مصدر ہے؛ اس لیے اگرچہ وہ واحد ہے لیکن الموازین کی صفت ہے۔ (معاني القرآن، للفراء ٢/٢٠٥).

القِسْط کو الموازین کی صفت لانے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ترازو بہت زیادہ عدل وانصاف والی ہو گی، یا مضاف محذوف ہے أي: ذوات القسط، یا یہ مفعول لہ ہے أي: لأجل القسط. (البحر المحيط لأبي حيان ٧/٤٣٥).

میزان کو سراپا عدل وانصاف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ میزان کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ (تفسیر الرازی ٢٢/١٤٨)۔

«وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن»:

«قولهم يوزن» واحد کے صیغے کے ساتھ ہے، یا «أقوالهم» جمع کے صیغے کے ساتھ؟:

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں «قولهم» واحد کے صیغے کے ساتھ ہے۔ ابو الحسن القابسی اور بعض دوسرے حضرات کے نسخوں میں «قولهم» کے بجائے «أقوالهم» جمع کے صیغے کے ساتھ ہے۔ اور یہ «أعمالهم» کے ساتھ مناسب بھی ہے۔ (فتح الباری ١٣/٥٣٨). اور «قولهم» مفرد کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قول کا مصدر صرف زبان ہے؛ اس لیے قول مفرد لایا گیا، اور عمل ہاتھ پیر وغیرہ متعدد اعضاء سے صادر ہوتا ہے؛ اس لیے اعمال کو جمع لایا گیا۔

زبان سے نکلی ہوئی باتوں کی اہمیت اور اس کی سنگینی:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اقوال کے اعمال میں شامل ہونے کے باوجود اقوال کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا؛ کیونکہ آنے والی حدیث میں دو کلموں کے میزان میں ثقیل ہونے کا ذکر آرہا ہے۔ اور یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے؛ کما في قولہ تعالی: ﴿حَـٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ (البقرة: ٢٣٨)

اکثر لوگ منہ سے نکلی ہوئی بات کی پرواہ نہیں کرتے؛ جب کہ اس کے دینی ودنیوی نقصانات بے شمار اور بسا اوقات انتہائی سنگین ہوتے ہیں۔ احادیث میں بھی زبان کی حفاظت

کی بہت تاکید آئی ہے۔ بطور نمونہ چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرا کلام زیادہ نہ کرو؛ اس لیے کہ کثرتِ کلام دل کو سخت کر دیتا ہے۔(سنن الترمذي، رقم:۲۳۱۱)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے، میں اسے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔(صحیح البخاري، رقم:۶۴۷۴)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی خاموشی کو لازم پکڑے وہ (بہت سی آفتوں سے) نجات پائے گا۔(سنن الترمذي، رقم:۲۵۰۱)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (بہت سی مرتبہ) آدمی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے اور اس کے نتیجہ کا خیال نہیں کرتا (اس کو کوئی بڑا گناہ نہیں سمجھتا)؛ لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرے گا۔(صحیح البخاري، رقم:۶۴۷۸)

اس موضوع کی سینکڑوں احادیث میں سے چند مشہور احادیث پر اکتفا کیا گیا ہے، ورنہ در حقیقت زبان کی حفاظت، قلت کلام کے فوائد اور کثرت کلام کے بے شمار نقصانات پر اس قدر اشعار اور واقعات ملتے ہیں کہ ان کو جمع کرنا مشکل ہے۔[1] صرف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) للاستزادة منه راجع: ١- شعب الإيمان، الباب:٣٤، وهو باب في حفظ اللسان. ٢-إحياء علوم الدين، كتاب آفات اللسان، وفيه أبواب ٣/١٠٨-١٦٣؛ ذكر فيه فضل السكوت، وذنوب اللسان وعلاجها وما يتعلق به بالتفصيل. ٣-بريقة محمودية، الصنف الثاني في آفات اللسان ٣/١٦٥، ٤/٤٨، بحث مفصل في نحو ١٨٥ صفحة، وفي نهايته لخص المؤلف البحث وسرد سبعين من آفات اللسان. ٤-الصمت لابن أبي الدنيا (ت:٢٨١). ٥- حسن السمت في الصمت، للسيوطي (ت:٩١١)، اختصر فيه كتاب الصمت لابن أبي الدنيا وزاد عليه. ٦-كتمان السر وحفظ اللسان، للجاحظ (ت:٢٥٥) وهي مجموعة رسائل للجاحظ. ٧- كفاية الإنسان في حفظ اللسان، للعلامة محمد عمر زعتير النابلي الحنفي (ت:١٣٣٤). ٨- فقه الكلمة ومسؤوليتها في القرآن والسنة، لمحمد بن عبد الرحمن عيض. ٩-آفات اللسان في ضوء الكتاب والسنة، للشيخ سعيد بن علي بن وهب القحطاني. ١٠- وللاستزادة من أقوال السلف في حفظ اللسان راجع: غرر الخصائص الواضحة للعلامة محمد بن إبراهيم، المعروف بالوطواط (ت:٧١٨).

إذا كثر الطعام فحذرّوني ❁ فإن القلب يفسده الطعام

إذا كثر الكلام فسكّتوني ❁ فإن الدين يهدمه الكلام

إذا كثر المنام فنبهوني ❁ فإن العمر ينقصه المنام

إذا كثر المشيب فحركوني ❁ فإن الشيب يتبعه الحمام(۱)

(روض الأخيار المنتخبة من ربيع الأبرار ٤١٨/١ لمحمد بن قاسم الأماسي الحنفي، م:٩٤٠).

ترجمہ: جب کھانا زیادہ ہو جائے تو مجھے متنبہ کر دو؛ اس لیے کہ (زیادہ) کھانا دل کو خراب کر دیتا ہے۔ جب بات زیادہ ہو جائے تو مجھے خاموش کر دو؛ اس لیے کہ (کثرتِ) کلام دین کو برباد کر دیتی ہے۔ جب نیند زیادہ ہو جائے تو مجھے بیدار کر دو؛ اس لیے کہ نیند عمر کو کم کر دیتی ہے۔ جب بالوں میں سفیدی زیادہ ہو جائے تو مجھے باخبر کر دو؛ اس لیے کہ بڑھاپے کے بعد موت آتی ہے۔

وقال مجاهد: «القسطاس: العدل بالرومية»:

مجاہد فرماتے ہیں کہ قسطاس رومی زبان میں عدل وانصاف کو کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ «القسط» کی مناسب سے آیت کریمہ: ﴿ وَزِنُوا۟ بِٱلْقِسْطَاسِ ٱلْمُسْتَقِيمِ ﴾ (الشعراء: ۱۸۲) میں وارد لفظ «القسطاس» کی تفسیر مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کی ہے۔ نیز امام بخاری نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کے وزن کرنے کا مقصد اظہارِ عدل ہو گا۔

مجاہد رحمہ اللہ کا تعارف:

مجاہد بن جبر، حافظ، امام، شیخ القراء والمفسرین، سائب بن ابی سائب کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انھوں نے قرآن کریم، تفسیر اور فقہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پڑھی۔ اور متعدد صحابہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/۴۴۹)۔

---

(۱) تفسير روح البيان للعلامة إسماعيل حقي (المتوفى: ١١٢٧هــ) ١٩٢/٥؛ روض الأخيار المنتخبة من ربيع الأبرار ٤١٨/١ للعلامة محمد بن قاسم الأماسي الحنفي (المتوفى عام: ٩٤٠ هــ).

فضل بن میمون نے مجاہد سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: «عَرَضتُ القرآنَ على ابن عباس ثلاثينَ عَرْضةً». (الطبقات الكبرى، لابن سعد ١٩/٦).

اور ابان بن صالح نے مجاہد سے نقل کیا ہے: «اعرضتُ القرآنَ على ابن عباس ثلاثَ عَرَضات، أَقِفُه على كل آية أسأله فيما نَزَلت وكيف كانت؟». (حلية الأولياء ٢٧٩/٣).

لفظ «القسطاس» کی تحقیق:

القسطاس **قاف کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ درست ہے۔** (المحرر الوجیز، الإسراء ۳۵:).

یہ رومی زبان میں قاف کے ضمہ کے ساتھ مستعمل ہے؛ لیکن عرب نے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ "عجمی لفظ کو جس طرح چاہو استعمال کرو"۔ (التحریر والتنویر، الإسراء:۳۵)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصلاً یہ رومی لفظ ہے جو دو کلموں سے مرکب ہے، ایک کلمہ «قِسط» **ہے جس کے معنی عدل کے ہیں اور دوسرا** «طاس» **ہے جس کے معنی میزان کے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ** «قسط»، «قسطاس» **کا مختصر ہو؛ اس لیے کہ اکثر رومی کلمات کے آخر میں سین ہوتی ہے۔** (التحریر والتنویر، الإسراء:۳۵)

قِسطاس کے معنی:

قسطاس **کے معنی عدل کے ہیں، جیسا کہ مجاہد سے منقول ہے، اور چونکہ میزان عدل کے لیے ہوتی ہے؛ اس لیے ضحاک نے** قسطاس **کے معنی میزان بیان کیا ہے۔** (معانی القرآن، للنحاس ۱۵۴/۴)، **اور چونکہ** «قسطاس» **لفظِ** «قسط» **سے مبالغہ کے لیے ہے؛ اس لیے بعض نے اس کا معنی سب سے زیادہ انصاف والا میزان کیا ہے۔** (المحرر الوجیز، الإسراء:۳۵۔ المعجم الوسیط)

قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ:

مجاہد کے مذکورہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں عجمی کلمات بھی ہیں۔ یہ

ایک اختلافی مسئلہ ہے:

(۱) امام شافعی، ابن جریر طبری، ابو عبیدہ، قاضی ابو بکر، ابن فارس اور اکثر حضرات کے نزدیک قرآن کریم میں معرب لفظ نہیں ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والثلاثون)؛ کیونکہ اللہ تعالی نے اسے سورہ یوسف، سورہ طہ وغیرہ متعدد سورتوں میں ﴿قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ فرمایاہے۔ اور متعدد آیات میں اس کے عربی زبان ہونے کی تصریح ہے۔

ابو عبیدہ معمر بن المثنی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ قرآن کریم میں عربی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان بھی ہے تو اس نے اللہ تعالی پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ (فنون الأفنان، ص ۳۴۱۔ البحر المحیط فی أصول الفقہ ۳/۳۰)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان اس قدر وسیع ہے کہ نبی کے علاوہ کوئی بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکا؛ اس لیے بعض لوگ مکمل عربی زبان سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں لفظ غیر عربی ہے؛ حالانکہ در حقیقت وہ عربی زبان ہی کا لفظ ہوتا ہے۔ (الرسالة، ص ٤٣).

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، اور مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ آئے ہیں۔ (فنون الأفنان، باب ذکر اللغات فی القرآن) اور چند غیر عربی الفاظ کی وجہ سے قرآن کریم کا عربیت سے خارج ہونا لازم نہیں آتا، جس طرح کسی غیر عربی زبان کے قصیدے میں عربی کے چندالفاظ آجانے سے اس قصیدے کا عربی زبان میں ہونا لازم نہیں آتا۔ اور آیت کریمہ ﴿ءَاَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ﴾ (فصلت: ٤٤) کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن کریم عجمی زبان میں ہوتا جسے عرب سمجھنے سے قاصر ہوتے تو وہ کہتے کہ کیا عجمی قرآن اور عربی مخاطب! (الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والثلاثون)۔

نیز جو عجمی الفاظ عربی میں استعمال ہوئے وہ عربی کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں: ایک شاعر کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

إن الأناگير ساهت بعد ما سبزت ۞ وأشرورنت بعد ما كانت تراشيشا

بے شک انگور سبز ہونے کے بعد سیاہ ہوگئے اور ترش اور کھٹے ہونے کے بعد شیریں اور میٹھے ہوگئے۔

امام سیوطی نے دوسرے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والثلاثون)۔

مذکورہ اقوال میں تطبیق:

مذکورہ دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم کے جن الفاظ کو غیر عربی کہا گیا ہے وہ توارد لغت کے قبیل سے ہیں۔ یعنی ایک لفظ کو عربوں نے استعمال کیا اور اسے عجم نے بھی استعمال کیا۔ (الکواکب الدراری، للکرمانی ۲۵/ ۲۴۹)۔

یا یہ الفاظ اصلاً غیر عربی زبان کے تھے؛ لیکن قدیم عرب نے ان الفاظ میں کچھ رد وبدل کرکے اپنے اشعار و محاورات میں استعمال کیا جس کی وجہ سے وہ عربی زبان کے الفاظ ہوگئے، اور چونکہ قرآن کریم عرب اولین کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال کیے گئے۔ جن حضرات نے ان الفاظ کی اصل کا لحاظ کیا انھوں نے اسے عجمی کہا اور جنھوں نے ان الفاظ کے عربی اشعار و محاورات میں استعمال کا لحاظ کیا انھوں نے اسے عربی کہا۔ ابو منصور الجوالیقی اور ابن جوزی کا میلان اس تطبیق کی طرف ہے۔ (الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والثلاثون۔ وانظر: البحر المحیط فی أصول الفقہ، للزرکشی ۳/ ۳۰)۔

قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ کی تعداد:

تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین السبکی (م: ۷۷۱ھ) نے ایسے (۲۷) عجمی الفاظ اشعار میں بیان کیے ہیں جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس پر ابن حجر نے اشعار میں ہی (۲۴) الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے۔ امام سیوطی نے ان پر مزید (۷۲) الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ کل مجموعہ (۱۲۳) ہوا۔ (المہذب فیما وقع فی القرآن من المعرَّب، للسیوطی، ص۱۶۹)۔ بعض حضرات نے مزید الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

لفظ «القسط» اور «القاسط» کے معنی کی وضاحت:

ویقال: «القسط: مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر».

اور کہا جاتا ہے کہ «القسط» یہ «المقسط» کا مصدر ہے، جس کا معنی عادل ہے۔ اور «القاسِط» کا معنی ظالم ہے۔ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ﴾ (المائدة: ٤٢) وقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَأَمَّا ٱلْقَٰسِطُونَ فَكَانُواْ لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن: ١٥)

یہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی (م:٢٠٩ھ) کا قول ہے جو انھوں نے مجاز القرآن (ص ٩٠) میں ذکر کیا ہے۔

یہاں مصدر سے مراد مصدر المصدر، یا مصدر بحذف الزوائد ہے؛ کیونکہ «المقسط» جو کہ مزید فیہ ہے، اس کا مصدر «الإقساط» ہے، اور «الإقساط» کا مصدر «القِسط» ہے جو کہ مجرد ہے۔ (الکواکب الدراری، للکرمانی ٢٤٩/٢٥)۔

اعتراض: مزید، مزید علیہ کی جنس سے ہونا چاہئے۔ جب کہ «القَسط» کا معنی ظلم ہے تو «المقسِط» کا معنی عادل کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: اگر «المقسِط» کا مصدر المصدر «القِسط» ہے تو «المقسط» کا معنی عادل ہونا واضح ہے۔ اور اگر «المقسِط» کا مصدر «القَسط» بمعنی «الجور» ہے تو اس صورت میں بھی چونکہ «المقسِط» باب افعال سے ہے اور باب افعال کا ایک خاصہ سلب مأخذ ہے تو «المقسِط» کا معنی مسلوب الجور یعنی عادل ہوگا۔ (الکواکب الدراری، للکرمانی ٢٤٩/٢٥)۔

راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ «قِسط» کے معنی حصہ کے ہیں۔ «قَسَطَ» اس وقت بولا جاتا ہے جب دوسرے کے حصے کو لے لے، اور یہ ظلم ہے، اور «قسَط» سے «قاسط» اسم فاعل ہے۔ اور دوسرے کو اس کا حصہ دینے کو «إقساط» کہتے ہیں، اور یہ انصاف ہے۔ «إقساط» سے «مقسِط» اسم فاعل ہے۔ اس لیے «قاسط» کے معنی ظالم اور «مقسِط» کے معنی عادل کے ہیں۔ (فتح الباری ٥٣٩/١٣)۔

لفظ «القاسط» کی مناسبت سے سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف کا مشہور واقعہ:

میں نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے ختم بخاری کے درس میں سنا کہ سعید بن جبیر کو جب حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا: «إنك قاسِط عادل». بعض حاضرین نے اس کو مدح سمجھ کر سعید بن جبیر کی رہائی کی رائے ظاہر کی؛ لیکن حجاج نے کہا: اس نے مجھ کو ظالم کہا اور عادل مشرک کے معنی آتا ہے، قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ثُمَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُونَ﴾ (الأنعام: ۱) حجاج بن یوسف لغت عربی میں بہت ماہر تھا۔[1]

---

(۱) الکشاف (٦٢٨/٤). مفاتيح الغيب (٦٧١/٣٠). إرشاد الساري (٤٨٢/١٠). ان کتب کے علاوہ متعدد کتبِ تفسیر اور بعض شروحات احادیث میں یہ قصہ بلاسند مذکور ہے۔ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں کسی کتاب میں اس قصے کی سند نہیں مل سکی۔ اور بعض لغات کی کتابوں میں یہ قول بلاسند ایک عورت کی طرف منسوب کیا گیا ہے؛ قال في الصحاح: «ومنه قول تلك المرأة للحجاج: «إنك لَقاسِطٌ عادل». (الصحاح للجوهري ١٧٦١/٥. ومثله في لسان العرب ٤٣٦/١١، وتاج العروس ٤٥٤/٢٩). اور عبد القادر دمشقی (م:۹۲۷) نے لکھا ہے کہ یہ عورت خارجی تھی؛ «وأتى الحجاج بامرأة من الخوارج فقال لها: ما تقولين فيَّ؟ فقالت: أنت قاسط عادل، فقال لمن حضر: ما تقولون في كلامها؟ فقالوا: ما نرى به بأسا، فقال: إنها تقول: إني جائر كافر...». (الدارس في تاريخ المدارس ٣٣٧/٢).

مذکورہ واقعہ کے علاوہ حضرت سعید بن جبیر کے قتل کا قصہ لوگوں میں مشہور اور دو طرح سے باسند وبلاسند بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔ ان میں سے ایک زیادہ مشہور ہے، جس میں سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو «الشَّقِيُّ بنُ كُسَيْر» کہا۔ اس طویل قصے کو ابو العرب نے المحن (۱/ ۲۳۳و۲۳۶و۳۲۹) میں، ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء (۴/ ۲۹۰-۲۹۴) میں، ابن عبد البر نے التمہید (۱۰/ ۶) میں، بلاذری نے انساب الأشراف (۷/ ۳۶۹) میں، ابن الجوزی نے المنتظم (۷/ ۷) میں سنداً ذکر کیا ہے؛ لیکن یہ تمام سندیں ضعیف ہیں، کسی میں کوئی ضعیف راوی ہے تو کسی میں مجہول، کسی میں شیعہ تو کسی میں متہم بالوضع ہے۔ اس طویل قصے کو مسعودی نے مروج الذہب (۳/ ۱۶۴) میں، قوام السنہ نے سیر السلف الصالحین (۱/ ۷۸۳) میں، ابن الجوزی نے صفۃ الصفوہ (۲/ ۴۶)، حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ نے فضائل اعمال (ص۹۵، زمزم پبلشرز) میں اور دوسرے بہت سے حضرات نے بلاسند ذکر کیا ہے۔

علامہ ذہبی اس طویل قصے کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: «هذه حكاية منكرة غير صحيحة». (سير

ترجمۃ الباب کے مقاصد:

(۱) بعض شارحین کی رائے ہے کہ کتاب التوحید در حقیقت کتاب علم الکلام ہے؛ لیکن توحید کی اہمیت کی وجہ سے علم الکلام کا عنوان ’’کتاب التوحید‘‘ رکھا گیا۔ اس باب میں علمِ کلام کے مسائل اور عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ اور مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ وزنِ اعمال

أعلام النبلاء ٣٣٢/٤). ابن کثیر فرماتے ہیں: «وقد ذكرنا صفة مقتله، وقد رويت آثار غريبة في صفة مقتله».(البداية والنهاية ١٢٠/٩).

دوسرا قصہ جو سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور اس میں طویل مکالمہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اس لیے قتل کیے گئے کہ انھوں نے عبد الرحمن بن الاشعث کے ساتھ مل کر حکومتِ وقت کے خلاف خروج کیا تھا۔ جب عبد الرحمن بن الاشعث کو حجاج کے ہاتھوں دیر الجماجم میں شکست ہوئی تو سعید بن جبیر مکہ آ گئے۔ اس لڑائی کے بارہ سال بعد مکہ کے حاکم خالد بن عبد اللہ القسری نے ان کو پکڑ کر کوفہ بھیج دیا، جب وہ حجاج کے سامنے پیش کیے گئے تو حجاج نے کہا: اللہ ابن القسری کو غارت کرے، ان کو یہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، مجھے تو پتا تھا کہ مکہ میں کہاں اور کس کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں، اس کے بعد وہ ان کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا، راوی کہتے ہیں: ہمیں یوں لگا کہ حجاج ان کو چھوڑ دیں گے۔ حجاج نے ان سے کہا: میں نے آپ کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، کیا میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی نہیں بنایا تھا؛ حالانکہ وہاں صرف عرب ہی قاضی بن سکتے ہیں، اور کیا میں نے آپ کو اپنی امانت میں شریک نہیں کیا، اور میں نے آپ پر فلاں فلاں احسانات نہیں کیے؟ سعید بن جبیر ہر سوال کے جواب میں کہتے رہے: بے شک۔ حجاج نے کہا: پھر آپ نے کیوں میرے خلاف خروج کیا؟ سعید بن جبیر نے فرمایا: مجھ سے عبد الرحمن بن الاشعث نے بیعت لے لی تھی۔ اس پر حجاج کو غصہ آیا اور کہا کہ میں نے تو آپ سے دو مرتبہ بیعت لی تھی اس کا آپ نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے دشمن کی بیعت کا آپ کو لحاظ ہے اور امیر المؤمنین کی بیعت کا کوئی لحاظ نہیں، ان کی گردن اڑا دی جائے؛ چنانچہ ان کی گردن اڑا دی گئی۔

یہ مختصر واقعہ مختلف الفاظ کے ساتھ ابن سعد نے الطبقات الکبری (۲۶۵/۶) میں، دینوری نے المعارف (۴۴۵/۱) میں، ابو یوسف بسوی نے (المعرفۃ والتاریخ ۷۱۳/۱) میں، بلاذری نے انساب الأشراف (۳۶۸/۷) میں، ابن جریر طبری نے تاریخ الأمم والملوک (۹۸/۴) میں، اور ابو العرب نے المحن (۲۴۳/۱) میں سنداً روایت کیا ہے۔ ان میں سے اکثر کی سندوں کے رجال ثقہ یا صدوق ہیں۔ متعدد کتب میں یہ واقعہ بلا سند بھی مذکور ہے۔ مثلاً: التمہید لابن عبد البر (۲۲۲/۱۲)، الکامل لابن الاثیر (۵۸۰/۴)، تاریخ الاسلام للذہبی (۳۶۸/۴)، البدء والتاریخ للمقدسی (۳۸/۶) وغیرہ۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو قتل کیے جانے کا سبب ان کا خلیفۃ المسلمین کی بیعت کو توڑنا اور حکومتِ وقت کے خلاف خروج تھا۔ واللہ اعلم۔

کا عقیدہ ہے، جس کو متکلمین علمِ کلام میں بیان کرتے رہتے ہیں؛ جبکہ ما قبل میں علمِ کلام کے دیگر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ بعض نسخوں میں کتاب التوحید کے ذیل میں جہمیہ اور غیر جہمیہ کی تردید کا ذکر ہے؛ لہذا یہاں بعض معتزلہ جیسے ابو علی جبائی اور بعض جہمیہ کی تردید مقصود ہے جو وزنِ اعمال سے انکاری ہیں۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توحید کا مقصد اللہ تعالی کی وحدانیت کو دل میں جمانا ہے، اور یہ ذکر اللہ سے ہوتا ہے؛ اس لیے اس باب میں مصنف نے وزنِ اعمال کے ساتھ «سبحان الله وبحمده» سے اللہ تعالی کے ذکر کی تلقین فرمائی، اور «من كان آخِرُ كلامه لا إله إلا اللهُ دخَل الجنةَ» کی طرف اشارہ فرمایا؛ اس لیے کہ یہ کتاب کی آخری حدیث ہے۔

(۴) یا «إن أعمال بني آدم وقوله يوزن» میں یہ مقصود ہے کہ اعمال میں تلاوتِ قرآن بھی شامل ہے اور تلاوت حادث ہے اس کو تولا جائے گا، متلو اللہ تعالی کی صفت ہے اس کو نہیں تولا جائے گا، مخلوق کے عمل کو تولا جائے گا جو تلاوت ہے۔

چونکہ اس باب میں مصنف نے بعض معتزلہ کی تردید فرمائی ہے، اور معتزلہ کے عقائد میں ایک عقیدہ خلقِ قرآن کا عقیدہ ہے؛ اس وجہ سے طلبہ کے فائدہ کے لیے خلقِ قرآن کے مسئلے کو بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس مسئلے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بہت تکلیف اٹھائی ہے؛ اس لیے ہم ان کے فرمان سے اس مسئلے کی ابتدا کر رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے اس موقف کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: «القرآن كلام الله غير مخلوق» (قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے)۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۳/ ۱۰۰)

اس حق گوئی اور جرأت واستقامت پر امام احمد کو بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اور ان کو ۲۸ مہینے تک جیل میں رکھا گیا۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۱/ ۲۵۲)

تاریخی روایات میں آیا ہے کہ جب ان کو پہلا کوڑا مارا گیا تو انھوں نے بسم اللہ کہا، اور جب دوسرا کوڑا لگایا گیا تو لا حول ولا قوة إلا بالله کہا، اور جب تیسرا کوڑا مارا گیا تو القرآن

کلام اللہ غیر مخلوق کہا، اور جب چوتھا کوڑا لگایا گیا تو ﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا﴾ آیت کریمہ پڑھی۔(سیر أعلام النبلاء ۱۳/۱۰۰، وقال الذهبي: هذه حكاية منكرة، أخاف أن يكون داود وضعها).

یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ اللہ تعالی کا کلام اس کی صفت اور اس کے علم کا حصہ ہے، اور جس طرح اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اور ہمارا قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور اس کا تلفظ حادث ہے، ہم بھی حادث اور ہمارا تلفظ بھی حادث ہے؛ لیکن شاید سدِّ باب کے لیے امام احمد رحمہ اللہ تعالی «لفظي بالقرآن مخلوق» کہنے کو بدعت کہتے تھے۔(سیر أعلام النبلاء ۱۳/۱۰۱)

جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کا حلقۂ درس نیشاپور میں قائم ہوا تو محمد بن یحییٰ ذہلی کے اشارے پر یا اتفاقاً کسی نے سوال کیا کہ قرآن کریم مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری نے جواب دینے سے اعراض کیا۔ جب بار بار اس نے سوال کیا تو امام بخاری نے فرمایا: «القرآن كلام الله غير مخلوق وأفعال العباد مخلوقة». اور ایک روایت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا: «أفعالنا مخلوقة وألفاظنا من أفعالنا». (ان الفاظ میں بظاہر کوئی حرج نہیں، یعنی قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور الفاظ ہمارے افعال ہیں اور وہ مخلوق ہیں)۔ بہر حال لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ امام بخاری قرآن کریم کو مخلوق کہتے ہیں۔ اس وجہ سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنے تلامیذ کو منع کیا کہ آپ بخاری کے پاس نہ جائیں، انھوں نے امام مسلم کو بھی منع کیا، لیکن امام مسلم نہ رکے اور امام ذہلی سے لکھی ہوئی احادیث کو اونٹوں پر لاد کر ان کے پاس بھیج دیا۔ یہ سلسلہ کچھ مدت تک چلا، پھر امام بخاری کو کسی نے مشورہ دیا کہ اس علاقہ یعنی نیشاپور وغیرہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی اور ان کے تلامیذ کا اثر ورسوخ زیادہ ہے اس لیے آپ کو یہاں سے نکل جانا چاہیے؛ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی وہاں سے نکل کر بخاریٰ واپس آ گئے۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۵۳-۴۶۰)

مسئلہ خلق قرآن کی وضاحت اور اس کی مختصر تاریخ:

قرآن کریم جو کلام الٰہی ہے اہل سنت کے ہاں قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے؛ اس لیے کہ

اللہ کا کلامِ نفسی اس کے علم کا حصہ ہے اور علم ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمارے کلام کا ہمارے علم کا حصہ ہونا ضروری نہیں؛ کیونکہ انسان کبھی اپنے علم کے خلاف بات کہتا ہے۔ مثلاً: ہمیں معلوم ہے کہ زید گھر پر ہے اور ہم سے سوال ہوا کہ کیا زید گھر پر ہے؟ ہم نے کہا: نہیں۔ تو یہ جھوٹا کلام ہے اور علم کے خلاف ہے۔

اور علم اور کلام نفسی اور کلام لفظی میں فرق درج ذیل مثال سے سمجھ لیں کہ ایک شخص نے آپ کے جانور کو مارڈالا، آپ کو معلوم ہوا، اور اس کے بعد دل سے بات کی کہ اس سے انتقام لینا چاہیے، پھر اپنے بیٹے سے کہا کہ تم اس کے جانور کو مار ڈالو۔ تو واقعہ سے واقفیت علم ہے، اور غصے کے عالم میں دل سے انتقام کی بات کرنا کلام نفسی ہے، اور زبان سے کہنا کہ ''اس کے جانور کو مار ڈالو'' کلام لفظی ہے۔

خلق قرآن کا مسئلہ ایک عظیم فتنہ کی شکل میں مامون الرشید (م:۲۱۸ھ) کے دور میں شروع ہوا اور معتصم (م:۲۲۷ھ) کے بعد واثق (م:۲۳۲ھ) کے عہد کے خاتمے تک جاری رہا، اور متوکل (م:۲۴۷ھ) کی خلافت کے ابتدائی دور (۲۳۴ھ) میں اختتام پذیر ہوا۔ اس موضوع پر بقول مولانا یوسف بنوریؒ سب سے زیادہ تحقیقی اور تفصیلی بحث قاضی امام ابو بکر باقلانیؒ نے اپنی کتاب ''الإنصاف'' میں لکھی ہے۔ خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ اہلِ سنت اور معتزلہ کا اختلاف کلامِ نفسی کے عقیدہ پر ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے متکلم ہیں، اور یہ ازلی صفتِ کلام لفظ اور صوت سے خالی ہے؛ اس لیے کہ حروف واصوات مخلوق اور حادث ہیں۔ اور دیگر صفات باری تعالی کی طرح یہ صفتِ کلام نفسی بھی قائم بذات اللہ ہے۔

معتزلہ نے کلام نفسی کا انکار کیا اور صرف کلام لفظی ثابت کر کے کلام کو اسی میں منحصر کر دیا۔ (شرح الأصول الخمسة، ص۵۳۲-۵۳۳) اتنا ضرور ہے کہ دونوں مذاہب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کلام لفظی کو اللہ کی صفت نہیں کہتے، بخلاف کرامیہ، حشویہ اور سالمیہ کے جو حروف واصوات سے مرکب کلام کو اللہ کی صفت قرار دیتے ہیں۔ (شرح العقائد النسفية، ص۱۱٤)

ابن الامیر نے اتحاف المرید شرح جوہرۃ التوحید کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''اہل سنت

وجماعت مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے۔اس کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ شہر چھوڑ کر نکل گئے ، اوراُنہیں یہ کہتے ہوئے سنا گیا: اے اللہ مجھے فتنے میں پڑے بغیر اپنے پاس بلالے۔ چنانچہ چار دن بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اوراسی وجہ سے عیسی بن دینار کو بیس سال قید کی مشقت اٹھانی پڑی۔ امام شعبی رحمہ اللہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: تورات ، انجیل ، زبور اور فرقان یہ چاروں حادث ہیں اور اپنی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا، اور اسی وجہ سے وہ بچ گئے۔ ”یوسی علی الکبری“ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا قصہ مشہور ہے۔ یوسی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو پاگل ظاہر کر کے اپنی جان بچائی۔ بعض لوگوں سے مروی ہے کہ جب وہ ایسے امیر کے پاس داخل ہوئے جو اس بارے میں امتحان لیتا اور آزماتا تھا، تو انہوں نے امیر سے کہا: تعزیت قبول کیجیے۔ امیر نے کہا: کس چیز کی؟ انھوں نے کہا: قرآن کا انتقال ہو گیا۔ تو امیر نے کہا: سبحان اللہ کیا قرآن کا بھی انتقال ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہر مخلوق کو موت آتی ہے۔ پھر کہا: اگر قرآن شعبان میں انتقال کر جائے تو رمضان میں لوگ نماز میں کیا پڑھیں گے؟ امیر نے کہا: اس پاگل کو یہاں سے نکالو۔

سلطنت عباسیہ کے زمانے میں اس فتنے نے بہت زور پکڑا اور اس کی وجہ سے لوگ سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ عباسیوں میں سے سب سے پہلے خلق قرآن کا قائل مامون عباسی تھا جس کا شیخ ابو ہذیل عباسی تھا؛ لیکن مامون نے اپنی خلافت میں لوگوں کو اس کی طرف نہیں بلایا، بلکہ وہ اس بارے میں متردد تھا؛ البتہ جس سال اس کا انتقال ہوا اس سال اس کا لوگوں کو خلقِ قرآن کی طرف بلانے کا ارادہ قوی ہو گیا، اور اس نے ہر اس شخص کو سخت سزائیں دینا شروع کر دیں جو اس کا انکار کر دے۔ اسی سلسلے میں اس نے امام احمد رحمہ اللہ اور ایک جماعت کو بلوایا؛ چناچہ امام احمد رحمہ اللہ کو اس کے پاس لے جایا گیا، اس سے پہلے کہ وہ وہاں پہنچتے مامون کا انتقال ہو گیا، اور امام احمد قید میں رکھے گئے۔

مامون نے انتقال سے پہلے اپنے بھائی معتصم کو خلافت کی ذمہ داری سپرد کی، اور لوگوں کو خلقِ قرآن کے عقیدے پر ابھارنے کی وصیت کی۔ جب معتصم سے خلافت کی بیعت کی گئی

تو آزمائش اور زیادہ سخت ہو گئی، اور امام احمد رحمہ اللہ کو جو اس وقت مامون کی جیل میں تھے طلب کیا گیا، چنانچہ ان کو لایا گیا اور امتحان لینے کے لیے ایک مجلسِ مناظرہ منعقد کی گئی، جس میں قاضی احمد بن ابی دؤاد، عبد الرحمن بن اسحاق اور ان کے علاوہ دیگر لوگ شریک تھے۔ تقریباً تین دن ان لوگوں کے ساتھ مناظرہ چلتا رہا، اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ان کو کوڑے لگائے جانے کا حکم ہوا، اور اتنے سخت کوڑے لگائے گئے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر لایا گیا، اس کے بعد آپ جیل میں تقریباً اٹھائیس مہینے تک رہے۔ جب معتصم کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ واثق نے لے لی تو اس نے ویسی ہی سختی جاری رکھی، اور وہی کام کیا جو مامون اور معتصم نے کیا تھا۔ اس نے امام احمدؒ سے کہا: آپ ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جس میں میں رہ رہا ہوں۔ اس پر امام احمدؒ روپوش ہو گئے، یہاں تک کہ واثق کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد متوکل نے خلافت کا عہدہ سنبھالا، اس نے ساری مشقتوں کو ختم کر دیا، سنت کو زندہ کیا، بدعت کو مٹایا، اور آثارِ نبوی کے پھیلانے کی ترغیب دی۔ اس نے امام احمدؒ کو بلایا اور ان کو بہت مال عطا کرنا چاہا؛ لیکن امام احمدؒ نے انکار فرمادیا، اور اس مال کو فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا۔ اسی طرح متوکل نے امام احمدؒ کے گھر والوں کے لیے ہر ماہ چار ہزار درہم کا وظیفہ جاری کیا؛ لیکن امام احمدؒ نے اس کو لینے سے بھی انکار کر دیا۔

یہ بات بھی ذکر کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام شافعیؒ کو خواب میں فرمایا: احمد کو اس مصیبت پر جو ان کو خلقِ قرآن کے مسئلے میں پہنچی ہے جنت کی بشارت دے دو۔ امام شافعیؒ نے خط لکھ کر بغداد بھیج دیا۔ امام احمدؒ نے جب اس کو پڑھا تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے، آپ نے قاصد کو اپنی قمیص مرحمت فرمائی جو آپ کے بدن سے متصل تھی، اس وقت آپ کے بدن پر دو قمیصیں تھیں۔ جب امام شافعیؒ کے پاس وہ قمیص پہنچی تو انھوں نے اس کو دھویا اور اس کے پانی کو اپنے جسم پر تیل کی طرح لگایا۔ (حاشية ابن الأمير محمد بن محمد الأزهري (م:١٢٣٢هـ) على إتحاف المريد شرح جوهرة التوحيد، ص١٨٣-١٨٥).

کسی اور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی موسی بن عمران آنے والے ہیں ان سے پوچھ لینا۔ جب موسی علیہ السلام آئے تو انھوں نے فرمایا: ان کو خوشی

اور تنگی میں آزمایا گیا تو ان کو صادق پایا گیا؛ لہذا ان کو صدیقین میں شامل کر دیا گیا۔ بہ ظاہر خوشی کی آزمائش سے وہ دولت مراد ہے جو متوکل اُنہیں دینا چاہتا تھا اور انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ اور موسی علیہ السلام کی طرف حوالہ کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس امت کی فضیلت اتنی ہے کہ اس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی گواہی دیتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ کلیم اللہ ہیں، لہذا ان کو اس واقعے کے ساتھ مناسبت ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ واثق نے جب خلقِ قرآن کے مسئلے میں احمد بن نصر الخزاعی کو شہید کر کے ان کا سر مشرق کی جانب لٹکا دیا تو وہ خود بخود قبلہ کی طرف مڑ گیا، اس پر واثق نے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ جب بھی سر قبلے کی طرف پھرے تو وہ لکڑی کے ذریعے اس کا رخ بدل کر مشرق کی طرف کر دے۔ جب ان کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو فرمایا: اللہ نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا، مگر میں تین دن سے ایک بات کی وجہ سے مغموم تھا۔ ان سے پوچھا گیا: کیوں؟ فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ میرے پاس سے گزرے اور آپ نے اپنے مبارک چہرے کو مجھ سے پھیر لیا، جس نے مجھے غمگین کر دیا، پھر جب آپ تیسری مرتبہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں حق پر نہیں ہوں، اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بالکل۔ میں نے کہا: تو آپ کیوں مجھ سے اپنا مبارک چہرہ پھیر لیتے ہیں؟ فرمایا: مجھے تم سے شرم آتی ہے کہ میری اولاد میں سے ایک آدمی نے تمھیں قتل کر دیا۔

کمال دمیری نے ایک قصہ نقل کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واثق نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا، اور وہ قصہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایک شیخ آئے۔ ابن ابی داؤد نے ان سے مناظرہ کرنا چاہا اور کہا: آپ کی قرآن کے بارے میں کیا رائے ہے؟ شیخ نے کہا: مجھے سوال کرنے دو۔ اس نے کہا: پوچھو۔ شیخ نے کہا: تمہاری قرآن کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ابن ابی داؤد نے کہا: قرآن مخلوق ہے۔ شیخ نے کہا: اس بات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، و عمر رضی اللہ عنہم جانتے تھے یا نہیں؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو شیخ نے کہا: سبحان اللہ! ایسی بات جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے ائمہ نہ جانتے ہوں،

اور تم اس کو جان لو، اے کمینے ابن کمینے ایسا کیسے ممکن ہے۔ اس پر اس کی بے عزتی ہو گئی اور وہ بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: میں اپنی بات واپس لیتا ہوں اور سوال میرے پاس چھوڑ دو، تاکہ میں دوبارہ جواب دوں۔ شیخ نے کہا: ٹھیک ہے۔ تو ابن ابی دؤاد نے کہا: وہ حضرات جانتے تھے لیکن انھوں نے سکوت کیا اور لوگوں کو اس کی طرف نہیں بلایا اور نہ اس بات کو ظاہر کیا۔ شیخ نے کہا: تو کیا میرے اور آپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم بھی اس معاملے میں سکوت کریں جس میں انہوں نے سکوت کیا تھا، اور اس کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب واثق نے یہ سنا تو وہ خلوت میں جا کر سیدھا لیٹ گیا اور بار بار شیخ کے ذکر کردہ دونوں سوالوں کو دہرانے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے ابن ابی دُؤاد پر اپنی ہنسی بند کرنے کے لیے اپنے منہ میں کپڑا ٹھونس لیا۔ اور ابن ابی داؤد اس کی نظروں سے گر گیا۔ پھر اس نے دربان کو حکم دیا کہ شیخ کو چھوڑ دے اور ان کو چار سو دینار دے کر رخصت کرے۔ (یوسی علی الکبری میں ایسے ہی لکھا ہے)"۔(حاشية ابن الأمير محمد بن محمد الأزهري (م:١٢٣٢هـ) على إتحاف المريد شرح جوهرة التوحيد، ص١٨٣-١٨٥).

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق بھی خلقِ قرآن کے نظریے سے تائب ہوا تھا؛ لیکن اس کا اعلان نہیں کیا۔ اس کے بعد متوکل نے علی الاعلان اہلِ سنت کی موافقت کی۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ مسئلہ خلق قرآن کا تاریخی پس منظر اور خلاصۂ بحث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «اتفقت كتب التاريخ والنِّحَل على أن أول من قال بخلق القرآن هو (الجَعْد بن درهم)، ثم (جهم بن صفوان)، ثم تبعهما (بِشْر بن غِياث المَريسي)، كما يظهر ذلك من كتاب «شرح السنة» للحافظ اللالكائي، ومن كتاب «الردّ على الجهمية» لابن أبي حاتم الرازي، وغيرهما...

وقد ظهرتْ هذه الفتنة بعضَ الظهور في زمن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فقال فيها قولاً فصلاً، وردَّ على ناشريها، فأسكتهم إلى حين...

ولكن مع هذا لم تنطفئ هذه الفتنة، فاستمرّتْ تظهر وتختفي إلى عهد الخليفة المأمون العباسي، فأخذت في عهده مأخذها من الظهور والتمكن، واعتقدها المأمون اعتقادًا، وتبنّى القول بخلق القرآن مقتنعًا برأي المعتزلة في هذه

المسألة أتمّ اقتناع. وأخذ يدعو العلماء والقضاة والمحدثين والرواة إلى القول بخلق القرآن، ويضطهدهم على ذلك، وكان ذلك في السنة الأخيرة من حياته وخلافته سنة ۲۱۸هـ.

واستمرت هذه الفتنة من بعد عهد المأمون سنة ۲۱۸هـ، إلى عهد المعتصم، ثم إلى عهد الواثق، ثم إلى أول عهد المتوكل سنة۲۳۲، فلما تولى المتوكل الخلافة لم يتحمّس للقول بخلق القرآن، كما كان عليه أسلافُه الخلفاء الثلاثة، بل قد نهى عن القول بخلق القرآن في سنة ۲۳٤، وكتب بذلك إلى الآفاق، فانطفأت الفتنة التي أقلقت الدولة والناس». (مسألة خلق القرآن وأثرها في صفوف الرواة والمحدثين وكتب الجرح والتعديل، للشيخ عبد الفتاح أبو غدة، ص٥-٩).

مسئلہ خلق قرآن کے موضوع پر متعدد حضرات نے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے، امام بیہقی نے عقیدے کے لحاظ سے بحث کی، تو تاج الدین سبکی نے تاریخی پہلو کو سامنے رکھا، اور شیخ احمد امین نے اس مسئلے کے سیاسی پہلو کو اُجاگر کیا۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ ''مسئلۃ خلق القرآن'' کے حاشیے میں لکھتے ہیں: «وقد تحدّث (أحمد أمين) في «ضحى الإسلام» عن هذه المِحنة من الناحية السياسية وآثارها. وتحدث الإمام البيهقي مطوَّلاً في «الأسماء والصفات» ص۲۳۹-۲٤۹. واستوفى ابن حزم في «الفِصَل في الملل والأهواء والنِحَل» ٤/۳-۱٥ الكلامَ على شرح هذه المسألة وما يسوغ فيها أن يقال فيه: مخلوق، وما لا يسوغ، بأناة وهدوء. وعرَضها من الناحية التاريخية التاجُ السبكي في «طبقات الشافعية» ۱/۲۰٦-۲۱۷، فعُد إليهم إذا شئت». (حاشية مسألة خلق القرآن وأثرها في صفوف الرواة والمحدثين وكتب الجرح والتعديل، ص-۹).

وزنِ اعمال کی بحث

قرآنی آیات، احادیث اور اجماعِ اہلِ سنت سے آخرت میں اعمال کا تولا جانا حق ہے۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میزان کی احادیث متواتر بالمعنی ہیں۔(التفسير المظهري، المؤمنون:۱۰۲)

علمائے کرام نے وزنِ اعمال سے متعلقہ مباحث بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔ یہاں چند اہم امور بیان کئے جاتے ہیں۔

وزنِ اعمال کا ثبوت قرآن سے:

قرآن کریم میں کئی جگہ وزن اور میزان کا ذکر ہے، مثلاً:

۱- قَالَ تَعَالَیٰ: ﴿ وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَـٰسِبِينَ ﴾ (الأنبياء: ٤٧) اور قیامت کے روز ہم ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی، چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا، تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے، اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

۲- وقَالَ تَعَالَیٰ: ﴿ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ ۝٦ فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ ۝٨ فَأُمُّهُۥ هَاوِيَةٌ ۝٩ ﴾ (القارعة) جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے وہ من پسند زندگی میں ہو گا، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اُس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہو گا۔

۳- وقَالَ تَعَالَیٰ: ﴿ وَٱلْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ ٱلْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا يَظْلِمُونَ ۝٩ ﴾ اور اُس دن اعمال کا وزن ہونا اٹل حقیقت ہے؛ چنانچہ جن کی ترازو کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے، اور جن کی ترازو کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتیاں کر کے خود اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا ہے۔

۴- وقَالَ تَعَالَى: ﴿فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَـٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾﴾ (المؤمنون) جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے، اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لیے گھاٹے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

۵- وقَالَ تَعَالَى: ﴿أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَـٰلُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الكهف: ١٠٥) یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو قیامت کے دن ہم اُن (کافروں) کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔

۶- وقَالَ تَعَالَى: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُۥ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُۥ ﴿٨﴾﴾ (الزلزلة) جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا۔

وزنِ اعمال کا ثبوت احادیث سے:

(۱) حدیث جبریل کے بہت سے طرق میں ایمان کیا ہے؟ کے جواب میں میزان پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، اور حضرت عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے مسند احمد (رقم: ۲۹۲۴، و۱۷۱۶۷، و۱۷۵۰۲)، صحیح ابن حبان (رقم: ۱۷۳) اور حدیث کی دوسری بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲) دو کلمے ایسے ہیں جو ترازو میں بہت وزنی ہیں: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم. [1]

(۳) الحمد لله کا ثواب میزان کو بھر دے گا، اور سبحان الله اور الحمد لله مل کر آسمان و زمین کے درمیان خلا کو بھر دیں گے۔ [2]

---

(۱) «كلمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم». (صحيح البخاري، رقم: ٧٥٦٣).

(۲) «الطُّهور شطْر الإيمان، والحمد لله تملأ الميزان، وسبحان الله والحمد لله تملآن ما بين السماوات والأرض». (صحيح مسلم، رقم: ٢٢٣).

(۴) سبحان اللہ نصف میزان کو پُر کر دیتا ہے اور الحمد للہ مکمل میزان کو بھر دیتا ہے۔[۱]

(۵) واہ واہ پانچ چیزیں ترازو میں کتنی زیادہ وزنی ہیں!: لا إله إلا الله، الله أكبر، سبحان الله، الحمد لله، اور وہ بچہ جو مر جائے اور باپ (اور اسی طرح ماں بھی) اس پر صبر کرے۔[۲]

(۶) مسلمان کی ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔[۳]

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بیسیوں احادیث ہیں جو میزان کے ثبوت میں صریح ہیں، جن میں بعض آئندہ مباحث میں ضمناً آ رہی ہیں۔

ان نصوص سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس ترازو سے اعمال کا وزن ہو گا، وہ جسمی اور حسی ہو گا؛ معنوی میزان بمعنی انصاف مراد نہیں۔

وزنِ اعمال کے ثبوت پر اجماعِ امت:

(۱) امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں: اہل حق میزان کو مانتے ہیں۔ اہل بدعت اس کے منکر ہیں۔[٤]

(۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: اہل سنت کے علماء کا اجماع ہے کہ وزنِ اعمال حق ہے۔[٥]

---

(١) «سبحان الله نصف الميزان، والحمد لله يملأ الميزان». (سنن الدارمي، رقم:٦٨٠).

(٢) «بَخٍ بَخٍ، وأشار بيده بخمس ما أثقلهن في الميزان: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، والولد الصالح يُتَوَفَّى للمرءِ المسلمِ فيَحتَسِبُه». (صحيح ابن حبان، رقم:٨٣٣).

(٣) «أثقل شيءٍ في الميزان الخُلُق الحَسَن». (صحيح ابن حبان، رقم:٤٨١)

(٤) قال الإمام الأشعري: «اختلفوا في الميزان: فقال أهل الحق: له لسان وكفتان توزن في إحدى كفتيه الحسنات وفي الأخرى السيئات...، وقال أهل البدع بإبطال الميزان...، وأنكروا الميزان وقالوا: يستحيل وزن الأعراض؛ لأن الأعراض لا ثقل لها ولا خفة». (مقالات الإسلاميين ١/٤٧٢).

(٥) قال القاضي محمد ثناء الله: «أجمع علماء أهل السنة على أن وضع ميزان ووزن الأعمال حق، وأنكره المعتزلة». (التفسير المظهري، المؤمنون:١٠٢)

(۳) علامہ سفارینی (م:۱۱۸۸ھ) فرماتے ہیں: میزان پر ایمان رکھنا کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔[1]

(۴) علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: میزان پر ایمان لانے پر اہلِ سنت کا اجماع ہے۔[2]

تنبیہ:

علامہ ابن بطال کی عبارت اجماع کے بارے میں نقل کی گئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ اجماع ابو اسحاق زجّاج نے نقل فرمایا ہے۔[3] اور ابن حجر کے بعد بہت سے حضرات نے فتح الباری کا حوالہ دے کر اجماع کی بات ابو اسحاق زجاج کی طرف منسوب کی ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ اجماع امت ہونا خود ابن بطال کا کلام ہے، حافظ ابن حجر سے نقل میں تسامح ہوا ہے اور اس نقل میں تسامح کی وجہ یہ ہے کہ ابن بطال نے اپنی شرح میں پہلے ابو اسحاق زجاج سے لفظ قسط کی تحقیق نقل فرمائی، پھر آگے اپنی طرف سے «وأجمع أهل السنة على الإيمان بالميزان» فرمایا؛ مگر چونکہ کلام مسلسل تھا؛ اس لیے حافظ ابن حجر نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کلام بھی ابو اسحاق کا ہے، جبکہ اجماع والی بات ان کی کتاب میں موجود نہیں۔ (دیکھئے: معانی القرآن وإعرابہ للزجاج ۳/۳۹۴).

وزنِ اعمال کے منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک وزنِ اعمال عدل سے کنایہ ہے؛ کیونکہ وزن اعمال کا نہیں، اجساد وجواہر کا ہوتا ہے[4]، اور اعمال اعراض ہیں جواہر

---

(١) قال السفاريني: «الإيمان بالميزان ... ثابت بالكتاب والسنة والإجماع». (لوامع الأنوار البهية ١٨٤/٢).

(٢) قال ابن بطال: «أجمع أهل السنة على الإيمان بالميزان». (شرح صحيح البخاري لابن بطال ٥٥٩/١٠).

(٣) قال الحافظ ابن حجر: «قال أبو إسحاق الزجاج: أجمع أهل السنة على الإيمان بالميزان». (فتح الباري ٥٣٨/١٣).

(٤) قال الحافظ ابن حجر: «وأنكرت المعتزلة الميزان وقالوا هو عبارة عن العدل ...، وقال ابن فورك: أنكرت المعتزلة الميزان بناء منهم على أن الأعراض يستحيل وزنها إذ لا تقوم بأنفسها». (فتح الباري ٥٣٨/١٣).

نہیں۔ جیسے: پھول کا وزن تو ہو سکتا ہے؛ مگر اس کی خوشبو کا وزن نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: آلاتِ جدیدہ نے اس مسئلے کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، مثلاً: آدمی جوہر ہے اور اس کی آواز عرض ہے، آدمی مر جاتا ہے؛ جبکہ اس کی آواز ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ رہتی ہے؛ حرارت اور برودت کا وزن تھرمامیٹر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ہوائی جہاز اور کاروں کی رفتار، بلڈ پریشر، سماعت، شوگر، دل کی حرکت، بصارت، زلزلہ اور موسم کی گرمی سردی، غرض یہ کہ آج کل بے شمار اعراض تولے جاتے ہیں۔

نیز معتزلہ کی طرف منسوب یہ قول کئی وجوہ سے غلط ہے:

(۱) اول یہ کہ جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو مجاز کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ وزن کے معنی تولنے کے ہیں، انصاف کا معنی لینا حقیقت کو چھوڑنا ہے۔

(۲) جہاں جہاں میزان کا لفظ آیا ہے اس کے ساتھ خفیف اور ثقیل کا مضمون اور الفاظ آئے ہیں؛ جبکہ عدل کو خفت یا ثقل سے موصوف نہیں کر سکتے۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اعمال کا وزن حقیقتاً ہو گا؛ البتہ اس کی حکمت یہ ہے کہ عدل وانصاف ظاہر ہو۔ علامہ آلوسی اور دیگر محققین علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالی کے افعال معلل بالاغراض نہیں؛ البتہ معلل بالحکم والمصالح ہیں۔ (روح المعانی، آل عمران: ۱۹۰)

یا وزنِ اعمال قطعِ معذرت کے لیے ہو گا، یا اہل ایمان کو خوش کرنے کے لیے اور کافروں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے کے لیے ہو گا۔

کیا سب معتزلہ میزان کے منکر ہیں؟:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/ ۵۳۸) میں، ملا علی قاری نے ضوء المعالی (ص ۱۵۱) میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری (۶/ ۴۰۳) میں اور دوسرے بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ معتزلہ میزان کے منکر ہیں۔ اور قاضی عبد الرحمن ایجی نے المواقف (ص ۳۸۴) میں لکھا ہے کہ تمام معتزلہ میزان کے منکر ہیں۔[1] ابو الحسین ملطی (م: ۳۷۷)

(۱) قال الإيجي: «أما الميزان فأنكره المعتزلة عن آخرهم؛ لأن الأعمال أعراض». (المواقف، ص۳۸٤).

نے التنبیہ والردُّ علی أہل الأہواء والبدع (ص ۱۱۰) میں جہم بن صفوان کی طرف میزان کے انکار کی نسبت کی ہے۔ ابن حزم نے الفصل فی الملل والأہواء والنحل (۲/ ۴۷۵) میں بعض لوگوں کی طرف میزان کے انکار کی نسبت کی ہے۔ اور ابو الحسن اشعری نے مقالات الإسلامیین (۱/ ۴۷۲) میں بعض اہلِ بدعت کی طرف وزنِ اعمال کا انکار منسوب کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بعض معتزلہ اور بعض دوسرے فرق باطلہ وزن اعمال کے منکر تھے؛ جبکہ معتزلہ کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی میزان کے قائل ہیں۔ قاضی عبد الجبار معتزلی نے لکھا ہے:

«وأما وضع الموازين فقد صرح الله تعالى في محكم كتابه، قال الله تعالى: ﴿وَنَضَعُ ٱلۡمَوَٰزِينَ ٱلۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ﴾ وقوله: ﴿وَٱلۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذٍ ٱلۡحَقُّۚ فَمَن ثَقُلَتۡ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُوْلَٰٓئِكَ﴾الآية، إلى غير ذلك من الآيات التي تتضمن هذا المعنى، و لم يرد الله تعالى بالميزان إلا المعقول منه المتعارف فيما بيننا دون العدل وغيره على ما يقوله بعض الناس، لأن الميزان وإن ورد بمعنى العدل في قوله: ﴿وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡمِيزَانَ﴾، فذلك على طريق التوسع والمجاز، وكلام الله تعالى مهما أمكن حمله على الحقيقة لا يجوز أن يعدل به عنه إلى المجاز». (شرح الأصول الخمسة، ص ۷۳۵، بعض حضرات نے اس کتاب کو احمد بن ابی ہاشم الحسینی (م:۴۲۵) کی طرف منسوب کیا ہے)۔

ترجمہ: بہر حال ترازوں کا رکھنا، تو اللہ تعالی نے اپنی محکم کتاب میں اس کی تصریح فرمائی ہے: اللہ تعالی فرماتے ہیں: ”اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے“۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”اور اُس دن اعمال کا وزن ہونا اٹل حقیقت ہے؛ چنانچہ جن کی ترازو کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے“۔ إلی آخرہ۔ اس کے علاوہ دوسری آیات جو اس معنی کو شامل ہیں۔ اور اللہ تعالی نے میزان سے اسی ترازو کو مراد لیا ہے جو معقول اور ہمارے درمیان متعارف ہے، نہ کہ عدل وغیرہ کو جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں؛ اس لیے کہ اگرچہ ارشاد باری تعالی ﴿وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡمِيزَانَ﴾ میں میزان عدل کے معنی میں آیا ہے، تو یہ توسع اور مجاز کے طور پر ہے۔ اور اللہ تعالی کے کلام کو جب تک حقیقت پر محمول کرنا ممکن ہو اسے حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنا جائز نہیں۔

رکن الدین محمود بن محمد معتزلی (م: ۵۳۶ھ) نے لکھا ہے: «وأما الميزان فقد أثبته أصحابنا على الحقيقة، قالوا: له كفتان». (الفائق في أصول الدين، لركن الدين بن الملاحمي الخوارزمي المعتزلي، ص ٤٦٥).

ترجمہ: اور بہر حال میزان تو اسے ہمارے اصحاب نے حقیقت پر ثابت رکھا ہے، اور فرمایا کہ اس کے دو پلڑے ہوں گے۔

ابو ہاشم جبائی معتزلی کے نزدیک وزنِ اعمال کی حقیقت:

معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے کسی ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور توبہ کے بغیر اس کا انتقال ہو گیا وہ مخلد فی النار ہو گا؛ البتہ ان کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کو اس کی حسنات کا فائدہ پہنچے گا یا نہیں؟ نیز اس کی حسنات وسیئات کو وزن کیا جائے گا یا نہیں؟ ابو علی جبائی معتزلی (م: ۳۰۳ھ) نے وزنِ اعمال کا انکار کیا ہے۔ انکار کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی جو بلا توبہ انتقال کر گیا ہو مخلد فی النار ہے، اور کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس کی حسنات حبط ہو چکی ہوں گی؛ اس لیے اسے اس کی حسنات کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

ابو علی جبائی کے بیٹے ابو ہاشم جبائی معتزلی (م: ۳۲۱ھ) کہتے ہیں کہ حسنات وسیئات کو وزن کیا جائے گا اور حسنات کے ثواب کے بقدر اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی؛ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت ساری حسنات مل کر بھی ایک سیئہ کبیرہ کے مقابلے میں بھاری نہیں ہو سکتی ہیں؛ کیونکہ ایک سیئہ کبیرہ کا عقاب خلود فی النار ہے۔ قاضی عبد الجبار معتزلی نے ابو ہاشم کے مسلک کو معتزلہ کا صحیح مذہب قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: «الخلاف بين الشيخين في الموازنة: ... إن أبا علي ينكره، وأبا هاشم يثبته ويقول به...، وهذا هو الصحيح من المذهب، ولعمري إنه القول اللائق بالله تعالى دون ما يقوله أبو علي». (شرح الأصول الخمسة، ص٦٢٨-٦٢٩. وانظر ص٦٦٩، وما قبله).

معتزلہ کا مختصر تعارف:

یہ فرقہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں وجود میں آیا، اس فرقے کا بانی واصل بن

عطاء الغزال (م:۱۳۱ھ) تھا اور اس کا سب سے پہلا پیروکار عمرو بن عبید (م:۱۴۳ھ) تھا جو حضرت حسن بصری (م:۱۱۰ھ) رحمہ اللہ تعالی کا شاگرد تھا۔ ان لوگوں کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے الگ ہو جانے کی بنا پر معتزلہ کہا جاتا ہے، یا حسن بصری نے ان سے فرمایا کہ میری مجلس سے الگ ہو جاؤ۔(الفرق بين الفرق، ص۹۸ . الفرق الكلامية، ص۱۹۷).

یہ دراصل وہی شیعہ ہیں جو حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے، جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو یہ لوگ دونوں سے الگ ہو کر مساجد میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے؛ بلکہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ یعنی حکومت اسلامی کے خوف سے کچھ مدت مسجدوں میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگے تھے۔ یہ وجہ ہمارے خیال میں زیادہ موزون ہے۔

ابو الحسین ملطی عسقلانی (م:۳۷۷) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے:

«وهم سموا أنفسهم معتزلة، وذلك عندما بايع الحسن بن علي عليه السلام معاويةَ وسلَّم إليه الأمر اعتزلوا الحسن ومعاوية وجميع الناس، وذلك أنهم كانوا من أصحاب علي ولزموا منازلهم ومساجدهم وقالوا نشتغل بالعلم والعبادة فسموا بذلك معتزلة». (التنبيه والرد للملطي، ص۲۸ . الفرق الكلامية، ص۱۹۸).

معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے، یہ لوگ عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں۔ عقل کے خلاف قطعیات میں تاویلات کرتے ہیں اور ظنیات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالی کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرتے ہیں، بندوں کے افعال کے حسن وقبح کی بنیاد پر اللہ تعالی کے افعال پر حسن وقبح کا حکم لگاتے ہیں۔ مرتکب کبیرہ کو نہ مؤمن کہتے ہیں اور نہ کافر، اور اس کے مخلد فی النار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خلقِ قرآن کے قائل ہیں۔ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مقتول اپنی اجل پر مرنے والا نہیں، حرام رزق نہیں۔ یہ لوگ مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت کے منکر ہیں، اور آدم علیہ السلام کی نبوت اور اولیاء کی کرامت کو نہیں مانتے۔

ابو منصور بغدادی نے الفرق بین الفرق (ص۹۳) میں معتزلہ کے بیس سے زائد

فرقوں کے نام شمار کرائے ہیں۔ اور یہ سبھی بنیادی عقائد میں متفق ہیں۔ ان کے مذہب کے پانچ اصول ہیں:

۱- ''عقیدۂ عدل'' کے اندر در حقیقت انکار عقیدۂ تقدیر مضمر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی شر کا خالق نہیں۔ اگر اللہ تعالی کو خالقِ شر مانیں تو شریر لوگوں کو عذاب دینا ظلم ہو گا، جو کہ خلافِ عدل ہے؛ جبکہ اللہ تعالی عادل ہے، ظالم نہیں۔

۲- توحید: معتزلہ کلام اللہ کو مخلوق اور دیگر صفاتِ باری تعالی کو عین ذات کہتے ہیں۔ اور مشہور مذہب تو معتزلہ کا صفات کی بالکلیہ نفی کا ہے، اور عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معلومات سے تعلق کی بنا پر ذات باری تعالیٰ کو عالم، اور مقدورات سے تعلق کی بنا پر ذات باری تعالیٰ کو قادر کہا جاتا ہے۔ صفات کی نفی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک صفاتِ کثیرہ کو ازل میں ماننے سے تعددِ قدما لازم آتا ہے، جو توحید کے خلاف ہے۔ (شرح الأصول الخمسة، ص ۱۸۲-۱۸۴)

۳- ''وعید'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو جو وعیدیں سنائی ہیں گنہگاروں پر ان کو جاری کرنا اللہ تعالی پر واجب ہے۔ اللہ تعالی پر لازم ہے کہ گنہگار کو سزا دے جیسا کہ اس پر لازم ہے نیک کو اجر و ثواب دے، ورنہ انفاذ وعید نہیں ہو گا۔

۴- ''منزلہ بین منزلتین'' کا مطلب یہ ہے کہ معتزلہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک تیسرا درجہ مانتے ہیں اور وہ مرتکبِ کبیرہ کا درجہ ہے، ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ یعنی گنہگار شخص ایمان سے نکل جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا، گویا نہ وہ مسلمان ہے اور نہ کافر۔

۵- ''امر بالمعروف'' کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ جن احکامات کے ہم مکلف ہیں، دوسروں کو ان کا حکم کریں اور لازمی طور پر ان کی پابندی کروائیں، اور ''نہی عن المنکر'' یہ ہے کہ اگر امام ظلم کرے تو اس کی بغاوت کر کے اس کے ساتھ قتال کیا جائے۔

قاضی عبد الجبار معتزلی نے ان اصول خمسہ کی مفصل شرح لکھی ہے جو ''شرح الأصول الخمسة'' کے نام سے مکتبہ وہبہ، قاہرہ سے چھپی ہے۔

معتزلہ کے یہ تمام اصول اور ان کی تشریحات عقل و قیاس پر مبنی ہیں، ان کے خلاف واضح آیات واحادیث موجود ہیں، نصوص کی موجودگی میں عقل و قیاس کو مقدم کرنا سراسر

غلطی اور گمراہی ہے۔(الاعتصام ۲/۱۷۷-۱۸۱. الفرق بين الفرق، ص۷٤-۱۳٤. مقالات الإسلاميين ۲/۲۳٥-۲۸۰. الملل والنحل، ص۳۸-۷۲. المواقف للإيجي، ص٤۱٥. الفِرق الكلامية، ص۱۹٦-۱۹۹. فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام، ص۱۱۷٥-۱۲۰۱).

وزنِ اعمال سب کے لیے ہے، یا بعض کے لیے؟:

چند گروہ کے اعمال کا وزن نہ ہو گا، باقی سب مکلفین کے اعمال کا وزن ہو گا۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے اعمال کو وزن نہیں کیا جائے گا:

سلیمان بن جمل نے لکھا ہے: «ولا يكون الوزن في حق كل أحد؛ لأن من لا حساب عليه لا يوزن له كالأنبياء والملائكة». (الفتوحات الإلهية، الأنبياء: ٤٥).

امام قرطبی فرماتے ہیں: «الميزان حق و لا يكون في حق كل أحد بدليل قوله عليه السلام: «فيقال يا محمد ادخل الجنة من أمتك من لا حساب عليه ...» وإنما يكون لمن بقي من أهل المحشر ممن خلط عملاً صالحاً، وآخر سيئاً من المؤمنين، وقد يكون للكافرين». (التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة، ص۷۱۹)

تنبیہ:

سنن ابی داود میں ہے: عن الحسن، عن عائشة، أنها ذكرت النار فبكت، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ما يبكيك»؟ قالت: ذكرت النار فبكيت، فهل تذكرون أهليكم يوم القيامة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أما في ثلاثة مواطن فلا يذكر أحد أحدا: عند الميزان حتى يعلم أيخف ميزانه أو يثقل؟ وعند الكتاب حين يقال﴿ هَآؤُمُ ٱقۡرَءُواْ كِتَٰبِيَهۡ ﴾ حتى يعلم: أين يقع كتابه أفي يمينه أم في شماله؟ أم من وراء ظهره؟ وعند الصراط: إذا وضع بين ظهري جهنم». الحديث. (سنن أبي داود، رقم:٤۷٥٥، وإسناده ضعيف لانقطاع بين الحسن وعائشة رضي الله عنها)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے: «ظاهره أنه يعم كل أحد، ولا يستثنى منه نبي ولا مرسل». (مرقاة المفاتيح ۸/۳٥۳۲)

بعض حضرات نے ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام کے اعمال کا بھی وزن ہو گا؛ لیکن یہ استدلال درست نہیں؛ کیونکہ ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تین مواقع پر ہر ایک کو اپنی فکر ہو گی۔

نیز ابن رسلان نے ابوداود کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے: «في ثلاثة مواطن لا يذكر أحد أحدا لعظم هولها وشدة روعها إلا النبي صلى الله عليه وسلم». (شرح سنن أبي داود لابن رسلان ٣٦٨/١٨، ط: دار الفلاح).

اسی طرح ابو الحسن سندھی نے مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے: «ظاهره عموم هذه الحالة للأنبياء عليهم الصلاة والسلام أيضًا، بل ظاهر الكلام مسوق فيه صلى الله عليه وسلم، كونه على بينة من الله لا ينافيه، فإن غلبة الخوف تنسي حقيقة الأمر، ويحتمل أن يكون مخصوصا بغيرهم». (فتح الودود في شرح سنن أبي داود، للشيخ أبي الحسن السندي ٥٠٨/٤، ط: مكتبة أضواء المنار، السعودية).

نیز ایک دوسری حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے لوگوں سے مستثنیٰ ہونا معلوم ہوتا ہے: عن أنس بن مالك، قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم أن يشفع لي يوم القيامة، فقال: «أنا فاعل» قال: قلت: يا رسول الله فأين أطلبك؟ قال: «اطلبني أول ما تطلبني على الصراط». قال: قلت: فإن لم ألقك على الصراط؟ قال: «فاطلبني عند الميزان». قلت: فإن لم ألقك عند الميزان؟ قال: «فاطلبني عند الحوض فإني لا أخطئ هذه الثلاث المواطن». (سنن الترمذي، رقم:٢٤٣٣. وإسناده صحيح).

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں احادیث کے درمیان یہ تطبیق بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں ایک عام حکم بیان فرمایا ہے؛ تاکہ کوئی آپ پر بھروسہ کر کے اعمال صالحہ سے غافل نہ ہو جائے۔ اور دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفاعت کی امید دلائی ہے تاکہ کوئی آپ کی شفاعت سے ناامید نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ وہاں موجود نہ ہوں گے آپ کثرت اشتغال کی وجہ سے ان کو یاد نہیں کریں گے، اور جو وہاں آپ کے پاس موجود ہوں گے آپ ان کے لیے سفارش کریں گے۔(مرقاة المفاتيح ٣٥٦٥/٨، باب الحوض والشفاعة).

(۲) اہل مصیبت کے اعمال کو وزن نہیں کیا جائے گا:

عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «يؤتى بالشهيد يوم القيامة فينصب للحساب، ويؤتى بالمتصدق فينصب للحساب، ثم يؤتى بأهل البلاء، ولا ينصب لهم ميزان، ولا ينشر لهم ديوان فيصب عليهم الأجر صبا حتى إن أهل العافية ليتمنون في الموقف أن أجسادهم قرضت بالمقاريض من حسن ثواب الله لهم». (المعجم الكبير للطبراني ۱۲/۱۸۲/۱۲۸۲۹. قال الهيثمي في مجمع الزوائد ۲/۳۰۵): رواه الطبراني في الكبير، وفيه مجاعة بن الزبير وثقه أحمد وضعفه الدارقطني).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز شہید کو لایا جائے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا، صدقہ دینے والے کو لایا جائے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا، پھر اہل مصیبت کو لایا جائے گا، نہ ان کے لیے میزان قائم کی جائے گی اور نہ ان کے لیے کوئی رجسٹر کھولا جائے گا؛ بلکہ ان پر اجر وثواب کی بارش ہو گی، یہاں تک کہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو ملنے والے اجر وثواب کو دیکھ کر عافیت سے رہنے والے حشر میں یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کے جسم قینچیوں سے کاٹ دیے جاتے۔

ابو القاسم الاصبہانی قوام السنہ نے "الترغیب والترہیب" (۱/۳۳۳) پر اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ لیکن اس کی سند میں بکر بن خنیس، ضرار بن عمرو، یزید الرقاشی، تین ضعیف راوی ہیں۔ اور (۲/۲۹۰) پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ لیکن اس کی سند میں اصبغ بن نباتہ ضعیف راوی ہے۔

(۳) بلا حساب وکتاب جنت میں جانے والے اہل ایمان کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا:

وزن اعمال کی مقدار ظاہر کرنے کے لیے ہو گا؛ اس لیے جو لوگ بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے ان کے اعمال کا وزن بھی نہیں ہو گا۔

علامہ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ میں لکھا ہے: «المراد بالحساب السؤال، ولهذا لا ميزان لمن يدخل الجنة بغير حساب». (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية ۱۲/۳۵٦).

اسی طرح اسماعیل حقی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: «قال بعض العلماء: المحاسبة لتقدير الأعمال والوزن لاظهار مقاديرها فيقدم الحساب على الميزان، ولهذا لا ميزان لمن يدخل الجنة بلا حساب». (روح البيان ۳/۴۶).

بلا حساب و کتاب جنت میں جانے والے لوگوں کی تعداد:

بلا حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کی تعداد ایک روایت میں ۷۰۰۰۰ بیان کی گئی ہے۔(۱) ایک روایت میں ہے کہ ۷۰۰۰۰ میں ہر ہزار کے ساتھ ایک ہزار ہوں گے۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ ۷۰۰۰۰ لوگ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ۷۰۰۰۰ لوگ ہوں گے۔(۳) اس حساب سے کل تعداد ۴۹۰۰۰۰۰۰۰۰ چار ارب نوے کروڑ ہو گی۔

مگر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ۷۰۰۰۰×۷۰۰۰۰ سے تحدید مقصود نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ بہت کثرت سے ایسے لوگ ہوں گے جو بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے۔ اللهم اجعلنا منهم.

صحیح بخاری کی ایک حدیث کی روشنی میں بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہونے میں وہ لوگ شامل ہیں جو جھاڑ پھونک اور دم نہیں کراتے، بدفالی نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دم کرانا تو جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) عن ابن عباس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «يدخل الجنة من أمتي سبعون ألفًا بغير حساب، هم الذين لا يَستَرْقُون، ولا يَتطَيَّرون، وعلى ربهم يتوكلون». (صحيح البخاري، رقم:٦٤٧٢).

(۲) عن أبي أمامة، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «وعَدني ربي أن يُدخِل الجنةَ من أمتي سبعين ألفًا لا حساب عليهم ولا عذابَ، مع كل ألف سبعون ألفًا، وثلاث حثيات من حثياته». (سنن الترمذي، رقم:٢٤٣٧، وإسناده صحيح).

(۳) عن أبي بكر الصديق، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أعطيت سبعين ألفا يدخلون الجنة بغير حساب، وجوههم كالقمر ليلة البدر، وقلوبهم على قلب رجل واحد، فاستزدت ربي عز وجل، فزادني مع كل واحد سبعين ألفا». (مسند أحمد رقم:٢٢، وإسناده ضعيف. ومثله عن عبد الرحمن بن أبي بكر، رقم:١٧٠٦،وإسناده ضعيف أيضًا).

ثابت ہے، پھر وہ توکل کے خلاف کیسے ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں غیر شرعی یا نامعلوم المعنی دم مراد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دم بعض امراض میں سبب اصلی ہے اور بعض میں سبب معاون ہے۔ اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس میں دم سبب اصلی ہے اور ظاہری علاج سبب معاون ہے، اور اگر کسی کے زخم سے خون بہہ رہا ہو تو اس میں مرہم پٹی اور خون بند کرنے والی دوا سبب اصلی ہے اور دم سبب معاون ہے، تو اگر کسی نے ایسے مرض میں دم کرایا اور مقصد حاصل نہیں ہوا تو بعض لوگوں کا دم سے اعتقاد اٹھ جائے گا۔ یہ ترکِ توکل ہے۔ ایسے موقع پر سبب اصلی استعمال کرنا چاہئے اور دم کو بطور سبب معاون استعمال کرنا چاہئے؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا تو اس کے روکنے کے لیے راکھ استعمال کی گئی۔

توکل کے معنی اور متوکل وغیر متوکل میں فرق:

التوکل الاعتماد علی اللہ تعالی مع رعایة الأسباب. یعنی توکل، اللہ تعالی پر اعتماد اور اسباب کی رعایت کو کہتے ہیں۔ اور متوکل وغیر متوکل میں فرق یہ ہے کہ:

(۱) توکل کا تعلق دل سے ہے اور اسباب کا تعلق جسم سے ہے، تو متوکل کے دل کا تعلق اللہ تعالی سے ہوتا ہے، جیسے متوکل کا شتکار تخم ریزی اور آب پاشی کر کے نتیجہ اللہ تعالی پر چھوڑتا ہے۔

(۲) متوکل کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اسباب کبھی کبھی ناکام ہو جاتے ہیں، غیر متوکل اسباب کو حد سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

(۳) متوکل کبھی کبھی اسباب ضعیفہ کو اختیار کرتا ہے کہ مسبب الاسباب کبھی کبھی ضعیف کو قوی بناتا ہے، بخلاف غیر متوکل کے۔

کفار کے اعمال کا وزن ہوگا، یا نہیں؟:

قول (۱): محققین کے نزدیک وزن اعمال سب کے لیے ہے۔ کفار کے بارے میں

آتا ہے: ﴿وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝﴾. (المؤمنون) اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے لیے گھاٹے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اُس میں اُن کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ ان سے کہا جائے گا: کیا میری آیتیں تمھیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے۔

پوری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وزنِ اعمال کافروں کے لیے بھی ہے۔

قول(۲): علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا؛ کیونکہ ان کے اعمال حبط ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝﴾. (الکہف)[1]

جواب: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے وزنِ اعمال مفید ثابت نہ ہوگا۔ أي: وزنًا نافعًا لهم. ان کے لیے وزنِ اعمال اظہارِ عدل اور اتمامِ حجت کے لیے ہوگا۔

اور یہ بات کہ وزن کرنے کے لئے متضاد اعمال کا ہونا ضروری ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱- کفار کا ایک پلڑا نیکیوں سے خالی ہوگا؛ کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی نہیں رہتی، اور دوسرے پلڑے میں کفر اور گناہ ہوں گے تو یہ پلڑا بھاری ہو جائے گا اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۲- اگر کفار کے صدقات و خیرات کا تخفیفِ عذاب میں اثر مانا جائے (کیفأنہ کہ کماً) تو وہ نیک اعمال ایک پلڑے میں ہوں گے اور دوسرے پلڑے میں کفر اور گناہ ہوں گے، تو کفر والا پلڑا بھاری ہوگا۔ (التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة١/ ٧٢٠-٧٢١).

---

(١) قال الآلوسي: «ذهب الكثير إلى أن الوزن مختص بالمسلمين. وأما الكفار فتحبط أعمالهم كيفما كانت». (روح المعاني، الأعراف:٩)

کفار کے اچھے اعمال کا اثر:

کفار کے اچھے اعمال کا اثر تخفیف عذاب میں ہو سکتا ہے؛ ابو طالب اور ابو لہب کا حال احادیث میں مذکور ہے۔ محدثین نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ کے کلام میں اس بات کی صراحت ہے کہ کفار کو حسنات کا کچھ فائدہ حاصل ہو گا۔[1]

کیا ایمان کو وزن کیا جائے گا؟:

اس سلسلے میں دو قول ہیں:

(۱) ابو العباس احمد بن محمد التونسی (م:۳۸۰ھ) نے اپنی تفسیر «التقبید الکبریٰ» میں لکھا ہے کہ ایمان کو وزن کیا جائے گا۔(التقييد الكبير في تفسير كتاب الله المجيد ٦١٦/١، لأبي العباس أحمد بن محمد البسيلي التونسي، ط: جامعة الملك سعود، الرياض).

اسی طرح ابن جزی فرماتے ہیں: «ولا يخف ميزان مؤمن خفة موبقة، لأن الإيمان يوزن فيه». (التسهيل لعلوم التنزيل ٥٠٧/٢، لأبي القاسم، محمد بن أحمد الغرناطي (م: ٧٤١هـ)، ط: شركة دار الأرقم).

امام بخاری رحمہ اللہ بھی ایمان کو عمل مانتے ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایمان کا عمل ہونا معلوم ہوتا ہے؛ عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال:

---

(١) قال محمد جمال الدين القاسمي: «قال الإمام: أي من يعمل من الخير أدنى عمل وأصغره، فإنه يراه ويجد جزاءَه. لا فرق في ذلك بين المؤمن والكافر. غاية الأمر أن حسنات الكفار الجاحدين لا تصل بهم إلى أن تخلصهم من عذاب الكفر، فهم به خالدون في الشقاء. والآيات التي تنطق بحبوط أعمال الكفار، وأنها لا تنفعهم، معناها هو ما ذكرنا. أي أن عملا من أعمالهم لا ينجيهم من عذاب الكفر، وإن خفف عنهم بعض العذاب الذي كان يرتقبهم، على بقية السيئات الأخرى، أما عذاب الكفر نفسه فلا يخفف عنهم منه شيء. كيف لا، والله جل شأنه يقول: ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَـٰسِبِينَ﴾ (الأنبياء: ٤٧)، فقوله: فَلا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيئًا أصرح قول في أن الكافر والمؤمن في ذلك سواء. وإن كلاً يوفى يوم القيامة جزاءه. وقد ورد أن حاتما يخفف عنه لكرمه. وأن أبا لهب يخف عنه لسروره بولادة النبيّ صلى الله عليه وسلم. وما نقله بعضهم من الإجماع على أن الكافر لا تنفعه في الآخرة حسنة ولا يخفف عنه عذاب سيئة ما، لا أصل له. فقد قال بما قلناه كثير من أئمة السلف رضي الله عنهم». (تفسير القاسمي ٥٢٦/٩).

سئل النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أفضل؟ قال: «إيمان بالله ورسوله». الحديث. (صحيح البخاري، رقم:١٥١٩).

اور جب ایمان بھی عمل ہے تو اس کا بھی وزن کیا جائے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وزن دو مرتبہ ہو گا۔ پہلی مرتبہ میں ایمان و کفر کا وزن ہو گا، اس وزن میں ایک پلڑا خالی رہے گا اور دوسرے پلڑے میں اگر وہ مؤمن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔ اور دوسری مرتبہ میں مؤمنین کی حسنات وسیئات کا وزن ہو گا۔ (بیان القرآن، اعراف:۹)

لیکن بعض علماء نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ وزن کی یہ صورت سمجھ میں نہیں آتی ہے؛ اس لیے کہ وزن میں معروف یہی ہے کہ ایک چیز ایک پلڑے میں ہو اور اس کے مقابل پلڑے میں دوسری چیز ہو؛ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں: «من شأن الميزان أن يوضع في كفة شيء وفي أخرى ضده». (التذكرة، ص٧٢٨-٧٢٩) اور یہاں تو مؤمن یا کافر کے پاس صرف ایمان یا کفر ہے اس کی ضد اس کے پاس نہیں ہو سکتی ہے۔

(۲) امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ایمان کو وزن نہیں کیا جائے گا؛ امام قرطبی فرماتے ہیں: «ويستحيل أن يأتي الكفر والإيمان جميعًا عند واحد حتى يوضع الإيمان في كفة والكفر في كفة، فلذلك استحال أن توضع شهادة التوحيد في الميزان». (التذكرة، ص٧٢٩، ط: دار المنهاج).

امام سیوطی نے "الحاوی للفتاوی" (۲/۲۳۸-۲۳۹) پر امام قرطبی کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔

اسی طرح ابو طالب طرطوشی (م:۶۰۸ھ) نے «تحرير المقال في موازنة الأعمال» (ص ۲۹۲-۳۰۲) میں لکھا ہے کہ ایمان کو وزن نہیں کیا جائے گا، اور انھوں نے اپنے اس دعوے پر چار دلائل بیان کیے ہیں:

پہلی دلیل یہ بیان کی ہے کہ ایمان کا مقابل کفر ہے، اور ایک آدمی میں ایمان اور کفر اصطلاحی بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، اور وزن میں معروف یہی ہے کہ ایک چیز ایک پلڑے

میں ہو اور دوسری چیز اس کے مقابل دوسرے پلڑے میں ہو۔ اگر ایک پلڑے میں ایمان کو رکھا گیا تو شرک سے کم کوئی گناہ اس کے مقابل نہیں ہو سکتا ہے۔ ایمان کے مقابل شرک کے سوا جو گناہ بھی ہو گا ایمان کا پلڑا اس پر راجح ہو گا۔

دوسری دلیل یہ بیان کی ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کے حسنات وسیئات برابر ہوں گے۔ اگر حسنات کے ساتھ ایمان کو بھی وزن کیا جاتا تو اہل ایمان کی یہ قسم نہ پائی جاتی؛ کیونکہ ایمان والا پلڑا ابھاری ہو جائے گا۔

تیسری دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر ایمان کا بھی وزن کیا جاتا تو کوئی مؤمن جہنم میں داخل نہ ہوتا؛ اس لیے کہ ایمان کے مقابلے میں کوئی معصیت بھاری نہیں ہو سکتی؛ جبکہ بعض اہل ایمان کا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے جہنم میں جانا ثابت ہے۔

چوتھی دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر حسنات کے پلڑے میں ایمان کے ہوتے ہوئے سیئات کا پلڑا ابھاری ہو گیا اور اسے جہنم میں ڈال دیا گیا تو پھر جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہونی چاہئے؛ جبکہ اہل ایمان کا جہنم سے نکلنا ثابت ہے۔(تحرير المقال في موازنة الأعمال، ص٢٩٢-٣٠٢، ط: دارُ الإمام مالك، أبو ظبي).

کتاب "تحریر المقال" کے محشی نے تعلیقات میں مذکورہ دلائل پر کلام بھی کیا ہے۔ ہم ناظرین کو ان کے تفصیلی دلائل اور ان پر محشی کے کلام سے پریشان نہیں کرنا چاہتے؛ اس لیے صرف دلائل کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جو حضرات ایمان کے تولنے کے قائل نہیں ہیں ان پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حدیثِ بطاقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا وزن ہو گا۔

اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ وزن کی ایک استثنائی صورت ہے، عام مسلمانوں کے ایمان کو نہیں تولا جائے گا۔ اگر ایمان یا "لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ" کا وزن عام ہوتا تو پھر ایمان کی فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پہلے رکھا جاتا؛ لیکن آخر میں رکھنے سے پتا چلا کہ "لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ" کو خلاف عادت رکھا گیا۔

حدیث بطاقہ کے دوسرے جوابات آگے آرہے ہیں۔

جِنات کے اعمال بھی تولے جائیں گے:

جِنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں؛ اس لیے ان کے اعمال بھی تولے جائیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف بنو آدم کا اس لیے ذکر کیا کہ نصوص میں خطاب تغلیباً بنو آدم کو ہوتا ہے، جنات تبعاً اس میں داخل ہوتے ہیں، جیسے مذکر و مؤنث میں عام طور پر تغلیباً مذکر کو خطاب ہوتا ہے، مؤنث تبعاً اس میں داخل ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے بھی یہاں اسی اسلوب کو اختیار فرمایا ہے۔

قال تعالى حكاية عن الجن:﴿ وَأَنَّا مِنَّا ٱلْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا ٱلْقَٰسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ تَحَرَّوْا۟ رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَأَمَّا ٱلْقَٰسِطُونَ فَكَانُوا۟ لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾﴾ (الجن)

ترجمہ: اور یہ کہ ہم میں سے بعض مسلمان ہیں، اور بعض ظالم و کافر، پس جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، انہوں نے راہ ہدایت کو اپنالیا، اور ظالم و کافر لوگ جہنم کا ایندھن بن گئے۔

مذکورہ آیت کریمہ اس بات پر صرحتاً دلالت کر رہی ہے کہ آخرت میں جنات کا حکم بھی انسانوں کی طرح ہو گا۔

میزان کا ذمہ دار کون ہو گا؟:

(۱) واضع المیزان اللہ تعالی ہیں؛ قال تعالى: ﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾. (الأنبياء:٤٧)

(۲) صاحبِ میزان جبرئیل علیہ السلام ہوں گے؛ عن حذيفة موقوفًا: «إن صاحب الميزان يوم القيامة جبريل عليه السلام». (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، رقم:٢٢٠٩).

(۳) حضرت آدم میزان کے پاس کھڑے ہوں گے؛ عن أبي هريرة مرفوعًا: «يقول الله: يا آدم قد جعلتُك حكَمًا بيني وبين ذُرِّيَّتِك، قُمْ عند الميزان، فانظرْ ما يُرفَع إليكَ من أعمالهم». الحديث.(المعجم الصغير للطبراني، رقم:٨٥٥، وفيه الفضل بن عيسى الرقاشي، وهو متهم بالكذب).

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : اے آدم ! میں نے آپ کو اپنے اور آپ کی اولاد کے درمیان فیصل بنایا، میزان کے پاس کھڑے ہو جائیں، اور ان کے جو اعمال آپ کی طرف اُٹھائے جائیں گے وہ دیکھ لیں۔

(۴) **ملک الموت میزان پر مقرر ہوں گے**؛ عن أنس مرفوعًا قال: «ملك الموت موكل بالميزان». (مسند البزار، رقم: ٦٩٤٢، وفي إسناده صالح المري، وهو مجمع على ضعفه).

مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف وزنِ اعمال کی نسبت بحیثیت آمر کے ہے۔ ملک الموت نے دنیا سے آخرت کی طرف مردگان کا چالان کیا ہے، جس طرح پولیس چالان کرتی ہے تو عدالت الٰہیہ میں چالان کنندہ عملہ، یعنی ملک الموت کی حاضری اور بیان بھی ضروری ہے، جیسے انسانی عدالتوں میں پولیس کا بیان لیا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل چونکہ قانونِ الٰہی (قرآن) کے پہنچانے والے ہیں؛ اس لیے آپ کی موجودگی مقدمہ قانون شکنی کی پیشی میں ضروری ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا مقدمہ درپیش ہے؛ اس لیے بحیثیت سرپرست آپ کی حاضری بھی ضروری ہے۔ (علوم القرآن - لمولانا شمس الحق افغانی، ص ۲۴۳)

میزان میں کیا چیز تولی جائے گی؟:

میزان میں تولی جانے والی چیز کے بارے میں چار اقوال ہیں:

(۱) وزن اعمالِ مجردہ کا ہو گا۔

(۲) وزن اعمالِ مجسدہ کا ہو گا۔

(۳) صحفِ اعمال کا وزن ہو گا۔

(۴) اصحابِ اعمال کا وزن ہو گا۔

لیکن ان چاروں اقوال میں کوئی تعارض نہیں، بعض کے لیے ایک طریقہ، بعض کے لیے دوسرا طریقہ، اور بعض کے لیے سارے طریقے ہو سکتے ہیں۔

احادیث میں ان چاروں طریقوں کا ذکر موجود ہے:

پہلا قول: اعمالِ مجردہ کا وزن ہو گا:

(۱) عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: «أثقلُ شيءٍ في الميزانِ الخُلُقُ الحَسَنُ». (صحيح ابن حبان، رقم:٤٨١. وإسناده صحيح).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میزان میں سب سے بھاری اخلاق حسنہ ہیں۔
حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں کہ خلق حسن کو متجسد کیا جائے گا۔

(۲) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يا أبا ذر! ألا أدلُّكَ على خصلتين هما أخف على الظهر، وأثقَلُ في الميزان من غيرهما؟» قال: بلى يا رسولَ الله، قال: «عليک بحُسْنِ الخُلُقِ، وطُولِ الصَّمتِ، والذي نفس محمد بيده ما عمِلِ الخلائقُ بمثلهما». (شعب الإيمان للبيهقي، رقم:١٩٥٤. ومسند أبي يعلى، رقم:٣٢٩٨. ومسند البزار، رقم:٧٠٠١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا میں تم کو دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں اور میزان میں بھاری ہیں؟ کہنے لگے: یا رسول اللہ بتا دیجئے۔ فرمایا: تم اخلاق حسنہ اور خاموشی کی عادت کے ساتھ چمٹے رہو، اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! ان اعمال کا مثل نہیں جب تک مخلوق ان پر عمل کرے۔

(۳) أن النبي صلى الله عليه وسلم نزل عليه جبريل عليه السلام، وعنده رجل يبكي، فقال: «من هذا؟» قال: «فلان» قال جبريل: «إنا نزن أعمال بني آدم كلها إلا البكاء؛ فإن الله عز وجل يطفئ بالدمعة بحورا من نار جهنم». (الزهد للإمام أحمد بن حنبل، رقم:١٤٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا، جبریل علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہم اعمالِ بنی آدم کو تولتے ہیں رونے کے علاوہ، اس لیے کہ اللہ تعالی ایک آنسو سے آتشِ جہنم کے سمندروں کو بجھاتے ہیں۔

(۴) وقال عليه السلام: «أول ما يُوضَع في ميزان العبد نَفَقَتُه على أهله». (المعجم الأوسط للطبراني، رقم:٦١٣٥).

سب سے پہلے آدمی کی میزان میں اس کی فیملی پر اس کا نفقہ تولا جائے گا۔

(۵) وقال عليه السلام: «الوضوء يُوزَن يومَ القيامة مع سائر الأعمال». (تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر ٣٨٠/٦١).

وضو کے پانی کو قیامت کے دن دوسرے اعمال کے ساتھ تولا جائے گا۔

(٦) وعن جابر مرفوعًا: «تُوضَع الموازين يومَ القيامة، فتُوزَن الحسنات والسيِّئات، فمن ثقُلتْ حسناتُه على سيئاته مثقال حبةٍ دخل الجنة، ومن ثقلت سيئاتُه على حسناته مثقال حبةٍ دخل النار». قيل له: من استوتْ حسناتُه وسيئاتُه؟ قال: «أولئك أصحاب الأعراف». (قال الصنعاني: «أخرجه خيثمة في فوائده، وعند ابن المبارك في الزهد عن ابن مسعود نحوه مرفوعًا». سبل السلام ٤٣٩/٤).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: اعمال کو قیامت کے دن تولا جائے گا، ہر قسم کی نیکیوں اور برائیوں کو تولا جائے گا، جس کی نیکیاں بُرائیوں پر بھاری ہوں گی وہ جنت میں جائے گا اور جس کی سیئات حسنات کے مقابلے میں دانہ برابر بھاری ہوں گی وہ جہنم میں جائے گا۔ سوال ہوا کہ جس کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی اس کا کیا ہو گا؟ فرمایا: وہ اعراف والے ہوں گے۔

(٧) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الطهورشطر الإيمان، والحمد لله تملأ الميزان». (صحيح مسلم، رقم:٢٢٣)

طہارت آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے۔

حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں کہ "الحمد للہ" متجسد ہو گا۔

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں خود اعمال کو ترازو میں رکھنے کا ذکر ہے۔

اعمال تولے جانے کا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، علی بن مدینیؒ وغیرہ حضرات کا یہی مسلک ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[1]

---

(١) قال الحافظ ابن حجر: «والصحيح أن الأعمال هي التي توزن». (فتح الباري ٥٣٩/١٣)

دوسرا قول: وزن اعمالِ مجسدہ کا ہوگا:

(۱) عن ابن عباس أنه قال: «الميزان له لِسانٌ وكِفَّتانِ يُوزَن فيه الحسناتُ والسيِّئاتُ، فيُوتَى بالحَسَنات في أحسنِ صورةٍ، فتُوضَع في كِفَّةِ المِيزانِ فتثقُل على السيئاتِ...». قال: «ويُؤتَى بالسيئات في أقبح صورةٍ فتُوضَع في كِفَّةِ الميزانِ فتُخَفِّفُ. والباطل خفيف». الحديث. (شعب الإيمان، رقم:٢٧٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میزان کے لیے ایک دستے کی سوئی اور دو پلڑے ہیں، ان میں نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی، نیکیوں کو خوبصورت شکل میں لاکر میزان کے پلڑے میں ڈالا جائے گا تو حسنات کا پلڑا سیئات پر بھاری ہو جائے گا...۔ اور بداعمالیوں کو بدصورت شکل میں لایا جائے گا اور اسے میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو سیئات کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ اور باطل ہلکا ہی ہوتا ہے۔

(۲) وقال الحسن: «الميزان له لِسانٌ وكِفَّتان». (أخرجه اللالكائي في شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، رقم:٢٢١٠).

حسن بصری کہتے ہیں کہ میزان کے لیے ایک دستے کی سوئی اور دو پلڑے ہیں۔

(۳) في حديث البراءؓ في قصة سؤال القبر: «فيأتيه (المؤمنَ) رجلٌ حَسَنُ الوجه، حسن الثِّياب، طَيِّبُ الرِّيح، فيقول: أَبشِرْ بالذي يسرُّك، هذا يومُك الذي كنتَ تُوعَد، فيقول له: من أنتَ؟ فوجهك الوجهُ الذي يجيءُ بالخير، فيقول: أنا عَمَلُك الصَّالِحُ». (مسند أحمد، رقم:١٨٥٣٤، وإسناده صحيح).

سوالِ قبر کے بارے میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مؤمن کے پاس ایک خوبصورت، خوش پوشاک اور خوشبودار شخص آئے گا، اور کہے گا: تم کو خوشی والا عمل مبارک ہو، یہ وہ دن ہے جس کا وعدہ آپ سے کیا گیا تھا۔ مومن کہے گا: آپ کون ہیں؟ آپ کے رخِ انور نے خیر لائی۔ وہ کہے گا: میں آپ کا عمل صالح ہوں۔

(۴) عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «من اتَّبَعَ جنازةَ مسلمٍ إيمانًا واحتسابًا، وكان معه حتَّى يُصلَّى عليها ويُفْرَغَ من دفنها، فإنَّه

يرجع من الأجر بقيراطَين، كلُّ قيراط مثلُ أُحُدٍ». (صحيح البخاري، رقم:٤٧).

جو مسلمان کے جنازے کے پیچھے گیا یہاں تک کہ جنازہ اور دفن سے فارغ ہوا وہ دو قیراط اجر لے کر واپس آئے گا، ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔

(۵) وعن حماد بن إبراهيم قال: «يُجاء بعمل الرجل فيُوضَع في كِفَّةِ ميزانه يومَ القيامة فتَخِفُّ فيُجاء بشيء أمثال الغَمام، أو قال: مِثل السَّحاب، فيُوضَع في كِفَّةِ ميزانه فيَرجَحُ فيُقال له: أَتدرِي ما هذا؟ فيقول: لا، فيقال له: هذا فضلُ العِلم الذي كنتَ تُعَلِّمُه النَّاس». (جامع بيان العلم وفضله، رقم:٢٢٥).

حماد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ ایک آدمی کے اعمال کو لا کر قیامت کے دن میزان میں رکھ دیا جائے گا، وہ ہلکے ہو جائیں گے، پھر بادلوں کی شکل کی ایک چیز لا کر میزان کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی تو حسنات کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، اس سے کہا جائے گا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ بولے گا: نہیں جانتا۔ اس سے کہا جائے گا: یہ وہ فضیلت والا علم ہے جو آپ لوگوں کو سکھاتے تھے۔

(۶) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «اقرءُوا الزهراوَين: البقرةَ وسورةَ آل عمران، فإنَّهما تأتِيان يومَ القيامة كأنَّهما غمامتان». (صحيح مسلم، رقم:٨٠٤).

دو روشن سورتیں سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لیا کرو؛ اس لیے کہ یہ دونوں قیامت کے دن بادلوں کی شکل میں آئیں گی۔

(۷) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من احتَبَسَ فرَسًا في سبيل الله إيمانًا بالله وتصديقًا بوعده، فإنَّ شِبَعَه ورِيَّه ورَوْثَه وبولَه في ميزانه يومَ القيامة». (صحيح البخاري، رقم:٢٨٥٣).

جس نے اللہ تعالی کے وعدے پر ایمان ویقین کر کے اللہ تعالی کے راستے میں گھوڑا پال رکھا تو اس کی سیری وسیرابی، اور اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس کے حسنات کی میزان میں ہوں گے۔

تیسرا قول: صحفِ اعمال کا وزن ہو گا:

بطاقہ والی مشہور حدیث:«فتخرُج له بطاقةٌ فيها أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنَّ محمدًا عبده ورسوله، فيقول: احْضُرْ وَزْنَك، فيقول: يا ربِّ ما هذه البطاقة مع هذه السجلات، فقال: إنك لا تُظْلَمُ، قال: فتُوضَع السِّجلات في كفةٍ والبِطاقة في كفةٍ، فطاشَت السِّجِلات وثَقُلَت البطاقةُ، فلا يثقُلَ مع اسم الله شيءٌ». (سنن الترمذي، رقم:٢٦٣٩، وقال الترمذي: هذا حديث حسن)

ایک شخص کے اعمال ہلکے ہوں گے تو اُس کے لیے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا، اس میں أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنَّ محمدًا عبده ورسوله **ہو گا۔ اللہ تعالی فرمائیں گے: اپنے وزنِ اعمال کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ وہ کہے گا: اے رب! یہ پرچی ان بڑے بڑے رجسٹروں کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہے؟ اللہ تعالی فرمائیں گے: بے شک آپ پر ظلم نہیں ہو گا۔ ان رجسٹروں کو ایک پلڑے میں اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ رجسٹر اُڑ کر ہلکے ہو جائیں گے اور پرچی بھاری ہو جائے گی، کہ اللہ تعالی کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔**

ایک دوسری حدیث میں صاحبِ اعمال کے ساتھ اس کاغذ کے ٹکڑے کو بھی رکھے جانے کا ذکر ہے جس میں لا إله إلا الله **ہو گا۔**عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «تُوضَع الموازينُ يومَ القيامة، فيُؤتَى بالرجل فيُوضَع في كِفَّةٍ فيُوضَع ما أُحصِيَ عليه، فتَمايل به الميزانُ»، قال: «فيُبعَث به إلى النار، فإذا أُدْبِرَ به إذا صائِحٌ يصِيحُ من عند الرحمن يقول: لا تَعجَلوا، فإنَّه قد بقي له، فيُؤتَى ببطاقة فيها: لا إله إلا الله، فتُوضَع مع الرجل في كِفَّةٍ، حتى يَمِيلُ به الميزانُ». (مسند أحمد، رقم:٧٠٦٦، وإسناده حسن)

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ترازووں کو رکھا جائے گا، ایک آدمی کو لا کر ایک پلڑے میں اس کے محفوظ شدہ گناہوں کے ساتھ رکھا جائے گا تو اس کی سیئات کا پلڑا بھاری ہو کر مائل ہو جائے گا، اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: جلدی

مت کرو، اس کی ایک نیکی باقی ہے، اور ایک پرچی لائی جائے گی جس میں لا إله إلا الله لکھا ہوا ہو گا، اس کو آدمی کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا، یہاں تک کہ حسنات کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

صحائف تولے جانے کا قول ابن عمرؓ کا ہے اور علامہ قرطبی، علامہ ابن عبد البرؒ، علامہ سیوطیؒ، امام الحرمین وغیرہم نے اس قول کو ترجیح دی ہے یا صحیح قرا دیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں اسے جمہور کا قول اور تفسیر رازی میں عام مفسرین کا قول قرار دیا ہے۔

حدیث بطاقہ پر اشکال وجواب:

اشکال: اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا؛ کیونکہ ہر ایک کے پاس بطاقۃ الایمان ہے؛ حالانکہ بعض مسلمانوں کے معذب ہونے کی صراحت احادیث میں موجود ہے۔ قرآن کے حافظ اور عالم بے عمل کے بارے میں اس کے سر کے پھاڑنے اور پھر بار بار ملنے اور پھاڑنے کا ذکر ہے۔ جھوٹ بولنے اور پھیلانے والے کے جبڑے کو بار بار پھاڑنے کا ذکر ہے۔ زناکار مرد اور عورتوں کو بغیر لباس کے تنور میں ڈالنے کا ذکر ہے۔ سود خوروں کو خون کے دریا میں ڈالنے اور نکلنے کا ارادہ کرنے پر ان کے منہ میں پتھر مارنے کا ذکر ہے۔ نیز بے شمار احادیث میں بعض گنہگاروں کے جہنم میں جانے کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، "باب ما قیل فی أولاد المشرکین" کے تحت باب کو ملاحظہ کیجئے۔

جواب(۱): وزن دو مرتبہ ہو گا: ۱- ایمان کا وزن کفر کے مقابلہ میں۔ ۲-اعمال صالحہ کا اعمال سیئہ کے مقابلہ میں۔(بیان القرآن، اعراف:۹) اور بطاقہ والی حدیث وزن اول پر محمول ہے۔

مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی؛ اس لئے کہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطاقہ کے ذریعہ پلڑا بھاری ہونے کے بعد وہ شخص نار سے بچ جائے گا، یہ نہیں کہ بطاقہ کے بعد ابھی اعمال کا تولنا باقی ہے۔ نیز دو مرتبہ وزن کا ثبوت ہمارے علم میں نہیں۔

جواب (۲): اس نے یہ کلمہ نزع کی حالت میں پڑھا تھا، جس سے اس کی مغفرت

ہو گئی۔ **حدیث میں ہے:** «من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة». (سنن أبي داود، رقم:۳۱۱٦)

مگر اس توجیہ کے مطابق معنی یہ ہوا کہ وہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا اور اس کے پاس دوسری نیکی بھی موجود ہے، حالانکہ حدیث بطاقہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی اور نیکی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نیکیاں موجود تھیں؛ لیکن مرجوح تھیں، حسن خاتمہ والے کلمہ کی برکت سے نیکیاں راجح ہو گئیں۔

جواب(۳): یہ کلمہ اس شخص نے مرتے وقت ایمان لانے کے لئے پڑھا تھا۔

اس پر بھی اشکال ہے کہ پھر تو اس کے گناہ بھی ختم ہو جانے چاہئے؛ اس لیے کہ اسلام ما قبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، مگر یہاں تو گناہوں کے ۹۹ دفتر باقی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے ذمے حقوق العباد باقی ہوں اور ایمان لانے سے ان کے ساتھ رہنے والوں کے حقوق العباد ختم نہیں ہوتے۔

جواب (۴): اس نے یہ کلمہ مشکل حالات میں انتہائی اخلاص سے کہا ہو گا، اور اسے دوسرے لوگ بھی پڑھتے ہیں؛ مگر عام حالات میں، مثلاً: اکراہ کی حالت میں اس نے یہ کلمہ نہ چھوڑا ہو گا۔ یا اصحاب الاخدود کے واقعے میں کلمۂ حق کی آواز بلند کرنے والے اور اپنی جان کی قربانی دینے والے عبد اللہ بن تامر کی طرح ہوں گے۔

اشکال: غایتِ اخلاص سے کلمہ پڑھنے والے، نزع کی حالت میں پڑھنے والے اور اسی طرح مرنے سے پہلے کلمہ پڑھ کر ایمان لانے والے بہت سے ہوں گے، پھر حدیث میں رجل کا ذکر کیوں ہے؟

جواب: اس وصف والی پوری جماعت مراد ہے خاص فرد مراد نہیں۔

جواب(۵): حدیث بطاقہ والا قصہ عام اصول و قوانین سے مستثنیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے۔ یہ جواب قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے۔ (۳۳۲/۱۰، القارعة:۱۱).

جواب(٦): وہ یہ کلمہ بکثرت پڑھتا ہو گا۔ کثرت سے پڑھنے کی وجہ سے حسنات کا پلڑا بھاری ہو گا؛ اس لیے یہ اشکال وارد نہیں ہو سکتا کہ ایمان تو ہر مسلمان کے پاس ہے۔

چوتھا قول: صاحبِ اعمال کا وزن ہو گا:

(١) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إنه ليأتي الرجلُ العظيمُ السمينُ يومَ القيامة لا يزِن عندَ الله جَناحَ بَعُوضةٍ». (صحيح البخاري، رقم:٤٧٢٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک موٹا تازہ آدمی آئے گا وہ اللہ تعالی کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہو گا۔

(٢) حدیث میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں اُحد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔

عن زِرِّ بن حُبَيش أن عبد الله بن مسعود كان يَحْتَزُّ لرسول الله صلى الله عليه وسلم سوكًا من أَراكٍ، وكان في ساقَيه دِقَّةٌ فضحِك القوم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «ما يُضحِكُكم مِن دِقَّةِ ساقَيه، والذي نفسي بيده إنهما أثقلُ في الميزان من أُحُدٍ». (صحيح ابن حبان، رقم:٧٠٦٩. والمستدرك للحاكم، رقم:٥٣٨٥. وهو حديث صحيح).

ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک کاٹ رہے تھے، ان کی ٹانگیں پتلی تھیں تو کچھ لوگ ہنس پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی ٹانگوں کے پتلے ہونے پر کیوں ہنستے ہو؟ اللہ کی قسم! یہ دونوں میزان میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔

(٣) ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾﴾ قال عبيد بن عُمَير: هو القوي الشديد، الأكول الشَّرُوب، يُوضَع في الميزان فلا يزِن شعيرةً، يَدفَع المَلَكُ مِن أولئك سبعين ألفًا دفعةً واحدةً في النار. (الشريعة للآجري، رقم:٩٠٤. حلية الأولياء ٣/٢٧٠)

عُتِلّ، زَنیم کے معنی بد زبان و بد اخلاق، اور بد نامی اور فساد میں مشہور۔ عبید بن عمیر نے ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾﴾ کی تفسیر میں کہا ہے: یہ مضبوط قوی کھاتا پیتا شخص ہو گا، میزان میں اس کو رکھا جائے گا تو ایک جو کے برابر بھی نہیں ہو گا۔ فرشتہ ان میں سے ستر ہزار کو ایک ہی مرتبہ دھکا دے کر جہنم میں دھکیل دے گا۔

(۴) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال رسول الله ﷺ: «تُوضَع الموازينُ يومَ القيامة، فيُؤتَى بالرجل فيُوضَع في كِفَّةٍ فيُوضَع ما أُحصِيَ عليه، فتَمايل به الميزانُ»، قال: «فيُبعَث به إلى النار، فإذا أُدْبِرَ به إذا صائِحٌ يصِيحُ من عند الرحمن يقول: لا تَعجَلوا، فإنَّه قد بقي له، فيُؤتَى ببطاقة فيها: لا إله إلا الله، فتُوضَع مع الرجل في كِفَّةٍ، حتى يَمِيلُ به الميزانُ». (مسند أحمد، رقم:٧٠٦٦)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ترازووں کو رکھا جائے گا، ایک آدمی کو لاکر ایک پلڑے میں اس کے محفوظ شدہ گناہوں کے ساتھ رکھا جائے گا تو اس کی سیئات کا پلڑا بھاری ہو کر مائل ہو جائے گا، اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: جلدی مت کرو، اس کی ایک نیکی باقی ہے، اور ایک پرچی لائی جائے گی جس میں لا إله إلا الله لکھا ہوا ہو گا، اس کو آدمی کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا، یہاں تک کہ حسنات کا پلڑا جھک جائے گا۔

مذکورہ اقوال میں تطبیق:

تولنے کی مذکورہ چار صورتوں میں کوئی تعارض نہیں، مقصود سب کا اظہارِ عدل ہے۔ نصوص میں ان طریقوں میں سے کسی کی بھی نفی نہیں کی گئی ہے؛ اس لئے سب پر عمل ہو گا، اس طرح کہ:

(۱) بعض کے لئے ایک طریقہ، بعض کے لئے دوسرا اور بعض کے لئے سب طریقے ہوں گے۔

(۲) تینوں طرح وزن ہو گا یعنی یکے بعد دیگرے ۳ مرتبہ وزن ہو گا۔

(۳) اعمال کو مجسم بنا کر صاحب اعمال کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھا جائے گا یا صاحبِ عمل کو حسنات کے صحیفے کے ساتھ ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ دونوں کا حاصل ایک ہے۔[1]

(۱) قال ابن كثير: «وقد يمكن الجمع بين هذه الآثار بأن يكون ذلك كله صحيحا، فتارة توزن

اس قول کی دلیل حدیث بطاقہ بن سکتی ہے، جس میں آیا ہے کہ پہلے آدمی کو اور پھر اس کے ساتھ بطاقہ کو رکھا جائے گا۔

راجح و مرجوح کی پہچان:

قرآن و سنت میں اس کی صراحت نہیں کہ قیامت کے روز وزنی پلڑے کی پہچان کیسے ہو گی؛ البتہ علماء کے اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

قول (۱): جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بھاری پلڑا نیچے جھک جائے گا اور ہلکا پلڑا اوپر چڑھ جائے گا، جیسا کہ دنیا کے تول میں ہوتا ہے۔

قول (۲): دنیا کے دستور کے برعکس ہو گا کہ بھاری پلڑا اُوپر کی طرف اٹھے گا اور ہلکا پلڑا نیچے جھکے گا؛ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿إِلَيۡهِ يَصۡعَدُ ٱلۡكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلۡعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرۡفَعُهُۥ﴾. (فاطر: ۱۰) (پاکیزہ کلمہ اسی کی طرف چڑھتا ہے اور نیک عمل اس کو اوپر اٹھاتا ہے۔) معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ اُوپر کی طرف اٹھیں گے۔ نیز اعمالِ صالحہ کو اُوپر اُٹھائے جانے میں ان کی تکریم و تعظیم کی طرف اشارہ ہو گا۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے یہ قول بعض کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔

قول (۳): حسنات کے پلے سے نور نکلنے سے نیکی کا پلہ بھاری ہونا معلوم ہو گا اور سیئات کے پلڑے سے ظلمت ظاہر ہونے سے سیئات کا پلڑا بھاری ہونا معلوم ہو گا۔ علامہ آلوسیؒ نے یہ قول نقل کیا ہے۔ (دیکھئے: علوم القرآن- لمولانا شمس الحق افغانی، ص ۲۴۴-۲۴۵)

میزان حساب سے پہلے قائم کی جائے گی یا حساب کے بعد؟:

امام بیہقی اور امام قرطبی نے لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں: حساب پہلے ہو گا اور وزنِ اعمال بعد میں ہو گا؛ اس لیے کہ وزن جزاء کے لیے ہے؛ اس لیے مناسب ہے کہ محاسبہ کے بعد ہو؛

الأعمال، وتارة توزن محالها، وتارة يوزن فاعلها، والله أعلم». (تفسير ابن كثير، الأعراف:٨. وانظر: التفسير المظهري، المؤمنون: ١٠٢)

کیونکہ محاسبہ بندوں سے اعمال کا اقرار کرانے کے لیے ہو گا اور وزن اعمال کی مقدار کو ظاہر کرنے کے لیے؛ تاکہ بدلہ اس کے حساب سے ہو۔(۱)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ﴾ (الأنبياء: ٤٧) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وزن اعمال پہلے اور حساب بعد میں ہو گی۔(۲)

کیا میزان پیدا کی جاچکی ہے اور کس مادّے سے بنائی گئی ہے؟:

کیا میزان پیدا کی جاچکی ہے یا آئندہ پیدا کی جائے گی؟ اور میزان کون سے مادّے اور جوہر کی ہے؟ اس سلسلے میں قرآن واحادیث میں کوئی ذکر نہیں۔(۳)

میزان ایک ہو گی یا متعدد؟:

موازین جمع ذکر کرنے کی وجہ سے اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص کے لیے یا ہر عمل کے لیے الگ میزان ہو گی، یا میزان ایک ہو گی اور اعمال واشخاص کی کثرت یا عظمت کی وجہ سے موازین جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے؟ سلیمان جمل اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ میزان ایک ہو گی اور یہ اشکال نہیں کیا جاسکتا کہ ایک میزان سے تمام انسانوں اور جنات کے اعمال کو کیسے وزن کیا جائے گا؟ کیونکہ قیامت کے حالات کو دنیا کے حالات پر قیاس کرنا درست نہیں۔(٤)

---

(۱) قال البيهقي: إذا انتهى الحساب كان بعده وزن الأعمال؛ لأن الوزن للجزاء. (شعب الإيمان ٤١٨/١) وقال في موضع آخر: وإذا انقضى الحساب كان بعده وزن الأعمال؛ لأن الوزن للجزاء فينبغي أن يكون بعد المحاسبة، فإن المحاسبة لتقرير الأعمال، والوزن لإظهار مقاديرها ليكون الجزاء بحسبها. ومثله نقل القرطبي عن العلماء في التذكرة ٧١٥/٢، ط: دار المنهاج.

(۲) قال الآلوسي: «وأنه (أي: الحساب) كما ذكر الواحدي وغيره، وجزم به صاحب كنز الأسرار قبل الوزن، ولا يخفى أن في الآية إشارةً ما إلى أن الحساب المذكور فيها بعد وضع الموازين فتأمل». (روح المعاني، الأنبياء: ٤٧)

(۳) قال سليمان الجمل: «وأما ماهية جرمه من أي الجواهر، وأنه موجود الآن أو سيوجد فنمسك عن تعيينه». (الفتوحات الإلهية، الأنبياء:٤٥).

(٤) قال الحافظ ابن حجر: «والذي يترجح أنه ميزان واحد، ولا يُشكِل بكثرة مَن يوزَن عملُه لأن

وزن اعمال کی حکمت:

علمائے کرام نے وزنِ اعمال کی متعدد وجوہ اور حکمتیں تحریر فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) تاکہ عمل کرنے والے کو اپنے اعمال کا علم ہو جائے اور اگر بھول گیا ہو تو یاد آجائے۔ ﴿ ٱقۡرَأۡ كِتَٰبَكَ كَفَىٰ بِنَفۡسِكَ ٱلۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيبًا ﴾ (الإسراء: ١٤) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) نیک اعمال کی جزا سے اللہ کا فضل و احسان ظاہر ہوا اور اعمالِ بد کی سزا میں اللہ کے عدل کا ظہور رہا کہ مجرم کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوئی۔ نیز اگر مخلوط عمل والے کے ساتھ عفو کا معاملہ کیا جائے تو وہ جان لے گا کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔[1]

(۳) شہادتِ انبیاء علیہم السلام، شہادتِ علماء، شہادتِ ملائکہ، شہادتِ اعضاء اور شہادتِ قطعات زمین اور وزنِ اعمال سے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ جو کچھ کاروائی ہو رہی ہے وہ مبنی بر انصاف اور انتہائی عادلانہ ہے۔

(۴) ان سب کاروائی سے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ سب انتظامات انسانی اعمال کی اہمیت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد یہی نتائج اعمال تھے اور اسی وجہ سے اس کے لئے یہ وسیع انتظامات کئے گئے۔ (یہ چاروں حکمتیں مولانا شمس الحق افغانیؒ نے بیان فرمائی ہیں۔ علوم القرآن، ص:۲۴۴)۔

(۵) اتمام حجت کے لئے وزن کیا جائے گا۔

(۶) مکلف کا امتحان ہے کہ وزن اعمال پر ایمان لاتے ہیں، یا نہیں؟

(۷) نیک لوگوں کے اعمال کے وزن سے لوگوں کے سامنے ان کا فضل ظاہر ہو گا اور

أحوالَ القيامة لا تُكيَّف بأحوال الدنيا». (فتح الباري ١٣/٥٣٨). وقال سليمان الجمل: «الصحيح أنه ميزان واحد لجميع الأمم، ولجميع الأعمال». (الفتوحات الإلهية، الأنبياء: ٤٥).

(١) قال العيني: «وفائدته إظهار العدل، والمبالغة في الإنصاف، والإلزام قطعًا لأعذار العباد». (عمدة القاري ٢٥/٢٠٢).

بُرے لوگوں کے اعمال کے وزن سے لوگوں کے سامنے ان کی ذلت ورُسوائی ہو گی۔

(۸) نیک اعمال کا پلڑا جھک جانے سے آدمی کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو گا اوراگر اس کے برعکس ہوا، تو آدمی کے رنج و غم میں اضافہ ہو گا۔

(۹) نیک عمل کا کتنا ثواب ملا؟ کس عمل کی وجہ سے پلڑا جھکا؟ یہ معلوم ہو جائے گا۔

(۱۰) آدمی کو جب یہ معلوم ہو گا کہ ہر عمل کا وزن ہونے والا ہے تو واجبات کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام کرے گا۔

(۱۱) اللہ تعالی کا کوئی کام حکمتوں سے خالی نہیں، بندوں کی سعادت اس میں ہے کہ جن امور کا نصوص میں ذکر آیا ہے ان پر ایمان لائیں۔ کسی نص قطعی کا محض اس وجہ سے انکار کرنا کہ اس نص میں مذکور امر کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی ہے، کفر ہے۔

میزان کو بھاری یا ہلکی کرنے والے اعمال

ہر عمل صالح مقبول سے حسنات میں اضافہ ہوتا ہے اور سیئات مٹائی جاتی ہیں، جو میزان کے بھاری ہونے کا سبب ہے؛ لیکن بعض اعمال کے بارے میں اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کا ساتھ ان کے میزان میں وزنی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں پر اس طرح کے چند اعمال کا ذکر کیا جاتا ہے؛ تاکہ ہم ان پر عمل کرکے اپنی حسنات کی میزان کو بھاری کر سکیں۔ پھر ان بعض اعمال کو بھی ذکر کیا جائے گا جو میزان کے ہلکی ہونے اور حسنات کے ضائع ہونے کا سبب ہیں؛ تاکہ ہم ان اعمال سے اجتناب کرکے میزان کو ہلکی ہونے سے بچا سکیں۔

میزان کو بھاری کرنے والے اعمال:

(۱) قول و عمل میں اخلاص:

بطاقہ والی مشہور حدیث میں ہے:«فتخرُج له بطاقةٌ فيها أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنَّ محمدًا عبده ورسوله، فيقول: احْضُرْ وَزْنَك، فيقول: يا ربِّ ما هذه

البطاقة مع هذه السجلات، فقال: إنك لا تُظْلَمُ، قال: فتُوضَع السِّجلات في كفةٍ والبِطاقة في كفةٍ، فطاشَت السِّجلات وثَقُلَت البطاقةُ، فلا يثقُل مع اسم الله شيءٌ». (سنن الترمذي، رقم:٢٦٣٩، وقال الترمذي: هذا حديث حسن).

ایک شخص کے اعمال ہلکے ہوں گے تو اُس کے لیے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا، اس میں أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنَّ محمدًا عبده ورسوله ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے وزنِ اعمال کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ وہ کہے گا: اے رب! یہ پرچی ان بڑے بڑے رجسٹروں کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بے شک آپ پر ظلم نہیں ہو گا۔ ان رجسٹروں کو ایک پلڑے میں اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ رجسٹر اُڑ کر ہلکے ہو جائیں گے اور پرچی بھاری ہو جائے گی، کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

(۲) تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور نیک بچے کی موت پر صبر:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «بَخٍ بَخٍ، وأشار بيده بخمس ما أثقلهن في الميزان: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، والولد الصالح يُتَوَفَّى للمرءِ المسلمِ فيَحتَسِبُه». (صحيح ابن حبان، رقم:٨٣٣).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ پانچ چیزیں ترازو میں کتنی زیادہ وزنی ہیں!: لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، اور وہ بچہ جو مر جائے اور باپ (اور اسی طرح ماں بھی) اس پر صبر کرے۔

(۳) اچھے اخلاق:

قال النبى صلى الله عليه وسلم: «أثقلُ شيءٍ في الميزانِ الخُلُقُ الحَسَنُ». (صحيح ابن حبان، رقم:٤٨١. وإسناده صحيح).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میزان میں سب سے بھاری اخلاق حسنہ ہیں۔

(۴) لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يا أبا ذر! ألا أدلُّكَ على خصلتين

هما أخف على الظهر، وأثقَلُ في الميزان من غيرهما؟» قال: بلى يا رسولَ الله، قال: «عليك بحُسْنِ الخُلُقِ، وطُولِ الصَّمتِ، والذي نفس محمد بيده ما عمِل الخلائقُ بمثلِهما». (شعب الإيمان للبيهقي، رقم:١٩٥٤. ومسند أبي يعلى، رقم:٣٢٩٨. ومسند البزار، رقم:٧٠٠١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ذر! کیا میں تم کو دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں اور میزان میں بھاری ہیں؟ کہنے لگے: یارسول اللہ بتادیجئے۔ فرمایا: تم اخلاق حسنہ اور خاموشی کی عادت کے ساتھ چمٹے رہو، اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! ان اعمال کا مثل نہیں جب تک مخلوق ان پر عمل کرے۔

(۵) اللہ تعالی کے خوف سے رونا:

أن النبي صلى الله عليه وسلم نزل عليه جبريل عليه السلام، وعنده رجل يبكي، فقال: «من هذا؟» قال: «فلان» قال جبريل: «إنا نزن أعمال بني آدم كلها إلا البكاء؛ فإن الله عز وجل يطفئ بالدمعة بحورا من نار جهنم». (الزهد للإمام أحمد بن حنبل، رقم:١٤٤).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا، جبریل علیہ السلام نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں شخص ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہم اعمالِ بنی آدم کو تولتے ہیں رونے کے علاوہ، اس لیے کہ اللہ تعالی ایک آنسو سے آتشِ جہنم کے سمندروں کو بجھاتے ہیں۔

(٦) کسی کے جنازے میں اس کی تدفین تک شریک رہنا:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: «من تبع جنازة حتى يُصَلَّى عليها، ويُفرَغ منها، فله قيراطان، ومن تبعها حتى يصلى عليها، فله قيراط، والذي نفس محمد بيده لهو أثقل في ميزانه من أُحُد ». (مسند أحمد، رقم: ٢١٢٠١، وإسناده صحيح).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جنازے کے پیچھے چلا اور نماز جنازہ اور تدفین تک ساتھ رہا اس کے لیے دو قیراط ہیں، اور جو نماز تک جنازے کے ساتھ رہا اس کے لیے ایک قیراط ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ اس کے

میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوگا۔

اور صحیح بخاری میں ہے: «من شهد الجنازة حتى يصلِّيَ، فله قيراط، ومن شهد حتى تدفن كان له قيراطان»، قيل: وما القيراطان؟ قال: «مثل الجبلين العظيمين». (صحيح البخاري، رقم:١٣٢٥).

جس نے جنازہ میں شرکت کی پھر نماز پڑھی تو اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے، اور جو دفن تک ساتھ رہا اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ دو قیراط کیا چیز ہے؟ فرمایا: دو بڑے پہاڑ کے برابر۔

(٧) ایمان اور صدقِ نیت کے ساتھ اللہ کے راستے میں کوئی چیز وقف کرنا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من احتَبَسَ فرَسًا في سبيل الله إيمانًا بالله وتصديقًا بوعده، فإنَّ شِبَعَه ورِيَّه ورَوْثَه وبولَه في ميزانه يومَ القيامة».(صحيح البخاري، رقم:٢٨٥٣).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالی کے وعدے پر ایمان ویقین کرکے اللہ تعالی کے راستے میں گھوڑا پال رکھا تو اس کی سیری و سیرابی، اور اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس کے حسنات کی میزان میں ہوں گے۔

(٨) صدقہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من تصدَّق بعَدْل تَمْرَةٍ من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، وإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل». (صحيح البخاري، رقم:١٤١٠).

قال النووي: «ويصح أن يكون على ظاهره وأن تعظُم ذاتُها ويبارك الله تعالى فيها ويزيدها من فضله حتى تثقل في الميزان». (شرح النووي على صحيح مسلم ٩٩/٧).

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالی صرف پاک کمائی کے صدقے کو قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالی اسے اپنے داہنے

ہاتھ سے قبول کرتا، پھر صدقہ کرنے والے کے مال میں زیادتی کرتا ہے جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو (کھلا پلا کر) بڑھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

امام نووی نے لکھا ہے: اور درست ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہو اور یہ کہ نفس صدقہ بڑا ہو جائے اور اللہ تعالی اس میں اپنے فضل سے برکت اور بڑھوتری دیدے؛ یہاں تک کہ میزان بھاری ہو جائے۔

(۹) اتباعِ حق:

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر چند باتوں کی وصیت فرمائی، اور آپ نے یہ بھی فرمایا: «إنما ثقلت موازين من ثقلت موازينه يوم القيامة باتباعهم الحق في الدنيا...، وإنما خفت موازين من خفت موازينه يوم القيامة باتباعهم الباطل في الدنيا». (حلية الأولياء ٣٦/١. الزهد لابن المبارك، رقم:٩١٤. الزهد لأبي داود، رقم:٢٨).

قیامت کے دن جن کے پلڑے بھاری ہوں گے ان کے پلڑے اس لیے بھاری ہوں گے کہ انھوں نے دنیا میں حق کی پیروی کی ہو گی، اور جن کے پلڑے قیامت کے دن ہلکے ہوں گے وہ اس لیے ہلکے ہوں گے کہ انھوں نے دنیا میں باطل کی پیروی کی ہو گی۔

(۱۰) دوسروں کو بھلائی کی تعلیم دینا:

عن حماد بن إبراهيم في قوله تعالى: ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ﴾ (الأنبياء: ٤٧): قال: «يُجاء بعمل الرجل فيُوضَع في كِفَّةِ ميزانه يومَ القيامة فتَخِفُّ فيُجاء بشيءٍ أمثال الغمام، أو قال: مِثل السَّحاب، فيُوضَع في كِفَّةِ ميزانه فيَرجَحُ فيُقال له: أتدري ما هذا؟ فيقول: لا، فيقال له: هذا فضلُ العِلم الذي كنتَ تُعَلِّمُه النَّاس». (جامع بيان العلم وفضله، رقم:٢٢٥)

اللہ تعالی کے ارشاد: "اور قیامت کے روز ہم ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی" کے بارے میں حماد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک آدمی کے اعمال کو لا کر قیامت کے دن میزان میں رکھ دیا جائے گا، وہ ہلکے ہو جائیں گے، پھر بادلوں کی شکل کی

ایک چیز لا کر میزان کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی تو حسنات کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، اس سے کہا جائے گا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ بولے گا: نہیں جانتا۔ اس سے کہا جائے گا: یہ وہ فضیلت والا علم ہے جو آپ لوگوں کو سکھاتے تھے۔

(۱۱) خادم کے کام میں تخفیف کرنا:

عن عمرو بن حُرَيث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «ما خففتَ عن خادمك من عمَله كان لك أجرًا في موازينك». (صحيح ابن حبان، رقم: ٤٣١٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے اپنے خادم کے کام سے ہلکا کیا اس کا تمہارے میزان میں اجر ملے گا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے؛ البتہ عمرو بن حُرَیث کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن معین نے عمرو حریث کو تابعی اور ان کی حدیث کو مرسل کہا ہے۔(الاصابہ ۴/۵۱۰)

علماء نے مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی بعض روایات ذکر فرمائی ہیں جن میں بعض اعمال کے ترازو میں بھاری ہونے کا ذکر ہے؛ لیکن یہ روایات صحیح نہیں؛ البتہ ہر عمل صالح ترازو کے بھاری ہونے کا سبب ہے:

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا:

امام قرطبی، امام رازی، امام قسطلانی وغیرہ نے بلا سند یہ روایت نقل کی ہے: «إذا خفت حسنات المؤمن أخرج رسول الله صل الله عليه وسلم بطاقة كالأُنْمُلة فيلقيها في كفة الميزان اليمنى التي فيها حسناته فترجح الحسنات فيقول ذلك العبد المؤمن للنبي صلى الله عليه وسلم بأبي أنت وأمي! ما أحسن وجهك وما أحسن خلقك فمن أنت؟ فيقول أنا محمد نبيك وهذه صلواتك التي كنت تصلي علي قد وفيتك أحوج ما تكون إليها». (تفسير القرطبي ١٦٩/٧. تفسير الرازي ٢٠٤/١٤. المواهب اللدنية ٦٦٣/٣. اللباب في علوم علوم الكتاب ٢٤/٩).

جب مؤمن کی نیکی کم ہو جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کے پور کی طرح ایک پرچی نکال کر اس کے ترازو کے دائیں پلڑے میں رکھ دیں گے جس میں اس کے اعمال

صالحہ ہوں گے پس اعمال صالحہ وزنی ہو جائیں گے۔ وہ مؤمن بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے گا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا چہرہ کس قدر حسین اور آپ کے اخلاق کس قدر عمدہ ہیں ! آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: میں تمہارا نبی محمد (ﷺ) ہوں اور یہ تمہارا درود ہے جو تم مجھ پر پڑھا کرتے تھے، میں نے تمہاری حاجت کے وقت اس کا بدلہ دے دیا۔

ابن ابی الدنیا نے اس روایت کو اپنی کتاب «حسن الظن بالله» (حدیث:۷۹) میں سنداً نقل کیا ہے۔ قال ابن أبي الدنيا: حدثنا يعقوب بن إسحاق بن دينار (ثقة)، حدثني قثم بن عبد الله بن واقد (مجهول الحال)، حدثني أبي (الحراني: متروك)، عن صفوان بن عمرو (السكسكي: ثقة)، عن شريح بن عبيد الحضرمي (ثقة)، عن كثير بن مرة الحضرمي (ثقة)، عن عبد الله بن عمرو (صحابي)، موقوفاً عليه.

علامہ سخاوی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: «أخرجه ابن أبي الدنيا في كتاب «حسن الظن بالله» من طريق كثير بن مرة الحضرمي عن عبد الله، ومن طريق النميري، وذكره ابن البنا وسنده هالك». (القول البديع، ص١٢٩).

(۱۳) اللہ تعالیٰ کا کرم:

امام غزالی نے اپنی کتاب «الدرة الفاخرة» میں لکھا ہے: «يؤتى يوم القيامة برجل فما يجد حسنةً يرجح بها ميزانه وقد اعتدل بالسوية، فيقول الله تعالى رحمة منه: اذهب في الناس فالتمس من يعطيك حسنة أُدخلك بها الجنة، فيصير يجوس خلال العالمين فما يجد أحدًا يكلمه في ذلك، وكل من يسأله يقول له أخشى يخف ميزاني أنا أحوج منك إليها، فييأس فيقول له رجل: ما الذي تطلب؟ فيقول: حسنة واحدة فلقد مررت بقوم لهم منها آلاف فبخلوا علي، فيقول له الرجل: لقد لقيتُ الله تعالى فما وجدت في صحيفتي إلا حسنة واحدة وما أظنها تغني عني شيئاً خذها هبةً مني إليك، فينطلق فرحًا مسرورًا فيقول الله له: ما بالك وهو

سبحانه أعلم فيقول: رب اتفق من أمري كذا وكذا، ثم ينادي سبحانه بصاحبه الذي وهبه الحسنة فيقول الله تعالى له: كرمي أوسع من كرمك خذ بيد أخيك وانطلقا إلى الجنة». (الدرة الفاخرة في كشف علوم الآخرة، للإمام الغزالي، ص١٠٨، ط: المكتبة الثقافية، بيروت).

قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا، اس کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے اور اس کے پاس صرف ایک نیکی نہیں ہو گی جس سے وہ اپنے میزان کو بھاری کر سکے، تو اللہ تعالی اپنی رحمت کے طور پر اس سے فرمائیں گے: لوگوں کے پاس جاکر تلاش کرو جو تمھیں ایک نیکی دیدے جس کی وجہ سے میں تمھیں جنت میں داخل کر دوں؛ چنانچہ وہ لوگوں میں گھومتا پھرے گا؛ لیکن کوئی اس سے اس بارے میں بات کرنے والا نہیں ملے گا، اور جس سے بھی وہ سوال کرے گا وہ کہے گا: مجھے ڈر ہے کہ میرا میزان ہلکا ہو جائے، میں تو تم سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ وہ مایوس ہو جائے گا۔ ایک شخص اس سے کہے گا: تم کیا مانگ رہے ہو؟ وہ کہے گا: صرف ایک نیکی، میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا ہوں جن کے پاس ہزاروں نیکیاں ہیں؛ لیکن انھوں نے میرے ساتھ بخل کیا، تو وہ شخص اس سے کہے گا: میں اللہ تعالی سے ملا ہوں اور مجھے اپنے نامہ اعمال میں صرف ایک نیکی ملی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ میرے کچھ کام آئے گی؛ اس لیے تم اسے میری طرف سے ہدیہ کے طور پر لے لو۔ وہ خوشی اور مسرت کے ساتھ واپس ہو گا۔ اللہ تعالی اس سے فرمائیں گے: کیا ہوا؟ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالی سب کچھ جانتے ہیں۔ وہ کہے گا: ایسا ایسا معاملہ پیش آیا۔ پھر اللہ تعالی اس کے اس ساتھی کو پکاریں گے جس نے اسے نیکی ہدیہ کر دی تھی اور اللہ تعالی اس سے فرمائیں گے: میرا کرم تمہارے کرم سے زیادہ وسیع ہے، اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور تم دونوں جنت میں چلے جاؤ۔

امام غزالی کی اس عبارت کو علامہ قرطبی نے "التذکرہ" (١/٣٤٧) میں، علامہ قسطلانی نے "المواہب اللدنیہ" (٣/٦٦٣) میں امام غزالی کے حوالے سے نقل کیا ہے؛ لیکن ہمیں اس روایت کی کوئی سند نہیں مل سکی۔

(۱۴) سورۃ القارعہ کی تلاوت:

عن أبي بن كعب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ومن قرأ سورة القارعة ثقل الله عز وجل بها ميزانه يوم القيامة». (التفسير الوسيط، للواحدي ٥٤٦/٤).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ القارعہ کی تلاوت کرے گا اللہ تعالی قیامت کے روز اس کے میزان کو وزنی کر دیں گے۔

اس روایت کو علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور مستغفری نے ”فضائل القرآن“ میں سورۃ القارعہ کی تفسیر میں بلا سند ذکر کیا ہے؛ لیکن شمس الدین خطیب الشربینی (م:۹۷۷) نے «السراج المنير» (٤/ ٥٨٠) میں اور عبد الرؤوف مناوی نے «الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي» (١١١٨/٣) میں اس حدیث کو موضوع لکھا ہے۔

(۱۵) علماء کے قلم کی روشنائی:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: « يُوزَن مداد العلماء مع دم الشهداء يَرجُح مِداد العلماء على دم الشهداء ». (العلل المتناهية ٧٢/١).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء کی روشنائی کو شہداء کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہداء کے خون پر غالب آجائے گی۔

یہ روایت عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمرو اور نعمان بن بشیر تین صحابہ سے مروی ہے؛ لیکن تینوں روایات کے بارے میں ابن جوزی نے «لا يصح» لکھا ہے۔(العلل المتناهية ٧١/١).

(۱۶) قربانی:

عن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «يا فاطمة قومي فاشهدي أضحيتك فإن لك بأول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب، أما إنها

تجاء بدمها ولحمها فيوضع في ميزانك سبعين ضعفاً». الحديث. (الترغيب والترهيب لقوام السنة أبي القاسم الأصبهاني، رقم:٣٥٥).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ کھڑی ہو جاؤ اور اپنی قربانی کے جانور کے پاس حاضر ہو جاؤ؛ اس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ (گرتے ہی) سارے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی، اس کا خون اور گوشت تمہارے میزانِ عمل میں ۷۰ گنا بڑھا ہوا ہوگا۔

اصبہانی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: «وقد حسن بعض مشايخنا حديث علي هذا»؛ لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمرو بن خالد مولی بنی ہاشم ہے، جس کے بارے میں ابن حبان نے لکھا ہے: «كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات حتى يسبق إلى القلب أنه كان المتعمد لها من غير أن يدلس، كذبه أحمد بن حنبل ويحيى بن معين». (المجروحين ٧٦/٢)

میزان کو ہلکا کرنے والے بعض اعمال:

(۱) ریا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن أخوف ما أخاف عليكم الشِّرك الأصغر» قالوا: وما الشرك الأصغر يا رسول الله؟ قال: «الرياء، يقول الله عز وجل لهم يوم القيامة: إذا جزي الناس بأعمالهم: اذهبوا إلى الذين كنتم تراءون في الدنيا فانظروا هل تجدون عندهم جزاء». (مسند أحمد، رقم: ٢٣٦٣٠، وإسناده حسن).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ چھوٹا شرک ہے۔ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دِکھاوا۔ اللہ تعالی قیامت کے روز ان سے فرمائے گا، جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے لیے تم دنیا میں دِکھاوا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا تم ان کے پاس اجر پاتے ہو!

(۲) محرمات کا اِرتکاب:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: «لأَعلَمَنَّ أقوامًا من أمتي يأتون يوم القيامة بحسنات أمثال جبال تهامة بيضًا، فيجعلُها الله عز وجل هباءً منثورًا» ، قال ثوبان: يا رسول الله صِفهم لنا، جَلِّهم لنا أن لا نكون منهم، ونحن لا نعلم، قال: «أما إنهم إخوانكم، ومِن جلدَتِكم، ويأخذون من الليل كما تأخذون، ولكنهم أقوام إذا خلوا بمحارم الله انتهكوها». (سنن ابن ماجه، رقم: ٤٢٤٥، وإسناده صحيح).

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز تہامہ کے سفید پہاڑوں جیسی نیکیاں لے کر آئیں گے ؛ لیکن اللہ تعالی انہیں بکھری ہوئی خاک میں بدل دیں گے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ان کو ہمارے سامنے بیان کر دیں تا کہ ہم ان میں سے نہ ہو جائیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے بھائی ہیں، اور تمہاری نسل سے ہیں اور تمہاری طرح رات کو عبادت کرتے ہیں؛ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو جب اکیلے ہوتے ہیں تو خدا کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔

(۳) لوگوں پر ظلم کرنا، ان کو بُرا بھلا کہنا، انہیں مارنا، ان کی غیبت کرنا اور اس جیسے دوسرے بُرے کاموں کا ارتکاب:

عن عائشة، أن رجلا قعد بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إن لي مملوكين يكذبونني ويخونونني ويعصونني، وأشتمهم وأضربهم فكيف أنا منهم؟ قال: «يحسب ما خانوك وعصوك وكذبوك وعقابك إياهم، فإن كان عقابك إياهم بقدر ذنوبهم كان كفافا، لا لك ولا عليك، وإن كان عقابك إياهم دون ذنوبهم كان فضلا لك، وإن كان عقابك إياهم فوق ذنوبهم اقتص لهم منك الفضل». قال: فتنحى الرجل فجعل يبكي ويهتف، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أما تقرأ كتاب الله ﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ (الأنبياء: ٤٧) الآية». فقال الرجل: والله يا

رسول الله ما أجد لي ولهم شيئا خيرا من مفارقتهم، أشهدك أنهم أحرار كلهم. (سنن الترمذي، رقم: ٣١٦٥، وإسناده ضعيف).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور عرض کیا: یارسول اللہ میرے دو غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، مجھ سے خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو بُرا بھلا کہتا ہوں اور انہیں مارتا ہوں، تو میں ان میں کیسا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنھوں نے تم سے خیانت کی تم سے جھوٹ بولا، ان کے لیے تمہاری سزا کا حساب لیا جائے گا، اگر ان کے لیے تمہاری سزا ان کے گناہوں کے مطابق ہوئی تو یہ برابر ہے، نہ تمہارے حق میں اور نہ تمہارے خلاف، اور اگر تمہاری سزا ان کے گناہوں سے کم ہے تو یہ تمہارے لیے اضافہ ہے۔ اور اگر ان کے لیے تمہاری سزا ان کے گناہوں سے زیادہ ہے تو انہیں تم سے زیادتی کا بدلہ دلایا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں: وہ شخص ایک طرف ہو کر رونے اور چیخنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کتاب اللہ نہیں پڑھتے؟ ”اور قیامت کے روز ہم ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی، چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، اگرچہ کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو“۔ اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! یارسول اللہ، میں اپنے اور ان کے لیے ان کو چھوڑنے سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب آزاد ہیں۔

وعن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «أتدرون ما المفلس؟» قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال: «إن المفلس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة، وصيام، وزكاة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح في النار». (صحيح مسلم، رقم: ٢٥٨١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ

اور زکوۃ لے کر آئے گا؛ لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر بہتان لگایا ہو گا، کسی کا مال کھایا ہو گا، کسی کا خون بہایا ہو گا، پھر اُن لوگوں کو (جن کو اس نے دنیا میں ستایا ہو گا) اس کی نیکیاں مل جائیں گی، اور اگر اس کی نیکیاں اس کے گناہ ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو اُن لوگوں کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی، پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اللہ تعالی ہمیں ان کاموں کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو میزان کو بھاری کرنے والے ہیں اور ان کاموں سے بچائے جو میزان کو ہلکا کرنے والے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «حاسِبوا أنفسكم قبل أن تُحاسَبوا، وتَزَيَّنُوا للعَرْض الأكبر، وإنما يَخِفُّ الحساب يومَ القيامة على من حاسب نفسَه في الدنيا». (سنن الترمذي، رقم: ٢٤٥٩).

حساب لیے جانے سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو، اور بڑی پیشی کے لیے تدبیر کرو، قیامت کے دن اس شخص کا حساب ہلکا ہو گا جو دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے گا۔

مذکورہ مباحث کے علاوہ، وزن اعمال کے ضمن میں اور بھی بہت سی ذیلی مباحث ہیں، جیسے: میزان کے اوصاف احادیث کی روشنی میں، میزان کے پلڑوں کی وسعت کی حکمت؟ لوگوں کا میزان کے پاس جھگڑنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میزان کے پاس تشریف فرما ہونا، مقامِ وزن کون سا ہے؟ میزان ثقیل ہونے کی ماثور دعائیں، تمام مخلوقات کا وزن کتنی دیر میں ہو گا؟ جیسے جیسے وزن ہوتا جائے گا فرشتہ نتائج کا اعلان کرتا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہ مسائل اور وزنِ اعمال سے متعلق اس جیسے دیگر مسائل کا بیان تفاسیر اور امورِ آخرت کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں: مثلاً امام قرطبی کی ''التذکرہ''، امام سیوطی کی ''شرح الصدور''، ابن رجب حنبلی کی ''أہوال القبور'' اور قاضی ابو طالب طرطوشی کی ''تحریر المقال فی موازنۃ الأعمال'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

آخری حدیث کی تشریح

حدثني أحمدُ بنُ إِشكابَ، حدثنا محمدُ بنُ فُضيل، عن عُمَارةَ بنِ القَعْقَاعِ، عن أبي زُرعة، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «كَلِمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللِّسان، ثقيلتان في الميزان: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے بہت رحم کرنے والے (اللہ) کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں، لیکن (قیامت کے روز) ترازو میں بہت بھاری ہوں گے، (اور وہ یہ ہیں:) «سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم».

مذکورہ روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں تین جگہ ذکر کی ہے۔ کتاب الدعوات، باب فضل التسبيح میں اپنے استاذ زہیر بن حرب سے۔ کتاب الأيمان والنذور، باب إذا قال والله لا أتكلم اليوم... میں اپنے استاذ قتیبہ بن سعید سے۔ اور یہاں کتاب التوحید میں اپنے استاذ احمد بن اِشکاب سے روایت کی ہے۔ پہلی روایت میں سبحان الله العظيم مقدم ہے۔ کتاب کے آخر میں احمد بن اشکاب کی روایت لانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس روایت کی ابتدا بھی حمد سے ہو رہی ہے کہ اس کے راوی احمد بن اشکاب ہیں، اور انتہا بھی اللہ تعالی کی صفت پر ہو رہی ہے۔ نیز امام بخاری کی ان سے آخری ملاقات مصر میں ہوئی تھی؛ اس لیے بھی آخرِ کتاب سے مناسب واضح ہوئی۔

حدثني أحمدُ بنُ إِشكابَ:

محدثین کے ہاں استاذ سے حدیث روایت کرنے کے آٹھ طریقے ہیں، ان میں سے

سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ استاذ حدیث پڑھے اور شاگرد سنے۔ اس طریقے کو سماع کہا جاتا ہے، اوراس صورت میں سنی ہوئی حدیث بیان کرنے کے لیے «حدَّثني» اور «سمعتُ فلانًا يقول» کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے مذکورہ حدیث اپنے استاذ احمد بن اشکاب سے اسی طریقے سے سنی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے، اس طریقے کو «القراءة على الشيخ» کہا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں شیخ کے سامنے پڑھی ہوئی احادیث روایت کرنے کے لیے «أخبرَني»، «أنبأَني» اور «قرأتُ عليه» کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اوراگر سننے والے ایک سے زیادہ ہوں تو «أخبرَنا» اور «أنبأَنا» کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے شاگرد جو سن رہے ہیں ان کے لیے «قُرِئَ عليه وأنا أسمَع» کا اضافہ مستحسن ہے۔(فتح المغيث ٢/ ١٥٦-١٧٢).

بعض علماء کے نزدیک تحملِ حدیث کا پہلا طریقہ اعلیٰ ہے اور بعض کے نزدیک دوسرا، اور بعض کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اصل چیز خطا کے امکان سے بچنا ہے اور یہ چیز جس طریقے میں زیادہ حاصل ہو وہ افضل ہے اور حالات کے اختلاف سے کہیں یہ بات سماع میں حاصل ہوتی ہے اور کہیں قراءت میں۔(فتح المغيث ٢/ ١٥٦-١٧٥).

احمد بن اِشکاب کا مختصر تعارف:

''اِشکاب'' ہمزہ کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ درست ہے۔(إرشاد الساري ١٠/٤٨٢).

لفظ ''اِشکاب'' عجمی ہونے اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ بعض حضرات فرماتے کہ اگر یہ «إكرام» کے وزن پر ہو تو منصرف ہے، اور اگر بفتح الہمزۃ «أثقال» کے وزن پر ہو تو علمیت اور جمع تانیث یعنی جماعۃ کے حکم میں ہے، پھر غیر منصرف ہوگا۔ عربی میں «شُکْب» بخشش کے معنی میں ہے۔

"اشکاب" یہ احمد کے والد کا لقب ہے، نام مُجَمّع یا مَعمر یا عبید اللہ ہے۔ احمد بن اِشکاب کوفہ میں پیدا ہوئے؛ اس لیے ان کو کوفی کہا جاتا ہے، اور یمن کے شہر حضر موت میں رہنے کی وجہ سے ان کو حضرمی بھی کہا جاتا ہے۔ بعد میں انھوں نے مصر میں اقامت اختیار کی؛ اس لیے ان کو مصری بھی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میری ان سے آخری ملاقات مصر میں ۲۱۷ ہجری میں ہوئی اور یہی ان کی وفات کا سال بھی ہے۔(فتح الباري ١٣/٥٤٠). حافظ ابن حجر نے ان کو تقریب التہذیب میں ثقہ حافظ لکھا ہے۔

احمد بن اشکاب سے امام بخاری کی آخری ملاقات کے وقت امام بخاری کی عمر ۲۳ سال تھی؛ کیونکہ امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ ہجری میں ہوئی ہے۔

حدثنا محمدُ بنُ فُضيل:

محدثین اختصار کے پیش نظر عموماً "حدثنا" سے پہلے "قال" نہیں لکھتے ہیں؛ لیکن قاری کو چاہئے کہ وہ "قال حدثنا" پڑھے۔(التقريب، للنووي، ص٧٧).

محمد بن فضیل بن غزوان کا تعارف:

محمد بن فضیل بن غزوان (م: ۱۹۵) ثقہ ہیں۔ ابن معین، ابن سعد، عجلی، ابن المدینی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے؛ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بد ظن ہونے کی وجہ سے بہت سے محدثین نے ان کو شیعہ کہا ہے۔ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں «صدوق عارف رمي بالتشيع» لکھا ہے۔ اور عجلی لکھتے ہیں: «ثقة، كان يتشيع».(الثقات، ص٤١١). امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: «هو حسن الحديث، شيعي منحرف».(الوافي بالوفيات ٤/٢٢٨). ابن حبان فرماتے ہیں: «كان يغلو في التشيع». (تهذيب التهذيب ٩/٤٠٥). ابو داود سجستانی فرماتے ہیں: «كان شيعيا، مُتَحَرِّقًا».(سير أعلام النبلاء ٩/١٧٣). امام ذہبی نے لکھا ہے: «صدوق شيعي». (ميزان الاعتدال ٤/٥٩٥). اور دار قطنی فرماتے ہیں: «كان ثبتا في الحديث، إلا أنه كان منحرفًا عن عثمان رضي الله عنه، بلغني أن أباه ضربه من أول الليل إلى آخره ليترحم على عثمان فلم يفعل». (موسوعة أقوال الدارقطني ٢/٦١٥، ط: عالم الكتب، بيروت).

ابن سعد اور یعقوب بن سفیان نے بھی محمد بن فضیل بن غزوان کو شیعہ لکھا ہے۔
(الطبقات الکبری ٦/٣٨٩. إکمال تھذیب الکمال ١٠/٣١٢)

یہاں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ محمد بن فضیل کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے اور متقدمین ومتاخرین کے ہاں شیعیت کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے؛ اس لیے کسی راوی کی روایت کو صرف اس کی طرف شیعیت کی نسبت کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی طرف شیعیت کی نسبت کیوں کی گئی ہے اور اس میں شیعیت کس درجے کی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

شیعیت متقدمین ومتاخرین کے زمانے میں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے پہلے شیعیت کا وجود نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے، یا جمل وصفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، یا جمل وصفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بظاہر مخالف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطا اجتہادی پر سمجھتے تھے، ان کو شیعہ کہا جاتا تھا اور جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے ان کو عثمانی کہا جاتا تھا۔ ابو خیثمہ "التاریخ الکبیر" (۱/۵۸۴) میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (م:۱۰۰ھ) کے بارے میں - جو صفین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے - لکھتے ہیں: «کان شیعیًّا»، اور ابو العباس الاعمی السائب بن فروخ - جو بنی امیہ کی طرف مائل ثقہ وعادل، صحیح بخاری کے راوی ہیں - کے بارے میں لکھتے ہیں: «کان عثمانیًّا».

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں شیعہ شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بالاتفاق فضیلت دیتے تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں شیخین کی شان میں تنقیص شروع کی۔ ابو اسحاق سبیعی (م:۱۲۷ھ) جو اپنے زمانے میں کوفہ کے شیخ تھے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی کی ہے اور ۳۸ صحابہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: «خرجت من الکوفة ولیس أحد یشك في فضل أبي بکر وعمر وتقدیمهما،

وقدِمت الآن وهم يقولون ويقولون، ولا والله ما أدري ما يقولون». (المنتقى من منهاج الاعتدال، ص٣٧٥).

ترجمہ: جب میں کوفہ سے نکلا اس وقت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور ان کو صحابہ پر مقدم ماننے میں کسی کو شک نہیں تھا اور اب جب میں کوفہ واپس آیا تو انہیں عجیب وغریب باتیں کہتا ہوا دیکھ رہا ہوں، اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

لیث بن ابی سلیم (م: ١٤١ھ) جن کا شمار کوفہ کے صلحاء وعلماء میں ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ متقدمین شیعہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے: «أدركت الشيعة الأولى وما يفضلون على أبي بكر وعمر أحدا». (المنتقى من منهاج الاعتدال، ص٣٧٥).

متقدمین کے زمانے میں شیعیت کی طرف منسوب چار طرح کے لوگ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سبائیت سے متاثر لوگوں نے شیعیت کی پناہ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کرنی شروع کی، جس کے نتیجے میں شیعیت کی طرف منسوب چار طرح کے لوگ وجود میں آئے:

١- جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے، یا جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، یا جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو صواب اور مخالف کی رائے کو خطا سمجھتے تھے۔ متقدمین ان کو شیعہ کہتے تھے۔

٢- جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر بھی فضیلت دیتے تھے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بظاہر مخالف صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہتے تھے؛ لیکن ان کی تکفیر نہیں کرتے تھے، متقدمین ان کو غالی شیعہ کہتے تھے۔ اور بعض علماء کبھی انہیں روافض بھی کہہ دیتے تھے۔

٣- جو حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر یا فاسق وفاجر کہتے تھے اور شیخین سے تبری کرتے تھے۔ متقدمین علماء انہیں غالی روافض کہتے تھے۔

۴- اور اگر اس کے ساتھ رجعت کا بھی عقیدہ رکھے تو اس کو شدید غلو فی الرفض کہا جاتا ہے۔

شیعوں کے یہاں عقیدہ رجعت کا خلاصہ یہ ہے کہ مہدی کے غار "سُرَّ مَن رآہ" سے خروج کے بعد ان کے تمام ائمہ اور خلفائے مسلمین حضرت ابو بکر وعمر وغیرہ رضی اللہ عنہم اور خالص مؤمنین یعنی شیعہ اور خالص کفار یعنی اہل سنت وجماعت (ان کے عقیدے کے مطابق) زندہ کئے جائیں گے اور خلفائے مسلمین اور اہل سنت وجماعت کو سزا دی جائے گی۔(تفصیل کے لیے دیکھئے:أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثني العشرية، الفصل الخامس: الرجعة، ص۸۰۵).

حافظ ابن حجر شیعیت اور رافضیت کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«والتشيع محبة عليٍّ وتقديمه على الصحابة، فمن قدمه على أبي بكر وعمر فهو غال في تشيعه، ويطلق عليه رافضي، وإلا فشيعي، فإن انضاف إلى ذلك السبُّ أو التصريحُ بالبغض فغالٍ في الرفض، وإن اعتقد الرجعة إلى الدنيا فأشد في الغلو». (فتح الباري ۱/۴۵۹).

ترجمہ: شیعیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کو صحابہ پر ترجیح دینا ہے، پس جو شخص ان کو ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اپنی شیعیت میں مبالغہ کرنے والا ہے، اور اسے رافضی کہا جاتا ہے، ورنہ وہ شیعہ ہے۔ اور اگر وہ اس کے ساتھ صحابہ کی توہین اوران سے بغض کی صراحت بھی کرتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے۔ اور اگر وہ رجعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلو میں بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

حافظ ابن حجر (م:۸۵۲ھ) دوسری جگہ شیعیت ورافضیت کے اطلاق پر متقدمین ومتاخرین کے درمیان فرق اور شیعہ وروافض کی روایات کے مقبول یا مردود ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «التشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي على عثمان وأن عليًّا كان مصيبًا في حروبه وأن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما، وربما اعتقد بعضُهم أن عليًّا أفضل الخلق بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وإذا كان معتَقِد ذلك وَرِعًا دَيِّنًا صادِقًا مُجتَهِدًا فلا تُرَدُّ روايته

بهذا، لا سِيَّما إن كان غير داعِيَة، وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة». (تهذيب التهذيب ١/٩٤).

ترجمہ: شیعیت متقدمین کے عرف میں تمام صحابہ پر شیخین رضی اللہ عنہما کے مقدم اور سب سے افضل ہونے کے عقیدے کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل تھے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں صواب پر اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ اور کبھی بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، اگر یہ عقیدہ رکھنے والا متقی، دیندار، سچا اور مجتہد ہو تو اس عقیدے کی وجہ سے اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، خاص طور پر اگر وہ اس عقیدے کی دعوت نہ دیتا ہو۔ اور بہر حال شیعیت متاخرین کے عرف میں تو وہ خالص رافضیت ہے؛ اس لیے غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی روایت قبول کرنے میں کوئی خیر ہے۔

حافظ ابن حجر کی عبارت سے واضح ہے کہ متاخرین کے عرف میں جب لفظ شیعہ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد روافض ہوتے ہیں؛ «وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض». وجہ ظاہر ہے کہ متاخرین کے زمانے میں شیعہ شیعہ نہیں رہے؛ بلکہ سب روافض ہو چکے تھے۔

امام ذہبی (م:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: «البدعة على ضربين: فبدعة صغرى كغُلُوِّ التشيُّع، أو كالتشيع بلا غلوٍّ ولا تحرُّفٍ، فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدِّين والوَرَع والصِّدق. فلو رُدَّ حديث هؤلاء لذَهب جملةٌ من الآثار النبوية، وهذه مَفْسَدَةٌ بيِّنةٌ. ثم بَدعةٌ كبرى، كالرَّفض الكامل والغُلُوِّ فيه، والحَطُّ على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، والدعاء إلى ذلك، فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة. وأيضًا فما أستحضر الآن في هذا الضرب رجلا صادِقًا ولا مأمونًا، بل الكذب شِعارهم، والتَّقِيَّةُ والنِّفاق دِثارهم، فكيف يُقبَل نقلُ من هذا حاله! حاشا وكلا. فالشيعي الغالي في زمان السلف وعُرفِهم هو من تكلم في عثمان والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممن حارب عليا رضي الله عنه، وتعرَّض لسبِّهم. والغالي في

زماننا وعرفنا هو الذي يُكفِّر هؤلاء السادة، ويتبرأ من الشيخين أيضًا، فهذا ضالٌّ مُعَثّرٌ». (ميزان الاعتدال ١/٥-٦).

ترجمہ: بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک چھوٹی بدعت، مثلاً شیعیت میں غلو، یا شیعیت بغیر غلو اور بغیر انحراف کے۔ یہ چیز تابعین اور تبع تابعین میں ان کی دینداری، تقویٰ اور سچائی کے باوجود بہت زیادہ ہے۔ اگر ان حضرات کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو احادیثِ نبویہ کا بہت بڑا حصہ ختم ہو جائے گا۔ اور یہ واضح خرابی ہے۔

دوسری بڑی بدعت، مثلاً مکمل رافضیت اور اس میں غلو اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تحقیر کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا۔ اس قسم کے لوگوں کی احادیث قبول نہیں کی جائیں گی اور نہ ہی اس طرح کے لوگوں کی احادیث قبول کرنے میں کوئی خیر ہے۔ نیز مجھے اس زمرے میں اب کوئی سچا یا قابلِ اعتماد آدمی یاد نہیں آتا؛ بلکہ جھوٹ ان کا شعار ہے اور تقیہ و منافقت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ پس جس کا یہ حال ہو اس کی روایت کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ ہر گز نہیں، ہر گز نہیں۔

پس سلف کے زمانے میں اور ان کے عرف میں غالی شیعہ وہ تھا جس نے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں کے بارے میں کلام کیا اور انہیں بُرا بھلا کہا، اور ہمارے زمانے اور ہمارے عرف میں غالی شیعہ وہ ہے جو ان حضرات کو کافر قرار دے اور شیخین سے براءت کا اظہار کرے۔ ایسا شخص گمراہ اور تباہ و برباد ہے۔

امام ذہبی (م:۷۴۸ھ) کی مذکورہ عبارت سے متقدمین شیعہ اور متاخرین شیعہ میں فرق واضح ہو گیا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آج ہمارے زمانے میں یعنی آٹھویں صدی ہجری میں کوئی غالی شیعہ ایسا نہیں جو سچا اور امانت دار ہو، بلکہ جھوٹ ان کی علامت اور تقیہ و نفاق ان کا اُوڑھنا بچھونا ہے۔ امام ذہبی کی تحریر سے بھی واضح ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں کوئی شیعہ شیعہ نہیں تھا، بلکہ سب رافضی ہو چکے تھے۔

کس شیعہ راوی کی روایت قابلِ قبول ہے اور کس کی نہیں؟:

مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی راوی کی روایت کو صرف اس کی طرف شیعیت یا رافضیت کی نسبت کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا ہے؛ بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس راوی کا کس زمانے سے تعلق ہے اور کس وجہ سے اس کو شیعہ یا رافضی کہا گیا ہے۔ اگر اس کے عقیدے کی خرابی کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، تو اس کی روایت مردود ہو گی۔ اور اگر فسق کی حد تک ہے اور وہ شخص ثقہ وصدوق ہے اور اس روایت سے اس کے مذہب کی تائید بھی نہیں ہو رہی ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہو گی۔ علامہ ترکمانی لکھتے ہیں: «والمعتمد في البدعة المفَسِّقة: أن المبتدع إذا لم يكن داعيًا إلى بدعته، وما يرويه لا يقوِّي بدعته، تُقبل روايته...، هذا ما اختاره الحافظ ابن حجر، واستحسنه كثير من متأخري الحنفية، منهم: ابن أمير حاج، ومحمد أكرم السِّندي، والفرهاروي، والمطيعي، والتهانوي». (المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، ص:٥٩، وانظر لتفصيل المراجع: دراسات في أصول الحديث، ص: ١٧٠-١٧١. وانظر لتفصيل الأقوال في قبول رواية المبتدع ورده: نزهة النظر ١/٢٣٢).

ترجمہ: فاسق قرار دینے والی بدعت کے بارے میں قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ مبتدع اگر اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہیں اور نہ ہی اس کی روایت سے اس کی بدعت کی تقویت ہوتی ہے تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر نے اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے، اور بہت سے متاخرین حنفی علماء نے اسے پسند کیا ہے، جن میں: ابن امیر حاج، محمد اکرم سندھی، فرہاروی، مطیعی اور مولانا تھانوی شامل ہیں۔

نیز جس راوی کی روایت صحیح بخاری میں آگئی اس کے متعلق ابوالحسن المقدسی اور ابوالفتح قشیری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ پل پار کر گیا۔ یعنی اگر اس کے متعلق کوئی کلام ہو تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ خصوصاً جبکہ روایت بطور اصل آئی ہو۔(فتح الباري ٣٨٤/١)؛ لیکن یہ قانون کلی نہیں۔

نیز تہذیب التہذیب کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ محمد بن فضیل تشیع سے تائب ہو گئے تھے۔ قال أبو هشام الرفاعي: سمعت ابن فضيل يقول: «رحم الله عثمان، ولا

رحِم من لا يترحَّم عليه»، قال: وسمعته يحلف بالله أنه صاحب سنة، رأيتُ على خفه أثر المسح، وصليتُ خلفه ما لا يحصى. (تهذيب التهذيب ٤٠٦/٩. وكذا في إكمال تهذيب الكمال ٣١٤/١٠).

ترجمہ: ابو ہشام الرفاعی کہتے ہیں: میں نے ابن فضیل کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالی عثمان پر رحم کرے اور اس پر رحم نہ کرے جو عثمان کے لیے دعائے رحمت نہیں کرتا“۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اسے (ہشام رفاعی کو) اللہ کی قسم کھاکر فرماتے ہوئے سنا کہ وہ (ابن فضیل) صاحبِ سنت (سنت پر عمل کرنے والے) ہیں۔ میں نے ان کے موزے پر مسح کا اثر دیکھا اور میں نے ان کے پیچھے اتنی مرتبہ نماز پڑھی ہے جسے شمار نہیں کیا جاسکتا۔

صحیح بخاری کی پہلی اور آخری حدیث غریب ہے:

صحیح بخاری کی یہ آخری حدیث غریب ہے؛ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے والے صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے صرف ابو زرعہ ہیں، اور ابو زرعہ سے روایت کرنے والے صرف عمارہ بن قعقاع ہیں اور ان سے روایت کرنے والے صرف محمد بن فضیل ہیں۔(۱)

اسی طرح صحیح بخاری کی پہلی روایت «إنما الأعمال بالنيات» غریب ہے؛ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو صرف علقمہ نے اور علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم تیمی نے، اور تیمی سے صرف یحیی بن سعید انصاری نے بیان کیا ہے۔(۲)

صحیح بخاری کی ابتدا غریب حدیث سے ہے اور انتہا بھی غریب حدیث پر ہے۔

---

(۱) قال الحافظ ابن حجر: «وجه الغرابة فيه ما ذكرتُه من تفرد محمد بن فضيل، وشيخه، وشيخ شيخه، وصحابيه». (فتح الباري ٥٤٠/١٣).

(۲) نقل الحافظ ابن حجر عن أبي جعفر الطبري أنه قال: «لا يروى عن عمر إلا من رواية علقمة، ولا عن علقمة إلا من رواية محمد بن إبراهيم، ولا عن محمد بن إبراهيم إلا من رواية يحيى بن سعيد». ثم قال الحافظ ابن حجر: «وهو كما قال؛ فإنه إنما اشتهر عن يحيى بن سعيد، وتفرد به من فوقه، وبذلك جزم الترمذي والنسائي والبزار وابن السكن وحمزة بن محمد الكناني، وأطلق الخطابي نفي الخلاف بين أهل الحديث في أنه لا يعرف إلا بهذا الإسناد، وهو كما قال». (فتح الباري ١١/١، ط: دار المعرفة).

پہلی اور آخری حدیث غریب لانے کی حکمت:

علماء نے صحیح بخاری کی پہلی وآخری حدیث کے غریب ہونے کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث: «بدأ الإسلام غريبا، وسيعود كما بدأ غريبا، فطوبى للغرباء». (صحيح مسلم، رقم: ١٤٦) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ اسلام ابتدا میں اجنبی کی طرح تھا اور پھر آخری زمانے میں بھی اجنبی کی طرح ہو جائے گا۔ پس غرباء قابل مبارکباد ہیں۔

غریب میں غربت اور مسافرت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے مسافر یا مسافر کی طرح بننا پڑتا ہے اور ایسے علم میں ہی برکت ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

تَغَرَّب عن الأوطان في طلَب العُلَى ۞ وسافِر ففي الأسفار خَمسُ فوائدِ
تفرُّجُ هَمٍّ واكتِسابُ معيشةٍ ۞ وعِلمٌ وآدابٌ وصحبةُ ماجدِ

(ديوان الإمام الشافعي، قافية الدال. ووردت أيضًا منسوبة لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه، كما في مجاني الأدب في حدائق العرب ٢/٢٤٨).

ترجمہ: مقاصدِ عالیہ کے حصول کے لیے ترکِ وطن اختیار کرو، اور سفر کرو؛ اس لیے کہ سفر میں پانچ فائدے ہیں: پریشانی کا دور ہونا، روزی کا حاصل ہونا، علم وادب کا سیکھنا اور شریفوں کی صحبت حاصل ہونا۔

عن عُمارةَ بن القَعقاع:

صحیح بخاری میں دوسری جگہ "کتاب الأیمان والنذور، حدیث نمبر ٦٦٨٢ پر "حدثنا عمارة بن القعقاع" ہے۔ ویسے بھی عمارہ مدلس نہیں اور غیر مدلس کا عنعنہ سماع پر محمول ہوتا ہے۔(عمدة القاري ٣/٢٥١).

عمارة بن القعقاع بن شُبرمہ الضبی الکوفی (م: ۱۴۰ اتقریبا) ثقہ راوی ہیں۔

عن أبي زُرْعة:

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ البجلی الکوفی ثقہ راوی ہیں۔ ان کے نام کے متعلق

پانچ اقوال: ہرم، عمرو، عبد اللہ، عبد الرحمن، جریر۔ ابو زرعہ نے اپنے دادا جریر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات نقل کی ہے۔(تهذيب التهذيب ۹۹/۱۲).

ابو زرعہ، جریر بن عبد اللہ البجلی کے پوتے ہیں۔ جریر وہ صحابی ہیں جنھوں نے یہ فرمایا کہ «بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والنصح لكل مسلم». (صحيح البخاري، رقم:۵۷).

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت کی۔

ابو زرعہ کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ ایک مرتبہ ابراہیم نخعی نے ابو زرعہ کے حافظے کا امتحان لیا، ابو زرعہ نے سال دو سال کے بعد بھی حدیثیں پہلی مرتبہ کی طرح سنا دیں؛ اس لیے ابراہیم نے عُمارہ سے عرض کیا کہ جب بھی آپ مجھ سے حدیث بیان کریں تو ابو زرعہ سے بیان کریں۔(تهذيب التهذيب ۹۹/۱۲).

یہ ابو زرعہ کوفی ہیں۔ ان کے علاوہ ابو زرعہ دمشقی کا نام عبد الرحمن بن عمرو ہے، اور ابو زرعہ رازی کا نام عبید اللہ بن کریم ہے، اور ابو زرعہ السیبانی[1] الشامی کا نام یحیی بن أبی عمر ہے۔ کذا فی تقریب التہذیب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام: عبد الرحمن بن صخر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے نام کے بارے میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ بعض علماء نے ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں ۲۰ اور ان کے والد کے نام کے بارے میں ۲۵ اقوال ذکر کئے ہیں۔(تهذيب التهذيب ۲۶۲/۱۲. الإصابة، ترجمة أبي هريرة رضي الله عنه).

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمن کے قبیلہ دَوس کے رہنے والے، امام، فقیہ، مجتہد، حافظ، صحابیِ رسول اور پختہ حفاظ کے سردار تھے۔(سير أعلام النبلاء ۵۷۸/۲).

---

(۱) السيباني: بفتح السين المهملة، كما في تقريب التهذيب. نسبة إلى سيبان بطن من حمير.

آپ کا انتقال ۵۹ ہجری میں ہوا۔ نماز جنازہ مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے پڑھائی۔ (الطبقات الكبرى لابن سعد ٣٣٩/٤. التاريخ الكبير ٤٦٥/٦. الثقات لابن حبان ٢٠٣/٥).

آپ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔(سير أعلام النبلاء ٥٦٧/٢).

سنن ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے تھے، اور ایک چھوٹی سی بلی کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے؛ اس لیے لوگوں نے ان کی کنیت ابوہریرہ رکھ دی۔(سنن الترمذي، رقم: ٣٨٤٠).

آپ سے بہت سے صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو یا اس سے بھی متجاوز ہے۔(سير أعلام النبلاء ٥٧٨/٢). **آپ سات ہجری میں فتح خیبر کے سال مسلمان ہوئے۔**(سير أعلام النبلاء ٥٧٨/٢).

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، اور بعض روایات میں ہے کہ چار سال تک۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ چار سال کی روایت زیادہ صحیح ہے؛ اس لیے کہ فتح خیبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کل چال سال ہوتے ہیں۔(سير أعلام النبلاء ٥٨٩/٢-٥٩٠).

لیکن "موسوعۃ فقہ أبي ہریرہ" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سال کے لیے بحرین بھیجا تھا؛ اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ملازمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تین سال رہی۔[1] اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر تین سال والی روایت بھی درست ہو گی۔

---

(١) قال الدكتور محمد رواس قلعه جي: «وإذا كان قدوم أبي هريرة على رسول الله صلى الله عليه وسلم في خيبر سنة سبع للهجرة، وكانت وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في السنة الحادية عشرة من الهجرة، فإن مدة صحبة أبي هريرة لرسول الله صلى الله عليه وسلم تكون أربع سنوات؛ ولكن هذه الفترة لم يقضها كلها في ملازمة رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ لأن الرسول صلوات الله وسلامه عليه قد أرسله إلى البحرين مع العلاء بن الحضرمي[حلية الأولياء٣٨١/١]، ودامت إقامته مع العلاء في البحرين قرابة عام، وبذلك تكون مدة ملازمته للرسول صلى الله عليه وسلم ثلاث سنوات». (موسوعة فقه أبي هريرة، ص٩، ط: دار النفائس).

دونوں روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کا کل زمانہ چار سال ہے۔ اور ان چار سالوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی استفادہ بھی کیا؛ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملازمت کی مدت صرف تین سال ہے۔ نیز تین سال والی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔[1] اور روایت کے ظاہری الفاظ سے بھی پتا چلتا ہے کہ تین سال سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملازمت کے تین سال ہیں۔

حدیثِ رسول سننے اور اسے محفوظ کرنے کا بے مثال شوق اور کثرتِ روایات کی وجوہات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے اور حدیث رسول سننے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے اعمال وافعال دیکھنے اور سمجھنے کی خاطر ہر طرح کی مشغولیت سے اپنے آپ کو بے نیاز کر رکھا تھا۔ حتی کہ آپ کے حدیثِ رسول کے حریص ہونے کی گواہی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی دی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ قیامت کے روز آپ کی شفاعت کی سب سے زیادہ سعادت کسے حاصل ہو گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ !حدیث کے متعلق آپ کے بے حد

---

(۱) قال إسماعيل، أخبرني قيس، قال: أتينا أبا هريرة رضي الله عنه، فقال: «صحِبتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين لم أكن في سِنِيَّ أحرَصَ على أن أَعِيَ الحديثَ مِني فيهن». (صحيح البخاري، رقم:۳۵۹۱).

وفي مسند الإمام أحمد: قال أبو هريرة: «صحبتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين، ما كنت سَنواتٍ قَطُّ أعقَلَ مني فيهن، ولا أَحَبَّ إِلَيَّ أنْ أَعِيَ ما يقول رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فيهن». (مسند الإمام أحمد، رقم: ۱۰۱۵۰).

شوق کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ آپ سے پہلے مجھ سے کوئی اس حدیث کے متعلق سوال نہیں کرے گا۔ قیامت کے روز میری شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا وہ شخص ہو گا جس نے سچے دل سے "لا إلہ إلا اللہ" کہا ہو گا۔(صحيح البخاري، رقم: ٩٩).

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے ابو ہریرہ! یہ احادیث کیا ہیں جن کے متعلق ہمیں اطلاع مل رہی ہے کہ آپ ان احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کچھ نہیں سنا جو ہم نے سنا، اور آپ نے وہی کچھ نہیں دیکھا جو ہم نے دیکھا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ہماری اماں! آپ کو آئینہ، سرمہ دانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بناؤ وسنگار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے مشغول کیا کرتا تھا، اور اللہ کی قسم مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی تھی۔(المستدرك للحاكم، رقم:٦١٦٠، وقال الحاكم: صحيح الإسناد. ووافقه الذهبي).

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں فرمایا: جی ہاں، مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئینہ مشغول نہیں کرتا تھا اور نہ سرمہ دانی اور نہ تیل۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: شاید ایسا ہی تھا۔(سير أعلام النبلاء ٦٠٤/٢. وجوَّد إسناده الحافظ ابن حجر في الإصابة ٣٥٨/٧).

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے، ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنیں۔
(سنن الترمذي، رقم:٣٨٣٧. وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب. والمستدرك للحاكم، رقم: ٦١٧٢، وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين. وقال الذهبي: على شرط مسلم).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی دو بوریاں محفوظ کی ہیں، ایک کو تو میں نے پھیلا دیا، اگر دوسری کو پھیلا دوں تو لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔(صحيح البخاري، رقم: ١٢).

شاید دوسرے علوم سے مراد علاماتِ قیامت اور فتن کی احادیث کی تشریح ہوگی؛ اس لیے کہ احکام شریعت اور احادیث کو چھپانا جائز نہیں، یا بعض احادیث کو عوام سے چھپانا اور خواص کے سامنے بیان کرنا بھی درست اور مصلحت ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے۔ سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننا تھا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فقاہت حاصل کی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جی بھر کر رہتے۔(البداية والنهاية ۱۰٤/۸، ط: دار الفكر).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود اپنے کثرت سے احادیث بیان کرنے کی وجہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بازار کی خرید وفرخت میں لگے رہتے اور انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے اور ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جی بھر کر رہتا اور ان مجلسوں میں بھی حاضر رہتا جن مجلسوں میں دوسرے حاضر نہ ہوتے اور وہ باتیں بھی محفوظ رکھتا جو دوسرے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔(صحيح البخاري، رقم: ۱۱۸).

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی چادر بچھا دو۔ میں نے بچھا دی۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی چلو بنائی اور میری چادر میں ڈال دی۔ فرمایا کہ چادر کو لپیٹ لو۔ میں نے چادر کو اپنے بدن پر لپیٹ لیا۔ پھر اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔(صحيح البخاري، رقم: ۱۱۹).

---

(۱) قال الذهبي: «قلت: هذا دالٌّ على جواز كتمان بعض الأحاديث التي تُحرِّك فتنةً في الأصول أو الفروع، أو المدْح والذم، أما حديث يتعلق بحِل أو حرام فلا يحِل كِتمانه بوجهٍ، فإنه من البينات والهدى. وفي صحيح البخاري: قول علي رضي الله عنه: «حدثوا الناس بما يعرِفون، ودعوا ما يُنكِرون، أتحبُّون أن يُكذَّب اللهُ ورسولُه». وكذا لو بثَّ أبو هريرة ذلك الوِعاء، لأُوذِيَ، بل لقُتِل». (سير أعلام النبلاء ۵۹٦/۲).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علم سے متعلق ایک انوکھی دعا اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا آمین کہنا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ ابو ہریرہ کے ساتھ لگ جاؤ۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ایک مرتبہ میں، ابو ہریرہ اور فلاں شخص مسجد میں اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے۔ ہم خاموش ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کام تم کر رہے تھے اسے جاری رکھو۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی نے ابو ہریرہ سے پہلے دعا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمین کہتے رہے۔ پھر ابو ہریرہ نے دعا کی: ''اللہ میں آپ سے وہ مانگتا ہوں جو میرے ان دو ساتھیوں نے مانگا اور میں آپ سے نہ بھولنے والا علم مانگتا ہوں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین کہی۔ ہم نے کہا: ''ہم بھی اللہ تعالی سے ایسا علم مانگتے ہیں جو نہ بھولے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبیلہ دوس کا نوجوان اس سوال کرنے میں تم سے سبقت لے گیا۔(المستدرك للحاكم، رقم: ٦١٥٨. وقال الحاكم: صحيح الإسناد).

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا فرمانا:

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کچھ کھجوریں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اس میں برکت کی دعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو ہاتھ میں لیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کھجوروں کو کھاتے رہے، پھر بھی یہ کھجوریں ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانے تک باقی رہیں۔ شہادت عثمان کے موقعہ پر کھجوروں کی یہ تھیلی غائب ہو گئی۔(سنن الترمذي، رقم: ٣٨٣٩. وتهذيب الكمال ٢٨/٥٨١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی خود انہیں کی زبانی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے حالات ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں کہ میں یتیمی کی حالت میں بڑا ہوا، میں نے محتاجی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

ہجرت کی، میں صرف پیٹ کی روٹی اور باری باری اونٹ پر چڑھنے کے عوض غزوان کی بیٹی کا نوکر تھا، میں لوگوں کے لیے لکڑیاں چنتا تھا جب وہ اترتے، اور جانوروں کو گا کر چلاتا جب وہ سوار ہوتے۔ تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے دین کو مضبوط کیا اورابو ہریرہ کو امام بنایا۔(سنن ابن ماجه، رقم:٢٤٤٥).

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بُسری بنت غزوان کے نوکر تھے، اور پھر اسی سے ان کا نکاح ہوا۔ (صحيح ابن حبان، رقم: ٧١٥٠، وإسناده صحيح).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر اہتمام کے ساتھ عمل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وصیتیں فرمائی ہیں، میں مرتے دم تے انھیں نہیں چھوڑوں گا: ۱- ہر مہینے تین روزے۔ ۲- چاشت کی نماز۔ ۳- سونے سے پہلے وتر۔ (صحيح البخاري، رقم: ١١٧٨).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی والدہ کی خدمت اور حسن سلوک:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کو یمن سے مدینہ منورہ لے آئے، جبکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ (موسوعة فقه أبي هريرة، للدكتور محمد رواس قلعه جي، ص١٩، ط: دار النفائس).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: «رحم الله رجلا استغفر لأبي هريرة و لأمّه». اور چونکہ ان کے والد کا انتقال کفر کی حالت میں ہوا تھا؛ اس لیے اپنے والد کو مغفرت کی دعا میں شامل نہیں کرتے تھے۔(تفسير ابن كثير ٤/٢٢٥).

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ بھوک کی شدت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو دو کھجوریں دیں اور فرمایا: یہ دو کھجوریں کھا کر پانی پی لو، یہ آج کے دن کے لیے تمہارے لیے کافی ہوں گی۔ سب نے دونوں کھجوریں کھالیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک کھائی اور دوسری

اپنی گود میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ آپ نے یہ کھجور کیوں اٹھا کر رکھ لی؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ میں نے اسے اپنی والدہ کے لیے اٹھا کر رکھ لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ آپ اسے کھا لیں، ہم آپ کی والدہ کے لیے بھی دو کھجوریں دیدیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے وہ کھجور کھالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ کے لیے بھی دو کھجور دے دی۔ (الطبقات الكبرى لابن سعد ٤/٣٢٨، ط: دار صادر).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی خدمت میں لگے رہے اور والدہ کی خدمت کی وجہ سے ان کی زندگی میں نفلی حج نہیں کیا۔(شرح السنة للبغوي ١٠/٣٧٩).

ابتدائی دور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقر وفاقے سے متعلق چند روایات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی بھوک کی وجہ میں زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا، میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں راستے میں بیٹھ گیا جس سے صحابہ نکلتے تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ گزرے اور میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے کچھ کھلا دیں، وہ چلے گئے اور کچھ نہیں کیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے کھلا دیں، وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہیں کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے پر بھوک کے آثار کو محسوس کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ابا ہر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: میرے ساتھ آجاؤ اور آپ چلنے لگے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے، پھر اجازت چاہی، مجھے اجازت ملی پھر داخل ہوئے تو ایک پیالے میں دودھ ملا، دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کہا کہ فلاں یا فلانی نے آپ کے لیے

ہدیہ بھیجا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا: اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں، وہ نہ کسی کے گھر پناہ ڈھونڈھتے، نہ کسی کے مال میں اور نہ کسی کے پاس، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ آتا تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے اپنے لیے نہیں رکھتے؛ البتہ جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی اس سے تناول فرماتے اور انہیں بھی شریک کرتے؛ چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو جائے گا، اس کا تو حقدار میں تھا، اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا، جب اہل صفہ آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ ہی سے فرمائیں گے اور میں انہیں اسے دے دوں گا مجھے تو شاید اس میں سے کچھ نہیں ملے گا؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا کوئی اور چارہ کار بھی نہیں تھا؛ چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچائی، وہ آگئے اور اجازت چاہی، انہیں اجازت مل گئی پھر وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا: لو اور ان سب حضرات کو دو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا، ایک شخص جب دودھ پی کر سیراب ہو جاتا تو مجھے واپس کر دیتا اور اس طرح دوسرا و تیسرا پی کر جب سیراب ہو جاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا، اس طرح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سب لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالا پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر آپ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور پیو، میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے کہ اور پیو آخر مجھے کہنا پڑا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب گنجائش نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے دیدو۔ میں نے پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا خود نوش فرمایا۔(صحيح البخاري، رقم:٦٤٥٢).

وسعت کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کتان کے کپڑے سے ناک صاف کی اور کہنے لگے کیا خوب ہے! ابوہریرہ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے؛ حالانکہ میں نے اپنے آپ کو اس حال میں پایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور گزرنے والا میری گردن پر اس خیال سے پاؤں رکھتا تھا کہ میں آسیب زدہ ہو گیا ہوں؛ حالانکہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ صرف بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوتی تھی۔ (صحيح البخاري، رقم:٧٣٢٤).

کوئی مؤمن ایسا نہیں جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنا یا دیکھا ہو اور وہ ان سے محبت نہ کرتا ہو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتا تھا، وہ مشرک تھی۔ ایک دن میں نے اُن سے مسلمان ہونے کے لیے کہا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مجھے وہ بات سنائی جو مجھ کو ناگوار گزری۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتا ہوا آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ میں اپنی والدہ کو اسلام کی طرف بلاتا تھا، وہ نہ مانتی تھی، آج اُس نے آپ کے حق میں وہ بات مجھ کو سنائی جو مجھے ناگوار ہے، آپ اللہ تعالی سے دعا کیجئے کہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرمادے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما دیجئے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خوش ہو کر نکلا، جب میں گھر آیا اور دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آواز سنی اور بولی ذرا ٹھہرو۔ میں نے پانی کے گرنے کی آواز سنی۔ غرض میری ماں نے غسل کیا اور اپنا کرتا پہنا اور جلدی سے اوڑھنی اوڑھی پھر دروازہ کھولا اور بولی

اے ابو ہریرہ! میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خوشی سے روتا ہوا آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ خوش ہو جایئے اللہ تعالی نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرمادی۔ آپ نے اللہ تعالی کی حمد وثنا کی اور بہتر بات کہی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالی سے دعا کیجئے کہ میری اور میری ماں کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے اور اُن کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اپنے اس بندے یعنی ابو ہریرہ اور ان کی ماں کی محبت اپنے مؤمن بندوں کے دلوں میں ڈال دیجئے اور مؤمنوں کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دیجئے۔ پھر کوئی مؤمن ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے مجھے سنا ہو یا دیکھا ہو اور اس نے مجھ سے محبت نہ کی ہو۔ (صحيح مسلم، رقم: ٢٤٩١).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ عبادت کا اہتمام:

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے گھر سات دن مہمان رہا، حضرت ابو ہریرہ، ان کی بیوی اور ان کے خادم نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک تہجد پڑھتا، پھر وہ دوسرے کو بیدار کر دیتا۔ پھر یہ بیدار ہونے والا تہجد پڑھتا، پھر وہ تیسرے کو بیدار کر دیتا۔(صحيح البخاري، رقم: ٥٤٤١).

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ بارہ ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے۔(سير أعلام النبلاء ٢/٦١٠).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب تراجم کی طرف رجوع فرمائیں۔

متنِ حدیث کی تشریح

«كَلِمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللِّسان، ثقيلتان في الميزان: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم».

ترجمہ: دو کلمے بہت رحم کرنے والے (اللہ) کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں، لیکن (قیامت کے روز) ترازو میں بہت بھاری ہوں گے، (اور وہ یہ ہیں:) «سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم».

«كَلِمتان حبيبتان إلى الرحمن»:

یہاں «كَلِمتان» سے مراد دو الفاظ نہیں؛ بلکہ دو جملے ہیں، جیسا کہ کلمہ اخلاص سے «لا إله إلا الله محمد رسول الله» پورا جملہ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمہ شہادت سے «أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله» پورا جملہ مراد ہوتا ہے۔ (فتح الباري ١٣/٥٤٠).

«حبيبتان» حبيبة کا تثنیہ اور فعيلة کے وزن پر ہے۔ فعيلة فاعل اور مفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی ایک معنی کی تعیین سیاق وسباق سے کی جاتی ہے۔ یہاں مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ دونوں کلمے اور ان دونوں کلموں کو پڑھنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔ (إرشاد الساري ١٠/٤٨٢).

اس پر اشکال ہے کہ وزن فعیل جب مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے بغیر تاء کے آتا ہے جیسے «رجل قتيل» اور «امرأة قتيل» دونوں مقتول کے معنی میں ہیں۔

اس کے متعدد جوابات ہیں: ١- یہ قانون وجوبی نہیں۔ ٢- خفيفتان کی موافقت اور

مشاکلت کی وجہ سے تاء آئی۔ ۳- یہ قانون مفرد میں بعض علماء کے ہاں لازم العمل ہے تثنیہ میں نہیں۔ ۴- تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے، جیسے «ميتة» میں تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے کہ یہ غیر مذبوح مردار جانور کو کہتے ہیں۔ ۵- جب کوئی چیز واقع نہ ہوئی ہو تو وزن فعیل میں تاء آتی ہے جیسے یہاں محبوبیت کا ظہور نہیں ہوا، اور جب وہ کام ہو جائے پھر تاء نہیں آتی جیسے بکری اگر اب تک ذبح نہیں ہوئی تو خذ ذبيحتك آتا ہے اور جب ذبح ہو جائے تو خذ ذبيحك آتا ہے۔(فتح الباري ١٣/٥٤٠).

الرحمن:

رحمن کے معنی: بہت زیادہ رحمت والا، یا بے مثل رحمت والا، یا سب پر رحم کرنے والا۔ (معاني القرآن، للزجاج ٤/٧٣. وزاد المسير ١/١٦).

«الرحمن» فعْلان کے وزن پر ہے۔ جس میں مبالغہ یعنی زیادہ ہونے کا معنی ہوتا ہے۔ جیسے: غَضْبان: بہت زیادہ غصے والا۔ سکْران: بہت زیادہ نشے والا۔(الكشاف، الفاتحة).

«رحمن» فعْلان کے وزن پر ہے، اور فَعْلان کے غیر منصرف ہونے کے لیے شرط ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلانة کے وزن پر نہ ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَى کے وزن پر ہو؛ اس لیے کہ جس فَعْلان کی مؤنث فَعْلَى کے وزن پر آتی ہے اس کی مؤنث فَعْلانة کے وزن پر نہیں آتی ہے۔ اور «الرحمن» اللہ تعالی کے اسمائے مخصوصہ میں سے ہے؛ اس لیے اس کی مؤنث ہو ہی نہیں سکتی نہ فَعْلانة کے وزن پر اور نہ فَعْلَى کے وزن پر؛ اس لیے رحمن کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔ جنھوں نے انتفاء فعلانة کی شرط لگائی ہے ان کے نزدیک غیر منصرف ہے، اور جنھوں نے وجودِ فَعْلَى کی شرط لگائی ہے ان کے نزدیک منصرف ہے۔(کافیہ، ص۱۱۔ شرح جامی مع سراج المعانی، ص۱۷-۱۹، ط: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اسماء میں اصل منصرف ہونا ہے[1]؛ اس لیے منصرف ہوگا۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فعْلان کے وزن پر آنے والے الفاظ اکثر

(١) الأشباه والنظائر في النحو، للسيوطي ١/٤١، ط: دار الكتب العلمية.

غیر منصرف ہوتے ہیں؛ اس لیے غیر منصرف ہوگا۔ قاضی بیضاوی نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔(تفسير البضاوي مع حاشية الشهاب ١/١١٠-١١٢، ط: دار الكتب العلمية)

رحمن اور رحیم میں فرق:

۱- رحمن: عام الرحمۃ، اور رحیم کامل الرحمۃ؛ اس لیے کہ رحمن والی رحمت مومن وکافر سب کو شامل ہے اور رحیم والی رحمت صرف مؤمنین کے لیے آخرت میں ہوگی۔ ﴿وَكَانَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (الأحزاب: ٤٣)

۲- رحمن بجلائل النعم، ورحيم بدقائق النعم. یعنی بڑی بڑی نعمتوں کا دینے والا رحمن ہے اور چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا دینے والا رحیم ہے۔

۳- الرحمن معطي النعم، والرحيمُ دافعُ النِّقم.

۴- رحمن کے وزن میں کثرت، تکرار اور سرعت زوال ہے، جیسے: سکران اور غضبان میں نشہ اور غصہ کچھ دیر کے بعد زائل ہو جاتے ہیں، اور رحیم کے معنی میں دوام ہے؛ اس لیے رحمن کا تعلق دنیا سے ہے جو سریع الزوال ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے جو دائمی ہے۔

۵- رحمن میں رحیم کے مقابلے میں مبالغہ زیادہ ہے؛ اس لیے کہ حروف کی زیادتی معانی کی کثرت پر دال ہے، رحمن میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار۔

۶- چونکہ رحمن کے معنی میں کثرت، تکرار اور شمولیت پائی جاتی ہے؛ اس لیے رحمن اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، رحیم کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔

الرحمن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں:

الرحمن ان اسماء میں سے ہے، جو اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں، غیر اللہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: «واسمه تعالى الرحمن خاص به لم يسم به غيره، كما قال تعالى: ﴿قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱللَّهَ أَوِ ٱدْعُوا۟ ٱلرَّحْمَٰنَ﴾ (الإسراء: ١١٠). وقال

تعالی: ﴿ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رُّسُلِنَآ أَجَعَلۡنَا مِن دُونِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ءَالِهَةٗ يُعۡبَدُونَ ﴾ (الزخرف: ٤٥). (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۶)

ترجمہ: اور اللہ تعالی کا نام "الرحمٰن" یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کسی دوسرے کا نام نہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: " آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو"۔اور اللہ تعالی فرماتے ہیں: "اور ان سے پوچھ لو آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے کیا انھوں نے رحمٰن کے سوا کسی کو معبود کہا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے"۔

اشکال ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے شاعر نے اس کے لیے رحمن کا لفظ استعمال کیا:

سَمَوتَ بِالْمَجْدِ يا ابنَ الأكرَمَين أبًا ❁ وأنتَ غَيثُ الورَى لا زلتَ رَحمانا

(غذاء الألباب، ص ۱۰).

ترجمہ: آپ بزرگی کے ساتھ بلند ہوگئے اے معزز والدین کے بیٹے، آپ مخلوق کے لیے بارش ہیں اور ہمیشہ کے لیے رحمن ہیں۔

اس اشکال کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں، مثلاً:

۱- علامہ زمخشری، علامہ آلوسی، ابن عاشور اور ابن عابدین شامی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بعض شعراء کا مسیلمہ کذاب کے لیے لفظ رحمن کا استعمال تعنُّت اور تعصُّب کی وجہ سے تھا۔

(الكشاف، الفاتحة: ۱. روح المعاني ۱/۵۹، مباحث في البسملة. التحرير والتنوير لابن عاشور ۱/۱۷۲. مقدمة رد المحتار ۱/۷)

لیکن ملا علی قاری اور تاج الدین سبکی نے اس جواب کو غیر صحیح کہا ہے۔ (ضوء المعالی، ص ۴۶۔ رد المحتار ۱/۷)

۲- ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ لفظ رحمن اس شعر میں مصدر ہے نہ کہ صفت مشبہ اور مطلب یہ ہے کہ تو رحمت والا ہے۔ (روح المعاني ۱/۵۹، مباحث في البسملة)

۳- ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ بعض شعراء کا مسیلمہ کے بارے میں لفظ رحمن کا استعمال شاذ ہے؛ اس لیے قابل التفات نہیں۔ (الدر المصون في علوم الكتاب المكنون ۱/۳۴)

۴- مشہور لغوی و ادیب اعلم شنتمری (م: ۴۷۶) اور حافظ ابن کثیر کا خیال ہے کہ لفظ رحمن معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے۔ (مقدمۃ رد المحتار ۱/۷۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۲۶)

۵- ملا علی قاری اور علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو خاص ہے وہ معرف

باللام ہے اور الف لام کے بغیر اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔(ضوء المعالي، ص۸۵. وانظر درج المعالي، ص۵۹۔ مقدمۃ رد المحتار ۱/ ۷۔ ومثلہ في روح المعاني ۱/ ۶۳، مباحث في البسملۃ)

پشتو کے مشہور شاعر عبد الرحمن بابا جو شاعری کے ساتھ ساتھ ولی اللہ بھی تھے اور تین سو سال کے بعد جب حکومت ان کی قبر بنوا رہی تھی اور اس کے اطراف کی کھدائی کی گئی تو ان کا بدن صحیح سالم کھدر کے کفن میں ملبوس ظاہر ہوا۔ مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ انھوں نے اپنا تخلص رحمن رکھا تھا، انھوں نے شاید اِس قول یعنی بغیر الف لام کے جواز کو اختیار کیا ہوگا، وہ فرماتے ہیں:

دریا خرقہ ئے رب نہ کہ پہ غاڑہ ❁ رحمن کوگ دستار تڑلے قلندر دے

رحمن نے کج دستار سر پر باندھی ہے، وہ ایک قلندر اور درویش ہے، ریاکاری کا جُبّہ رب کائنات اس کے گلے میں نہ ڈالے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

زہ رحمن ئے تاج گنڑم دیار دلاسہ ❁ کہ مِ پنڈ پہ سر د جور و ستم کڑی

اگر محبوب رحمن کے سر پر جور و ستم کی گٹھری رکھے تو میں (رحمن) اس کو محبوب کے ہاتھ سے تاج سمجھتا ہوں۔

اس سلسلے میں پشتو کے مشہور دو شاعروں میں بھی اختلاف ہے؛ عبد الرحمن بابا ”رحمن“ کا لفظ اپنے لیے بے دریغ استعمال کرتے ہیں اور خوشحال خٹک اس کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ عبد الرحمن بابا کہتے ہیں:

خوشحال خان او غلام خان م غلامان دی ❁ زہ رحمن پہ پختو جبہ عالمگیریم

خوشحال بابا اور ان کے صاحبزادے غلام خان میرے غلام ہیں، میں رحمن پشتو زبان کا عالمگیر شاعر ہوں۔

خوشحال خان فرماتے ہیں:

رحمن لفظ زان تہ وائی مشرکی دہ ❁ لکہ ساسکے خان تہ وائی چہ بہیریم

اپنے آپ کو رحمن کہنا شرک ہے اور یہ ایسا ہے جیسے قطرہ اپنے آپ کو دریا کہدے۔

لفظ ''رحمن'' لانے کی حکمت:

اس حدیث کا مقصود اللہ تعالی کی اپنے بندوں پر وسیع رحمت کو بیان کرنا ہے کہ وہ تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے؛ اس لیے اسمائے حسنی میں سے ''الرحمن'' کو ذکر فرمایا۔ (إرشاد الساري ۹/۲۳۰)، جیسا کہ قرآن کریم میں آیت کے مضمون کی مناسبت سے اس کے آخر میں ایک یا متعدد اسمائے حسنی کو ذکر کیا گیا ہے۔[1] نیز لفظ الرحمن لانے میں سجع کی بھی رعایت ہے جو کہ محاسنِ کلام میں سے ہے۔ اور جس سجع سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ سجع ہے جس میں تکلف ہو، جیسے کاہنوں کی مسجع باتیں جو باطل کلام پر مشتمل ہوتی ہیں۔ (عمدة القاري ۲۳/۲٦).

نیز یہاں اسلوب بدیع میں سے خفیفة اور ثقیلة دو متضاد اوصاف کا مقابلہ ہے، جسے ''طباق'' کہا جاتا ہے۔ (منحة الباري بشرح صحيح البخاري، المسمى: تحفة الباري، لشيخ الإسلام زكريا الأنصاري ۱۰/٤٤۳).

«خفيفتان على اللِّسان»:

«خفيفتان» خفيفة کا تثنیہ ہے۔ فعيلة کے وزن پر، فاعل کے معنی میں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس جملے میں ان دونوں کلمات کے حروف کے تھوڑے ہونے اور اور ان کی عمدگی کی طرف اشارہ ہے۔ (فتح الباري ۱۳/٥٤۰-٥٤۱).

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ ان کلمات کو اپنے حروف کی نرماہٹ اور ادائیگی کی سہولت کی بنا پر خفیف کہا گیا ہے۔ ان کلمات کا بولنا آسان ہے؛ اس لیے کہ ان میں حروف شدت میں سے صرف حرف باء ہے، اور حروف استعلاء میں سے صرف ایک حرف ظاء ہے، اور حروف ثقیلہ میں سے کوئی بھی حرف نہیں۔ پھر اسماء کے مقابلے میں افعال زیادہ ثقیل ہوتے ہیں اور ان دونوں کلمات میں کوئی بھی فعل نہیں۔ پھر اسماء میں بعض ثقیل ہوتے ہیں جیسے غیر منصرف، وہ بھی اس میں نہیں۔ پھر حروف لین (الف، واو، یاء) تینوں ان میں موجود

---

(۱) قَالَ تَعَالَى: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَٱسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر: ۳) وقَالَ تَعَالَى: ﴿وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المزمل: ۲۰)

ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کلمات میں آسان اور سہل حروف کی تعداد دوسرے حروف کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ (إرشاد الساري ۱۰/۴۸۳).

«ثقيلتان في الميزان»:

«ثقيلتان» ثقيلة کا تثنیہ ہے،فعيلة کے وزن پر، فاعل کے معنیٰ میں۔یعنی یہ دونوں جملے قیامت کے روز میزان میں بہت بھاری ہوں گے۔ اور امام بخاری کا ترجمۃ الباب بھی یہی ہے کہ "بنی آدم کے اعمال واقوال کو قیامت روز تولا جائے گا"۔اچھے اعمال واقوال پر انعام واکرام سے نوزا جائے گا اور بُرے اعمال واقوال پر وہ سزا کا مستحق ہو گا۔

«سبحان الله وبحمده» کی ترکیب:

«سبحان الله وبحمده» إلی آخرہ مبتدا موَخر ہے۔اور «كلمتان» إلی آخرہ خبر مقدم ہے۔ خبر کو مع اس کے اوصاف کے مبتدا پر مقدم کیا تاکہ سامع میں مبتدا کے جاننے کا شوق پیدا ہو جائے۔

یہاں خبر کے تین اوصاف ذکر کیے گئے ہیں: ۱- یہ دونوں کلمات اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔ ۲- زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ ۳- میزان میں بہت بھاری ہوں گے۔ان تین اوصاف کو سننے کے بعد سامع میں ان کلمات کو سننے کا ذوق وشوق اور تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔(فتح الباري ۱۳/۵۴۰)

جیسے شاعر کہتا ہے:

ثلاثةٌ تُشرِقُ الدُّنيا ببَهجَتِها ۞ شمس الضُّحى وأبو إسحاقَ والقمرُ

ثلاثةٌ إلی آخرہ خبرِ مقدم،اور شمس الضُّحى إلی آخرہ مبتدا موخر ہے۔

بعض محققین نے «كلمتان حبيبتان» إلی آخرہ کو مبتدا،اور «سبحان الله» إلی آخرہ کو خبر لکھا ہے؛اس لیے کہ خبر محلِ فائدہ ہوتی ہے اور وہ سبحان اللہ والحمد للہ کا پڑھنا ہے۔

«سبحان الله وبحمده» میں واو یا عطف کے لیے ہے اور بحمدہ میں باء سبب کے لیے ہے، پھر تقدیر یہ ہوگی:أُسبِّح الله تسبيحًا وأحمَد الله بسبب حمدِ الله تعالى ذاتَه،یاواو

ملابست یعنی الصاق اور اشتغال کے لیے ہے، تو تقدیر یہ ہوگی: أُسبِّح الله تسبيحًا وأَشتغِل بحمدِه، یا واو حالیہ ہے، پھر تقدیر یہ ہوگی: أُسبِّحُ الله تسبيحًا وقد اشتغَلتُ بحمدِه یا وأَشتَغِل بحمدِه.

سبحان اللہ کے معنی، اور تسبیح کو تحمید پر مقدم کرنے کی وجہ:

«سبحان الله» تنزیہ ہے، اس لیے وہ تحمید پر مقدم ہے، جیسے دھوبی پہلے کپڑا دھوتا ہے پھر رنگتا ہے۔ اور سبحان اللہ کو مکرر لانے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تنزیہ میں کوتاہی کرتے ہیں اور غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگتے ہیں اور غیر اللہ کو مستعان سمجھنے میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یا تاکیداً ہے، جیسے: ﴿لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

یا اللہ تعالی کا عیوب سے پاک ہونا مدرک بالعقل ہے اور مدرک بالعقل میں دلچسپی ہوتی ہے؛ اس لیے مکرر آیا اور «بحمدِه» میں اللہ تعالی کے کمالات کی طرف اشارہ ہے، جن تک ہماری ناقص عقل نہیں پہنچ سکتی تو غیر مکرر آیا۔

«سبحان الله» میں صفات سلبیہ اور «بحمدِه» میں صفات ایجابیہ کی طرف اشارہ ہے۔ نیز «سبحان الله» میں صفات جلالیہ اور «بحمدِه» صفات جمالیہ کی طرف اشارہ ہے۔

«سبحان الله» کے معنی: اللہ تعالی کو ہر اس چیز سے پاک قرار دینا جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ خصوصاً شرک سے اور عیوب سے اللہ تعالی کو پاک قرار دینا۔ مجالس الابرار میں علامہ احمد رومی نے شرک کی چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) شرک استقلال: جیسے مجوس دو خدا مانتے ہیں، خالق الخیر کو یزدان اور خالق الشر کو اہرمن کہتے ہیں۔

(۲) شرک تبعیض یا شرک تثلیث: جیسے مسیحی لوگ تین آلہہ کے قائل ہیں: ۱-اللہ تعالی، ۲-حضرت عیسی علیہ السلام، ۳-روح القدس یا حضرت مریم۔

(۳) شرک تقریب: غیر اللہ کو معبود بنا کر اللہ تعالی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھنا، جیسا کہ مشرکین کہتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ﴾ (الزمر: ۳)

(۴) شرک تقلید: باپ دادا کی تابعداری میں شرک کو اچھا سمجھنا؛ ﴿بَلْ قَالُوٓاْ إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهْتَدُونَ﴾ (الزخرف: ۲۲)

(۵) شرک اسباب: اللہ تعالی کے بنائے ہوئے اسباب کو مؤثر بالذات سمجھنا اور ان کے پیچھے اللہ تعالی کی قدرت کو کار فرمانہ سمجھنا۔

(٦) شرک اغراض: جو لوگ غیر اللہ کو معبود نہیں سمجھتے؛ لیکن مقصود سمجھتے ہیں۔ اس کو شرک اصغر کہتے ہیں۔ ریاکاری شرک اصغر ہے۔قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَمَن كَانَ يَرْجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًا﴾ (الكهف: ۱۱۰)

سبحان مصدر ہے یا اسم مصدر؟:

بعض حضرات کہتے ہیں سبحان اسم مصدر ہے؛ کیونکہ سبَّح باب تفعیل سے ہے جس کا لام کلمہ حرف صحیح ہے حرف علت نہیں اور اس باب تفعیل کا مصدر ''تفعیل'' یا ''فعالًا'' کے وزن پر آتا ہے جیسے کلَّم یکلِّم تکلیمًا وکلامًا یا سلَّم یسلِّم تسلیمًا وسلامًا اور سبحان نہ تفعیل کے وزن پر ہے اور نہ فعالًا کے وزن پر ہے؛ اس لیے یہ اسم مصدر ہے یعنی مصدر کے معنی میں ہے۔ اگر یہ مصدر ہو تو مجرد سبَح یسبَح سے ہوگا اور سبحانًا اس کا مصدر ہوگا اور مجرد باب تفعیل کے معنی میں ہوگا۔ یہ توجیہ بعید ہے۔

اور بعض حضرات نے سبحان کو مصدر، اور بعض نے علَم مصدر کہا ہے۔(اس پر اشکال وجواب کی تفصیل کے لیے دیکھئے: اسعاد الفہوم فی حل سلم العلوم، ص۳)

پھر ''سبحان'' جب مضاف ہو جیسے «سبحان الله» اور «سبحانك» تو یہ مفعول مطلق منصوب ہے اور منصرف ہے؛ کیونکہ اس میں صرف الف اور نون مزید تین ہیں۔ دوسرا سبب موجود نہیں۔ اور اگر کسی جگہ غیر منصرف آجائے تو پھر اس کو علم مصدر سمجھا جائے اور علمیت اور الف نون مزید تین کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، جیسے اعشی کا شعر ہے:

أقول لَمَّا جاءني فَخرُه ۞ سبحانَ مِن عَلْقَمَةَ الفاخِرِ

(صبح الأعشى في صناعة الإنشاء ١/٤٤٤).

یہاں ''سبحان'' غیر منصرف آیا۔ اس میں الف ونون مزید تان کے ساتھ علمیت کو فرض کیا گیا ہے۔ مزید بحث کے لیے بیضاوی کے حواشی اور سلم کی شروحات ملاحظہ فرمائیں۔

پھر بعض حضرات نے اسے مصدر تاکیدی کہا ہے۔ یعنی یہ أُسبِّح اللهَ تسبيحًا کے معنی میں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح پاکی بیان کرتا ہوں۔ فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر (مفعول مطلق) کی اضافت مفعول کی طرف کر دی گئی، تو سبحان اللہ ہو گیا۔

اور بعض نے اسے مصدر نوعی کہا ہے۔ یعنی تسبیحا (مفعول مطلق) بیانِ نوعیت کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: عظِّم السلطانَ تعظيمَ السلطان. (بادشاہ کی تعظیم کرو، جیسا کہ بادشاہ کی تعظیم کرنی چاہیے) تو سبحان اللہ کا معنی ہو گا: أسبح الله تسبيحَ الله. أي: تسبيحًا يختص به. میں اللہ تعالیٰ کی ایسی پاکی بیان کرتا ہوں جیسی اس کی پاکی بیان کرنی چاہیے، یعنی ایسی پاکی جو اس کے ساتھ خاص ہے، کوئی غیر اس کا مستحق نہیں۔ (إرشاد الساري ۱۰/٤٨٣).

''سبحان اللہ وبحمدہ'' کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص نے دن میں سو مرتبہ «سبحان الله وبحمده» کہا اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحيح البخاري، رقم: ٦٤٠٥).

ذکر کی فضیلت سے متعلق بعض آیات واحادیث:

ذکر الٰہی ایک ایسی اہم عبادت ہے جس کی کثرت کا قرآن وحدیث میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور اس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ذکر کی فضیلت سے متعلق چند آیات واحادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَٱصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ رَبَّهُم بِٱلۡغَدَوٰةِ وَٱلۡعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجۡهَهُۥ﴾ (الكهف: ٢٨)

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو اس لیے

پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔

(۲) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْآصَالِ﴾ (النور: ٣٦)

جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلند مقام دیا جائے اور ان میں اس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، ان میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں۔

(۳) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ﴾ (البقرة: ١٩٨)

جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالی کا ذکر کرو۔

(۴) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ (آل عمران: ١٩١)

جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

(۵) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾ (الأعراف: ٢٠٥)

اور اپنے رب کا ذکر کیا کرو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ۔

(٦) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «يقول الله تعالى: أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا ذكَرني، فإن ذكرني في نفسه ذكرتُه في نفسي، وإن ذكَرني في ملإٍ ذكرتُه في ملإٍ خيرٍ منهم، وإن تقرَّب إليَّ بشِبْرٍ تقربت إليه ذِراعًا، وإن تقرَّب إليَّ ذراعًا تقربت إليه باعًا، وإن أتاني يمشي أتيتُه هرولة». (صحيح البخاري، رقم: ٧٤٠٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع یعنی فرشتوں کے مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں، اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں

ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔

(۷) عن عبد الله بن بُسْر، أن رجلا قال: يا رسول الله إنَّ شرائعَ الإسلام قد كثُرَت عليَّ، فأخبرني بشيء أتشبَّث به، قال: «لا يزال لسانُك رَطْبًا من ذِكر الله». (سنن الترمذي، رقم: ۳۳۷۵، مسند أحمد، رقم:۱۷٦۸۰. وإسناده صحيح).

ترجمہ: ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ شریعت کے احکام تو بہت ہیں مجھے کوئی ایک ایسی چیز بتادیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے تمہاری زبان ہمیشہ تَر رہے۔

(۸) عن أبي الدرداء رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «ألا أُنبِّئُكم بخير أعمالكم، وأزكاها عند مَليكِكم، وأرفعِها في درجاتكم، وخيرٌ لكم من إنفاق الذهب والورَق، وخيرٌ لكم من أن تَلقَوا عدوَّكم فتضربوا أعناقَهم ويضربوا أعناقَكم»؟ قالوا: بلى. قال: «ذكر الله تعالى». (سنن الترمذي، رقم: ۳۳۷۷، ومسند أحمد، رقم:۲۱۷۰۲، وإسناده صحيح)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی ہے اور سونے چاندی کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہے اور جہاد میں تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی کا ذکر۔

(۹) عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «مثَل الذي يذكُر ربَّه والذي لا يذكُر ربَّه، مثَلُ الحيِّ والميتِ». (صحيح البخاري، رقم: ٦٤٠٧)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ یعنی ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ

کرنے والا مردہ ہے۔

(١٠) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «سبعةٌ يُظِلُّهم الله في ظِله، يومَ لا ظِلَّ إلا ظلُّه: الإمام العادل، وشابٌّ نشأ في عبادة ربه، ورجلٌ قلبُه معلَّق في المساجد، ورجلان تحابَّا في الله اجتمعا عليه وتفرَّقا عليه، ورجل طلبته امرأةٌ ذاتَ منصِب وجمال، فقال: إني أخاف اللهَ، ورجل تصدَّق، أخفَى حتى لا تعلم شمالُه ما تُنفِق يمينُه، ورجل ذكَر اللهَ خاليًا ففاضت عيناه». (صحيح البخاري، رقم: ٦٦٠).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالی اپنی رحمت کے سایہ میں اس دن جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے سِوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا: ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو، چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ کے لیے محبت ہو، اسی پر ان کا جمع ہونا ہو اور اسی پر ان کی جدائی ہو۔ پانچواں وہ شخص جس کو کوئی حسب ونسب والی خوبصورت عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے، چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی طریقے سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

(١١) عن أبي هريرةﷺ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «ألا إن الدنيا ملعونةٌ ملعونٌ ما فيها إلا ذِكرُ الله وما والاه وعالمٌ أو متعلمٌ». (سنن الترمذي، رقم:٢٣٢٢، وإسناده حسن).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے؛ مگر اللہ کا ذکر اور جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

(١٢) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «لَيَذكُرَنَّ اللهَ قومٌ في الدنيا على الفُرُش المُمَهَّدة، يُدخِلُهم اللهُ الدرجاتِ العُلَى». (مسند أبي يعلى، رقم:١١١٠، وصحيح ابن حبان، رقم: ٣٩٨. وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ٧٨/١٠: إسناده حسن)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالی کا ذکر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ تعالی ان کو جنت کے اعلی درجوں میں پہنچا دیتا ہے۔

(۱۳) عن أبي هريرة وأبي سعيد الخدري أنهما شهدا على النبيﷺ أنه قال: «لا يقعُد قومٌ يذكُرون اللهَ عزَّ وجل إلا حفَّتهم الملائكةُ، وغشِيَتهم الرحمةُ، ونزلت عليهم السكينةُ، وذكرهم الله فيمن عنده». (صحيح مسلم، رقم: ۲۷۰۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما دونوں حضرات گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اسے سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) فرماتے ہیں۔

(۱۴) عن معاوية رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرَج على حلقة من أصحابه، فقال: «ما أجلسكم؟» قالوا: جلسنا نذكر اللهَ ونحمدُه على ما هدانا للإسلام، ومنَّ به علينا، قال: «آللهِ ما أجلسكم إلا ذاك؟» قالوا: واللهِ ما أجلسنا إلا ذاك، قال: «أما إني لم أَستَحْلِفكم تُهمةً لكم، ولكنه أتاني جبريل فأخبَرني، أن الله عز وجل يُباهي بكم الملائكةَ». (صحيح مسلم، رقم:۲۷۰۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے آپ لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ہم یہاں اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھے ہیں اور ہم اس بات پر اللہ کی تعریف کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا، اللہ کا ہم پر بڑا ہی احسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: خدا کی قسم ہم اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے کسی بدگمانی کی وجہ سے تم لوگوں کو قسم نہیں دی؛ بلکہ جبریل علیہ السلام نے آکر مجھے یہ خبر سنائی کہ اللہ عز وجل تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرما رہے ہیں۔

(۱۵) عن أنس بن مالك رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «ما من قومٍ اجتمعوا يذكُرون اللهَ، لا يريدون بذلك إلا وجهَه، إلا ناداهم منادٍ من السماء: أنْ قوموا مغفورًا لكم، قد بدَّلتُ سيئاتِكم حسناتٍ». (مسند أحمد، رقم: ١٢٤٥٣، وإسناده حسن، وهو صحيح لغيره).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر کے لیے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

(۱۶) عن أبي الدرداء قال: «قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ليَبعثن اللهُ أقوامًا يومَ القيامة في وجوههم النورُ، على منابر اللُّؤلؤ، يَغبطهم الناسُ، ليسوا بأنبياء ولا شُهَداء». قال: فجَثَا أعرابيٌّ على رُكبَتيه فقال: يا رسول الله، حَلِّهم لنا نَعرِفْهم. قال: «هم المتحابُّون في الله، من قبائلَ شتَّى، وبلادٍ شتَّى، يجتمِعون على ذِكر الله يَذكُرونه». (مجمع الزوائد ١٠/٧٧. وقال الهيثمي: رواه الطبراني، وإسناده حسن).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالی بعض قوموں کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہو گا وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے۔ ایک اعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ان کا حال بیان کر دیجیے تاکہ ہم ان کو پہچان لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آکر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں گے اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں گے۔

(۱۷) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا مَرَرتم برياض الجنةِ فارتَعوا»، قالوا: وما رياض الجنة؟ قال: «حِلَقُ الذِّكْر». (سنن الترمذي، رقم: ٣٥١٠، وإسناده حسن).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرو۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔

(۱۸) عن أبي سعيد، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: «يقول الله جلَّ وعلا: سيَعلَم أهلُ الجمْع اليومَ مَن أهلُ الكرم»، فقيل: مَن أهل الكرم يا رسول الله؟، قال: «أهل مجالس الذكر في المساجد». (صحيح ابن حبان، رقم: ٨١٦، وإسناده حسن، وقيل: ضعيف).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ آج اہلِ مجمع جان لیں گے کہ اہل کرم کون ہیں؟ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ اہل کرم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مساجد میں ذکر کی مجلس والے۔

ذِکر کی اقسام اور اس کے شرائط:

ذکر کی فضیلت اور ذکر جہری کے ثبوت سے متعلق مذکورہ آیات واحادیث ملاحظہ کرنے کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ ذکر کرنے کی چار صورتیں ہیں، چاہے وہ ذکر کرنا مساجد میں ہو یا کسی اور جگہ:

(۱) ذکر جہری اجتماعاً۔ (۲) ذکر سری اجتماعاً۔ (۳) ذکر جہری خلوت میں۔ (۴) ذکر سری خلوت میں۔

نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ذکر کرنے کے لیے قرآن وسنت سے کچھ شرائط اور قیودات ثابت ہیں، جنہیں فقہاء نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے، ان کی رعایت کرنا ضروری ہے:

(۱) رضائے الٰہی مقصود ہو، ریا اور نام ونمود کی خاطر نہ ہو۔ (معارف القرآن ۴/۱۶۸)۔

(۲) یہ ذکر سنت کے موافق ہو۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/۲۱۹)۔

(۳) اس ذکر سے کسی سونے والے یا کسی مصلی وغیرہ کو خلل نہ ہوتا ہو۔

(۴) مجلس میں نہ بیٹھنے والے کو ملامت نہ کی جائے۔

(۵) اس کا فرائض کی طرح التزام نہ کیا جائے۔ (کفایت المفتی ۲/۵۴۔ معارف القرآن ۴/۱۶۸۔ فتاوی محمودیہ ۱/۱۸۵)۔

بطور خلاصہ علامہ طحطاوی اور علامہ شامی رحمہما اللہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: «عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ». (رد المحتار ۶۶۰/۱. حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص۳۱۸).

ترجمہ: متقدمین اور متاخرین علماء کا اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں ذکر جہری اجتماعی کرنا مستحب ہے، اِلا یہ کہ ان کا جہر خوابیدہ یا نمازی یا قرآن کریم کے قاری کو پریشان کر دے۔

ذکر جہری کا ثبوت قرآن واحادیث کی روشنی میں:

(۱) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرة: ۲۰۰)

ترجمہ: پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، یا اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہئے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر اللہ جہراً کرنا درست ہے؛ کیونکہ مشرکین جاہلیت میں آباء واجداد کا تذکرہ فخریہ اور علانیہ کرتے تھے، سراً یا چھپ کر یا دل دل میں نہیں کرتے تھے؛ چنانچہ ابن عطیہ اندلسی اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

«كانت عادة العرب إذا قضت حجها تقف عند الجمرة، فتتفاخر بالآباء وتذكر أيام أسلافها من بسالة وكرم وغير ذلك، فنـزلت الآية ليلزموا أنفسهم ذكر الله تعالى أكثر من التزامهم ذكر آبائهم بأيام الجاهلية. هذا قول جمهور المفسرين». (المحرر الوجيز ۲۷۶/۱، ومثله في تفسير القرطبي ۴۳۱/۲).

ترجمہ: جب عرب کے لوگ حج پورا کر لیتے تو جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر آباء واجداد کی بہادری اور ان کی سخاوت وغیرہ کا ذکر کرتے؛ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی؛ تا کہ وہ اپنے آباء واجداد کے زمانہ جاہلیت کے کاموں کے ذکر سے زیادہ اپنے آپ کو اللہ تعالی کے ذکر کا پابند بنائیں۔ جمہور مفسرین نے یہی کہا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے: «قال أهل التفسير: كانت العرب في الجاهلية إذا فرغوا من حجهم وقفوا بين المسجد بمنى وبين الجبل، وقيل: عند البيت، فيذكرون مفاخر آبائهم ومآثرهم وفضائلهم ومحاسنهم ومناقبهم، فيقول أحدهم: كان أبي كبير الجفنة، رحب الفِناء، يقري الضيف، وكان كذا وكذا يعد مفاخره ومناقبه، ويتناشدون الأشعار في ذلك، ويتكلمون بالمنثور والمنظوم من الكلام الفصيح، وغرضهم الشهرة والسمعة والرفعة بذكر مناقب سلفهم وآبائهم، فلما منَّ الله عليهم بالإسلام أمرهم أن يكون ذكرهم لله لا لآبائهم». (تفسير الخازن ۱/۱۳۳)

ترجمہ: جب عرب حج سے فارغ ہو جاتے تو منی میں، اور بعض کہتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اپنے آباء واجداد کے مناقب اور خوبیاں ذکر کرتے۔ کوئی کہتا کہ میرے والد کے کھلانے کے برتن بڑے تھے، صحن کشادہ تھا، مہمانوں کو کھلاتے تھے، اور ایسے تھے ویسے تھے، ان کے مناقب ومفاخر کو بیان کرتے۔ اس سلسلے میں وہ اشعار بھی پڑھتے اور نثر و نظم میں فصیح کلام پیش کرتے۔ اپنے آباء واجداد کے ذکر سے ان کا مقصد شہرت، ریاکاری اور اپنے بلند مرتبے کا اظہار ہوتا تھا۔ جب اللہ تعالی نے انہیں اسلام سے مشرف کیا تو انہیں حکم دیا کہ اپنے آباء واجدا کے ذکر کے بجائے اللہ تعالی کا ذکر کیا کریں۔

(۲) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ﴾ (البقرة: ۱۱٤)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکے۔

جو لوگ مساجد میں ذکر اللہ سے روکتے ہیں، ان کو جہر ہی سے پتا چلا کہ ذکر ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جہر بالذکر کی طرف اشارہ ہے۔ (امداد الفتاوی ۵/ ۱۵۲۔ فتاوی عثمانی ۱/ ۲۹۰)۔

(۳) قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ﴾ (الأعراف: ۲۰۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیجئے، اور بہت بلند آواز سے کچھ کم۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے "تالیفات رشیدیہ" میں اس آیت کریمہ

کو ذکر جہری پر محمول فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "دون الجہر بھی جہر ہی ہے کہ ادنی درجہ ہے"۔(تالیفات رشیدیہ، ص۲۱۹)

(۴) قال أبو داود: حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع (ثقة)، حدثنا أبو نعيم (الفضل بن دُكَين، ثقة ثبت)، عن محمد بن مسلم (صدوق حسن الحديث)، عن عمرو بن دينار(ثقة ثبت)، أخبرني جابر بن عبد الله (صحابي)، أو سمعت جابر بن عبد الله، قال: رأى ناس نارا في المقبرة، فأتوها فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر، وإذا هو يقول: «ناولوني صاحبكم» فإذا هو الرجل الذي كان يرفع صوته بالذكر. (سنن أبي داود، رقم:٣١٦٤. وأخرجه الطبراني في المعجم الكبير، رقم:١٧٣٠. والحاكم في المستدرك، رقم:١٣٦١).

امام نووی اور علامہ قسطلانی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: «رواه أبو داود بإسناد على شرط الشيخين». (خلاصة الأحكام ٩٧٠/٢. إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ٤٣٧/٢،).

ابن الملقن نے لکھا ہے: «إسناده على شرط الصحيح لا جرم». (تحفة المحتاج ٢٨/٢).

سنن ابی داود کے شارح ابن رسلان مقدسی شافعی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: «فيه فضيلة رفع الصوت بذكر الله تعالى». (شرح سنن أبي داود لابن رسلان ٤١٩/١٣).

(۵) قال أبو عبد الله الحاكم (ثقة): حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب (الأصم، ثقة)، حدثنا أحمد بن عبد الحميد الحارثي (ثقة)، حدثنا إسحاق بن منصور السلولي (ثقة)، حدثنا محمد بن مسلم الطائفي (صدوق حسن الحديث)، عن عمرو بن دينار(ثقة ثبت)، عن جابر، أن رجلا كان يرفع صوته بالذكر فقال رجل: لو أن هذا خفض من صوته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «فإنه أواه» قال: فمات فرأى رجل نارا في قبره فأتاه فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه وهو يقول: «هلموا صاحبكم»، فإذا هو الرجل الذي كان يرفع صوته بالذكر. (المستدرك للحاكم، رقم: ١٣٦١. وأخرجه البيهقي في شعب الإيمان (رقم:٥٧٩) من طريق الحاكم، وإسناده صحيح. وقد صحَّحه الحاكم، وأقرَّه الذهبي).

اس حدیث کی اور بھی سندیں ہیں:

قال البيهقي: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ (الحاكم، ثقة)، أخبرنا محمد بن علي بن دحيم الشيباني (ثقة)، أخبرنا أحمد بن حازم بن أبي غرزة(ثقة)، حدثنا الفضل بن دُكَين (ثقة ثبت). (شعب الإيمان، رقم:٥٧٨)، **بقیہ سند سنن ابی داود کی سند کی طرح ہے۔**

مذکورہ دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ کاش یہ شخص اپنی آواز پست کرے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو اَوّاہ (نرم دل) ہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو کچھ لوگوں نے قبرستان میں چراغ روشن دیکھا، جب وہاں جاکر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: لاؤ اپنے ساتھی کو مجھے پکڑا دو۔ صحابی کہتے ہیں کہ نعش کو جب دیکھا تو وہ وہی صحابی تھے جو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔

فائدہ: یہ واقعہ ایمان افروز واقعہ ہے اس سے عبرت ملتی ہے اور ذکر کے تمام مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں کہ وہ مسجد میں ذکر جہری کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی؛ لہٰذا مسجد میں ذکر جہری کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا؛ بلکہ یہ حضرات قابل تعریف اور قابل رشک ہیں۔

تنبیہ: بعض روایات میں ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کا ذکر ہے اور بعض میں تلاوت اور بعض میں دعا کے ساتھ؛ لیکن ان میں کوئی تعارض نہیں؛ کیونکہ وہ رفعِ صوت کے عادی تھے؛ اس لیے تلاوت، ذکر اور دعا سب میں آواز بلند کرتے تھے۔

(٦) قال الإمام أحمد: حدثنا حسن (بن موسى الأشيب: ثقة)، حدثنا ابن لهيعة (صدوق خلط بعد احتراق كتبه)، حدثنا دراج (ضعيف)، عن أبي الهيثم (سليمان بن عتبة: ثقة)، عن أبي سعيد، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: «أكثروا ذكر الله حتى يقولوا: مجنون». (مسند أحمد، رقم: ١٧٤٥٣. وأخرجه ابن حبان في الصحيح، رقم: ٨١٧. وأحمد في مسنده، رقم: ١١٦٥٣. والحاكم في المستدرك، رقم:

١٨٣٩، والبيهقي في شعب الإيمان، رقم:٥٢٣، كلهم من طريق دراج. وقال الحاكم: صحيح الإسناد. وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (١٠/٧٥): رواه أحمد، وأبو يعلى، وفيه دراج، وقد ضعفه جماعة، ووثقه غير واحد، وبقية رجال أحد إسنادي أحمد ثقات).

علامہ مناوی نے فیض القدیر میں لکھا ہے: «وأخذ المؤلف من هذا الحديث ونحوه أن ما اعتاده الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به في المساجد ورفع الصوت بالتهليل لا كراهة فيه، ذكره في فتاويه الحديثية، وقد وردت أخبار تقتضي ندب الجهر بالذكر، وأخبار تقتضي الإسرار به، والجمع بينهما أن ذلك يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص كما جمع النووي به بين الأحاديث الواردة بندب الجهر بالقراءة والواردة بندب الإسرار بها». (فيض القدير ٢/٨٤).

مذکورہ تشریح کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث اور ان جیسی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ حضرات کے یہاں جو ذکر کے حلقے لگتے ہیں اور مساجد میں ذکر اجتماعی کی مجلس لگتی ہیں نیز "لا الہ الا اللہ" کے ورد میں آواز بلند کرتے ہیں (یعنی ذکر جہری کرتے ہیں) اس میں کوئی کراہت نہیں؛ بلکہ بہت ساری احادیث سے ذکر جہری کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

(٧) قال الطبراني: حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل (إمام حافظ)، ثنا عقبة بن مكرم العمي (ثقة)، ثنا سعيد بن سفيان الجحدري (صدوق)، ثنا الحسن بن أبي جعفر (ضعيف)، عن عقبة بن أبي ثبيت الراسبي (ثقة)، عن أبي الجوزاء (ثقة)، عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «اذكروا الله ذكرا يقول المنافقون إنكم تراءون». (المعجم الكبير ١٢/١٦٩/١٢٧٨٦).

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں مذکورہ حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: "اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بے وقوفوں کے ریاکار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیئے؛ بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں، اور مجنون جب ہی کہا جائے گا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی"۔ (فضائل ذکر، باب اول، ص ٧٤، ط: زمزم پبلشرز)

(٨) «كان ابن عمر وأبو هريرة رضي الله عنهما يخرجان إلى السوق في

أيام العشر يكبران، ويكبر الناس بتكبيرهما». (أخرجه البخاري في «صحيحه» تعليقًا، باب فضل العمل في أيام التشريق).

«وكان عمر رضي الله عنه يكبر في قبته بمنى فيسمعه أهل المسجد، فيكبرون ويكبر أهل الأسواق حتى تَرتَجُّ مِنًى تكبيرًا». (أخرجه البخاري في «صحيحه» تعليقًا، باب التكبير أيام منى).

پہلی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرات بازار کی طرف تشریف لے جاتے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تو بازار والے بھی ان دونوں حضرات کی اقتدا میں بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں مسجد والے اور بازار والے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

ان دونوں روایتوں سے ذکر جہری واجتماعی کا ثبوت ملتا ہے۔

ذکر جہری کے مزید دلائل اور اس کے ثبوت کے لیے ہماری کتاب ''ذِکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' ملاحظہ فرمائیں۔

ذکر اجتماعی وجہری پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

پہلا اعتراض:

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ ٱدْعُواْ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴾ (الأعراف: ٥٥)

(تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقینا وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِى نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ مِنَ ٱلْقَوْلِ ﴾ (الأعراف: ٢٠٥)

(اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے بھی، آواز

بہت بلند کیے بغیر۔)

مذکورہ دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور ذکر آہستہ ہونا چاہئے نہ کہ جہراً۔

جواب: پہلی آیت کریمہ جمہور مفسرین کے نزدیک دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ ذکر کے بارے میں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں: «الآية في الدعاء لا في الذكر، والدعاء بخصوصه الأفضل فيه الإسرار؛ لأنه أقرب إلى الإجابة، ولذا قال تعالى: ﴿ إِذۡ نَادَىٰ رَبَّهُۥ نِدَآءً خَفِيًّا ﴾[مريم: ٣]، ومن ثم استحب الإسرار بالاستعاذة في الصلاة اتفاقًا؛ لأنها دعاء». (الحاوي للفتاوي ٤٧٢/١. وانظر: روح المعاني ١٣٩/٨. والفتوحات الإلهية ١٥٠/٢. وتفسير ابن كثير ٢٤٧/٢. ومعارف القرآن لمولانا إدريس الكاندهلوي ١٣٧/٣).

ترجمہ: آیت دعا کے بارے میں ہے نہ کہ ذِکر کے بارے میں، اور دعا خاص طور پر سراً افضل ہے؛ اس لیے کہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے؛ اسی لیے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”جب اس (زکریا علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو چپکے چپکے پکارا“۔ اور اسی وجہ سے نماز میں سراً استعاذہ بالاتفاق مستحب ہے؛ کیونکہ یہ دعا ہے۔

مفسرین نے مذکورہ آیت کریمہ میں ٱدۡعُواْ سے دعا مراد لیا ہے۔ کسی نے اس کی تفسیر ذکر جہری سے نہیں کی۔

نیز ﴿ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ﴾ کی تفسیر میں بھی مفسرین نے اس سے نامناسب چیزوں کا طلب کرنا اور دعا میں حد سے زیادہ آواز بلند کرنا مراد لیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے: «قال ابن جريج: يكره رفع الصوت والنداء والصياح في الدعاء...، وقال أبو مجلز: لا يسأل منازل الأنبياء». (تفسير ابن كثير ٣٨٥/٣. وانظر: روح المعاني ١٣٩/٨. وتفسير القرطبي ١٤٣/٧. وتفسير الخازن ١٩٨/٢).

ترجمہ: ابن جریج نے فرمایا: دعا میں آواز بلند کرنا، پکارنا اور چیخنا مکروہ ہے۔ اور ابو مجلز نے فرمایا: انبیاء کے درجات کا سوال نہ کرے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: «قد استدل أصحاب أبي حنيفة بهذا على أن إخفاء آمين أولى من الجهر بها، لأنه دعاء». (تفسير القرطبي ٢٢٤/٧. وانظر: أحكام القرآن، للجصاص ٣٤/٢).

ترجمہ: اس آیت سے احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ سراً آمین کہنا جہراً آمین کہنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ یہ دعا ہے۔

ہمارے اکابر بھی سری دعا کو بہتر فرماتے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفا ہے، بعض مواضع میں جہر واعلان کسی عارض کی وجہ سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی، ص۲۱۰)

دوسری آیت کریمہ کا جواب:

علامہ سیوطی نے «نتيجة الفكر» میں اور خیر الدین رملی نے «الفتاوى الخيرية» میں مذکورہ آیت کریمہ کے تین جوابات دیئے ہیں:

(۱) یہ آیت مکی ہے۔ اور ذکر سے مراد تلاوت ہے۔ مکہ مکرمہ میں جہراً تلاوت کرنا منع تھا؛ تاکہ مشرکین سن کر گالیاں نہ دیں۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے: «وقد يكون المراد من هذه الآية كما في قوله تعالى: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَٱبْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴾[الإسراء: ١١٠] فإن المشركين كانوا إذا سمعوا القرآن سبوه، وسبوا من أنزله، وسبوا من جاء به؛ فأمره الله تعالى ألا يجهر به، لئلا ينال منه المشركون، ولا يخافت به عن أصحابه فلا يسمعهم، وليتخذ سبيلا بين الجهر والإسرار». (تفسير ابن كثير ٥٣٩/٣).

ترجمہ: اس آیت کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد: ''اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔'' چونکہ مشرکین جب قرآن سنتے تو اسے بُرا بھلا کہتے اور اسے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو بھی بُرا بھلا کہتے؛ اس لیے اللہ تعالی نے آپ کو یہ حکم دیا کہ قرآن کریم بہت بلند آواز سے نہ پڑھیں؛ تاکہ مشرکین اسے بُرا نہ کہیں، اور نہ اتنا آہستہ

پڑھیں کہ صحابہ کرام اسے سن نہ سکیں؛ بلکہ بہت بلند آواز اور آہستہ آواز کے درمیان (معتدل جہر) کے راستے کو اختیار کریں۔

(۲) اس آیت کریمہ میں آہستہ ذکر ودعا کا حکم اس وقت ہے جبکہ قراءتِ قرآن جاری ہو؛ تاکہ ذکر قرآن پر بلند نہ ہو، قرآن پاک کی تعظیم کے لیے۔

(۳) یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامل ومکمل تھے اور ہم لوگ تو محلِ وساوس ہیں اور ہمارے لیے وساوس کو دور کرنے کے لیے ذکر جہری مفید ہے۔ (الحاوي للفتاوي ١/٤٧١. الفتاوى الخيرية ٢/١٨١)

نیز مولانا عبد الحی لکھنوی نے اپنے رسالہ «سباحة الفكر في الجهر بالذكر» میں اس آیت کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے۔ یہاں پر اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اللہ تعالی کا یہ حکم شفقت ونرمی کے لیے ہے، فرض یا واجب کرنے کے لیے نہیں۔

(۲) اس آیت کریمہ سے مطلق جہر کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی؛ بلکہ جہر مفرط کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے: «المأمور به ما فوق المخافتة وما دون الجهر المفرط، فيختص بنوع من الجهر». (حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي ٤/٢٤٨).

ترجمہ: جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ آہستہ آواز سے اُوپر اور حد سے زیادہ بلند آواز سے کم ہے؛ لہذا یہ ایک قسم کے جہر کے ساتھ خاص ہوگا۔

نیز مذکورہ آیت مکی ہے اور آیت کریمہ ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ﴾ (البقرة: ۲۰۰) (پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو) مدنی ہے۔ اس کے شان نزول کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ مشرکین اپنے آباءواجداد کا ذکر جہراً کیا کرتے تھے تو اللہ تعالی نے فرمایا جس طرح اپنے آباءواجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالی کا بھی کثرت سے ذکر کرو۔ تو اس میں دو چیزیں مقصود ہیں:

۱- آباء واجداد کی جگہ اللہ تعالی کا کثرت سے ذکر کرو۔

۲- تفاخر ومشاعرہ کو دل سے نکالنے اور اس کو بھلانے کے لیے اللہ تعالی کا ذکر جہراً کرو؛ تاکہ اوقع فی القلب ہو۔

روح المعانی میں ہے کہ اگر ریا کا اندیشہ ہو، یا نمازی یا سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا علم شرعی میں مشغول شخص کو اذیت کا اندیشہ ہو تو سری افضل ہے۔ اور اگر یہ موانع موجود نہ ہوں تو جہر کو سر پر مقدم کیا جائے گا۔ مثلاً اس میں نہ جاننے والے کو سکھانے کا، یا وحشت کے دور کرنے کا، یا نیند بھگانے کا، یا خود اپنے آپ سے سستی دفع کرنے کا، یا مؤمن کے دل میں خوشی پیدا کرنے کا، یا بدعتی کو بدعت سے باز رکھنے کا، یا اس کے علاوہ کا ارادہ ہو تو ان تمام صورتوں میں جہری سری پر مقدم ہوگا۔ (روح المعاني ٨/ ١٤٠، الأعراف: ٥٥).

آیت کریمہ میں فِي نَفْسِكَ کا مطلب:

آیت کریمہ ﴿وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾ (الأعراف: ٢٠٥) کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اکیلے ہو تو اللہ تعالی کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔ وہاں اور تو کوئی نہیں، لیکن اللہ تعالی ہے، ہاں اگر جہر کرنا ہو تو بہت زیادہ جہر سے کم جہر کیا کریں؛ کیونکہ دوسرے ساتھ موجود نہیں کہ ان کی ترغیب مقصود ہو؛ لہٰذا ہلکا جہر کافی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف «إن ذكرني في نفسه» میں «في نفسه» کا مطلب اکیلا ہے؛ کیونکہ اس کے مقابلے میں جماعت ہے اور «في نفسه» اکیلے کے معنی میں آتا ہے۔ علامہ نووی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: «مراد الحديث، أي: إذا ذكرني خاليا أثابه الله وجازاه عما عمل بما لا يطلع عليه أحد». (شرح النووي على صحيح مسلم ٢/ ٣٤١).

ترجمہ: حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب وہ خلوت میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے عمل کا ایسا اجر اور بدلہ دے گا جسے کوئی نہیں جانتا۔

علم نحو میں اسم کی تعریف یوں کرتے ہیں: «كلمة تدل على معنى في نفسه غير

مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة». **یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلے اپنے معنی پر دلالت کرے، بخلاف حرف کے کہ اس کے معاون کی ضرورت ہے۔**

علامہ زمخشری نے ﴿وَقُل لَّهُمْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ (النساء: ٦٣) **کی تفسیر** «خاليا بهم» **سے فرمائی ہے۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «وإذا كان يصلي لنفسه فليطل ما شاء». (مسند الشافعي، رقم:٣٠٧) **یعنی جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے۔**

آیت کریمہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کو دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیجئے، یا تلفظ کرکے بہت جہر سے کم جہر کے ساتھ یاد کیجئے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: «المعنى: اذكره ذكرا في نفسك وذكرا بلسانك دون الجهر، والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط، وبما دونه نوع آخر من الجهر». (روح المعاني ١٥٤/٩)

دوسرا اعتراض:

عن أبي موسى، قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزاة، فجعلنا لا نَصعَد شرَفًا، ولا نَعلو شرَفًا، ولا نَهبِط في وادٍ إلا رفعنا أصواتنا بالتكبير، قال: فدَنا منا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: «يا أيها الناس، اربَعُوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعُون أصَمَّ ولا غائبا، إنما تدعُون سميعًا بصيرًا». (صحيح البخاري، رقم: ٦٦١٠).

ترجمہ: ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم جب کسی ٹیلے پر چڑھتے یا بلندی پر پہنچتے یا نشیب میں اُترتے تو پکار کر اللہ اکبر کہتے، یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو؛ کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم تو اسے پکار رہے ہو جو سب کچھ سن رہا ہے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر واذکار آہستہ کرنا چاہیئے۔

جواب: (۱) لفظ«اربَعُوا» میں شفقت اور نرمی کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اپنے آپ پر نرمی کرو؛ چنانچہ اللمعات شرح المشکوۃ میں ہے: «اربعوا إشارة إلى أن المنع من الجهر للتيسير والإرفاق، لا لكون الجهر غير مشروع». **یعنی جہر بذات خود ممنوع نہیں، ہاں اگر ذاکر پر بہت بوجھ بنے تو جہر نہ کرے۔**

امام نووی فرماتے ہیں: «معناه ارفقوا بأنفسكم واخفضوا أصواتكم، فإن رفع الصوت إنما يفعله الإنسان لبعد من يخاطبه ليسمعه وأنتم تدعون الله تعالى وليس هو بأصم ولا غائب، بل هو سميع قريب وهو معكم بالعلم والإحاطة، ففيه الندب إلى خفض الصوت بالذكر إذا لم تدع حاجة إلى رفعه، فإنه إذا خفضه كان أبلغ في توقيره وتعظيمه، فان دعت حاجة إلى الرفع رفع كما جاءت به أحاديث». (شرح النووي على صحيح مسلم ۲۵/۱۷).

ترجمہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر نرمی کرو اور اپنی آوازوں کو پست کرو؛ اس لیے کہ آدمی مخاطب کے دور ہونے کی وجہ سے آواز بلند کرتا ہے؛ تاکہ اسے سنا سکے، اور تم تو اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو جو نہ بہرہ ہے نہ غائب ہے، بلکہ وہ تو سننے والا اور قریب ہے، اور وہ علم واحاطے کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔ اس حدیث سے آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کا استحباب ثابت ہوتا ہے اگر آواز بلند کرنے کی کوئی حاجت نہ ہو، اس لیے کہ آہستہ آواز سے ذکر کرنے میں ذکر کی تعظیم وتوقیر زیادہ ہے، اور اگر آواز بلند کرنے کی ضرورت ہو تو آواز بلند کرے جیسا کہ اس سے متعلق احادیث مروی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلفاء میں قاری امیر حسن صاحب جہر بالذکر نہیں کرتے تھے۔ ہمارے پیارے دوست مولانا سلیمان گھانچی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: آپ جہر نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: مجھ سے حضرت شاہ عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کمزور ہیں آپ ذکر سری کر لیا کریں، ذکر جہری آپ کی صحت کے لیے مناسب نہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جہر مفرط سے روکنا تھا، جیسا کہ بعض علماء نے لکھا

ہے۔ مولانا ابو الحسن سندی نے فتح الودود شرح سنن أبي داود میں لکھا ہے: «قوله: «ورفعوا أصواتهم» يدل على أنهم بالغوا في الجهر، وكذا يدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام لهم: «اربَعوا على أنفسكم ...» فلا يلزم من المنع من مثل هذا الجهرِ المنعُ من الجهر مطلقًا». (فتح الودود في شرح سنن أبي داود ١٦٨/٢، ط: مكتبة أضواء المنار).

خلاصہ: بعض صحابہ نے آواز بہت بلند کی تھی اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر نرمی کرو؛ ورنہ فی نفسہ جہر ممنوع نہیں ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ:

۱- ربع کا لفظ شفقت کے لیے آتا ہے۔

۲- عادت کے خلاف کچھ زیادہ آواز بلند ہوئی تھی اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

۳- اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرماتے تو صحابہ کو یہ گمان ہوتا کہ سفر میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا یا وادی میں اترتے اور اوپر چڑھتے وقت تکبیر بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے؛ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس وجہ سے منع فرمایا۔ (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص٣٦-٣٧).

تیسرا اعتراض:

حدیث میں ہے «خير الذكر الخفيُّ». (شعب الإيمان، رقم: ٥٤٨).

ترجمہ: بہترین ذِکر مخفی ذِکر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: «الذِّكر الذي لا يسمعه الحَفَظةُ يزيد على الذِّكر الذي يسمعه الحفظةُ سبعين ضِعفًا». (شعب الإيمان، رقم:٥٥١. الترغيب لابن شاهين، رقم: ١٧٠).

ترجمہ: جس ذِکر کو حفاظت کرنے والے فرشتے نہیں سنتے وہ اس ذِکر پر جسے حفاظت کرنے والے فرشتے سنتے ہیں ستّر گنا بڑھا ہوا ہے۔

جواب: پہلی روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بن أبي لبيبہ راوی جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرسل یعنی منقطع روایت کرتے ہیں کثیر الارسال

ضعیف راوی ہیں۔ (تهذيب الكمال مع حاشيته ٢٥/ ٦٢٠. ميزان الاعتدال ٥/ ١٦. تقريب التهذيب، ص٣٠٨. مزید دیکھئے: امداد المفتیین ۲/ ۲۲۶، ط: دار الاشاعت)

دوسری حدیث کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں۔ ایک محمد بن حمید ضعیف ہونے کے ساتھ متہم بالکذب ہے۔ دوسرا معاویۃ بن یحیی الصدفی متہم بالوضع ہے۔(تهذيب الكمال ٢٥/ ١٠٢، و٢٨/ ٢٢٢. ميزان الاعتدال ٤/ ٤٥٠).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں؛ جبکہ اس کے بالمقابل جہر کی روایات صحیح ہیں، جو پہلے گزر چکی ہیں؛ اس لیے ان کے مطابق عمل زیادہ راجح ہوگا۔ نیز اشخاص واحوال کے اعتبار سے دونوں طرح عمل کی گنجائش ہے۔ علامہ مناوی نے لکھا ہے: «الإخفاء أفضل حيث خاف الرياء أو تأذى به مصل أو نائم، والجهر أفضل في غير ذلك؛ لأن العمل به أكثر، ولأن فائدته تتعدى إلى السامع، ولأنه يوقظ قلب الذاكر، ويجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد في النشاط». (فيض القدير ١/ ٤٥٧).

ترجمہ: جہاں ریاء کا یا نمازی یا سونے والے کی تکلیف کا خوف ہو وہاں سراً افضل ہے، اور اس کے علاوہ جہراً افضل ہے؛ اس لیے کہ جہر میں عمل زیادہ ہے، اس کا فائدہ سننے والے تک متعدی ہوتا ہے، اور یہ ذکر کرنے والے کے دل کو بیدار کرتا ہے، اور اس کی دِل جمعی اور یکسوئی کا سبب بنتا ہے، نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط اور دلچسپی میں اضافہ کرتا ہے۔

اس عبارت میں علامہ مناوی نے احادیث میں تطبیق دی ہے کہ اگر ریاء کا خوف ہو یا جہر کی وجہ سے نمازی یا سونے والے کو تکلیف کا اندیشہ ہو تو سری ذکر افضل ہے اور اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں تو ذکر جہری افضل ہے؛ کیونکہ اس کے فوائد زیادہ ہیں۔

چونکہ موجودہ زمانے میں غفلت دلوں پر چھائی ہوئی ہے اور قساوت کا پردہ دلوں پر پڑا ہوا ہے نیز خیالات پراگندہ و منتشر ہیں اور لوگ بُرے خیالات کا شکار ہیں اس حالت میں ذکر جہری سے جتنا فائدہ ہوگا سری سے غالباً نہ ہوگا، اِلا ماشاء اللہ۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا ضرور خیال رکھے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے؛ کیونکہ ایذائے مسلم حرام ہے۔

یہ تطبیق روح المعانی (۸/ ۱۴۰)، الاتقان فی علوم القرآن (۱/ ۱۱۲)، الحاوی للفتاوی

(۱/۱۷۴)، الدر المختار (٦/۳۹۸)، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص ۱۷۴) میں بھی علامہ نووی اور علامہ شامی وغیرہ سے منقول ہے۔

چوتھا اعتراض:

بعض حضرات ذکر جہری کی ممانعت پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: عن قيس بن عباد قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرَهون رفعَ الصوت عند الجنائز، وعند القتال، وعند الذكر. (السنن الكبرى، للبيهقي ٧٤/٤).

ترجمہ: قیس بن عباد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنازے کے وقت، قتال کے وقت اور ذِکر کے وقت آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

جواب: حدیث کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب جنازہ لے جا رہے ہوں تو اس وقت شور مت کرو خاموش رہو اور جب قتال ہو رہا ہو تو اس وقت بھی شور مت کرو؛ اس لیے کہ قتال کے وقت شور کرنا کبھی کمزوری اور بزدلی کی دلیل ہوتا ہے، جیسا کہ مناظرے میں کمزور فریق شور مچاتا ہے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے علامہ شوکانی سے نقل فرمایا ہے: «ولعل وجه كراهتهم لذلك أن التصويت في ذلك الوقت ربما كان مشعرا بالفزع والفشل بخلاف الصمت فإنه دليل الثبات ورباط الجأش». (بذل المجهود ٢٦٧/٩، ط: دار البشائر الإسلامية)

ترجمہ: شاید صحابہ کرام کا آواز بلند کرنے کو ناپسند فرمانا اس وجہ سے ہو کہ اس وقت آواز بلند کرنا بسا اوقات گھبراہٹ اور بزدلی کی خبر دیتا ہے بخلاف خاموشی کے کہ یہ ثابت قدمی اور بہادری کی دلیل ہے۔

اسی طرح جب ذاکرین اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول ہوں تو اس وقت بھی شور مت کرو اور ان کے ذکر میں خلل مت ڈالو؛ ورنہ جہر بالذکر کے دلائل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

یاد رہے کہ جہاد میں بلند آواز سے ذکر احادیث میں وارد ہے؛ خیبر کے جہاد میں «الله أكبر خربت خيبر وإنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين» آیا ہے۔

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے، خیبر پر بربادی آگئی، جب ہم کسی قوم کے مکانوں کے

سامنے جنگ کے لیے اتر جائیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح خوفناک ہو جاتی ہے۔

خندق کی کھدائی کے وقت «واللہ لو لا اللّٰہُ ما اھتدینا...» (بخدا! اگر اللہ تعالی ہم کو ہدایت نہ کرتا...) منقول ہے۔ ہاں گلے پھاڑ پھاڑ کر ذکر نہ ہو یا کسی جگہ اخفا مقصود ہو تو وہاں بھی جہر نہ کرے۔

پانچواں اعتراض: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسجد میں جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدع کہنا:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے: عن ابن مسعود أنه رأى قومًا يهلّلون برفع الصوت في المسجد فقال: «ما أراكم إلا مبتدعين حتى أخرجهم من المسجد».

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ "لا إلہ إلا اللہ" پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: میں تو تمہیں بدعت میں مبتلا دیکھ رہا ہوں، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

جواب: اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں۔ ان میں سے آسان جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاص تعداد مقرر کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالی کے ذکر کو اعداد کا پابند نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی خواہش تھی کہ اللہ تعالی کا ذکر بے عدد و بے حد ہو؛ چنانچہ ایک ضعیف روایت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تسبیح کے دانوں کو رکھنے کی ممانعت مروی ہے۔

اس کا سب سے زیادہ معقول جواب یہ ہے کہ اگر کسی حلقے کے شیخ نے ذکر کے کسی خاص عدد کو متعین کیا تو بہت ممکن ہے کہ آگے جا کر اس عدد کو سنت شرعی نہ سمجھا جائے، جیسا کہ بعض اصحابِ طریقت کبھی کسی حدیث پر عمل شروع کرتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت موضوعی یا اس کے قریب ہے؛ لیکن پھر بھی اس سلسلہ کے حضرات اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو اتباعِ مشائخ فرماتے ہیں۔

اب ہم چند قرائن و شواہد ذکر کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد خاص عدد پر انکار کرنا تھا:

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے: «كان عبد الله يكره العدد ويقول: أَيُمَنُّ على الله حسناتِه»؟. (مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ۷۷۴۹).

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کے شمار کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کیا اللہ تعالیٰ پر اپنے حسنات کا احسان جتلاتے ہیں۔

(۲) عن الصَّلت بن بَهرام قال: «مرَّ ابن مسعود بامرأة معها تسبيح تسبح به، فقطَعه وألقاه، ثم مر برجل يسبح بحصا، فضربه برِجله ثم قال: «لقد سُبِقتُم، رَكِبتم بدعةً ظُلمًا، أو لقد غلَبتم أصحابَ محمد صلى الله عليه وسلم عِلمًا». (البدع، لابن وضاح، رقم: ۲۱).

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے پاس تسبیح تھی اور وہ اس کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہی تھی تو اس کو کاٹ کر پھینک دیا، پھر ایک مرد کے پاس سے گزرے جو کنکریوں کے ساتھ تسبیح پڑھ رہا تھا تو اس کو لات ماری اور فرمایا تم سے پہلے صحابہ گزرے ہیں تم نے تو تاریک بدعت کا ارتکاب کیا اور تم علم میں صحابہ سے بڑھ گئے۔ (یہ بطور تہدید فرمایا)۔

یاد رہے کہ شیخ البانی نے السلسلۃ الضعیفہ (۱/۱۸۶) میں اس منقطع روایت کو قبول کیا ہے۔

(۳) دارمی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: فوقف عليهم، فقال: «ما هذا الذي أراكم تصنعون»؟ قالوا: يا أبا عبد الرحمن حصا نعد به التكبير والتهليل والتسبيح. قال: «فعدوا سيئاتكم، فأنا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيء». (سنن الدارمي، رقم: ۲۱۰، وفي إسناده عمرو بن يحيى، وفيه كلام).

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں مشغول اہل ذکر کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے تم کیا کر رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے کہا: کنکریوں سے تکبیر و تہلیل و تسبیح کو

گن رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اپنے گناہوں کو گنو، میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اللہ تعالی آپ کے حسنات کو ضائع نہیں کریں گے۔

یعنی ذکر حسنات میں سے ہے اس کی گنتی کی ضرورت نہیں، اپنے گناہوں کو نوٹ کرنے اور گننے اور ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ گنتی پر معترض تھے۔

(۴) طبرانی کی معجم کبیر کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گنتی پر اعتراض فرما رہے تھے۔ اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: «بلغ عبد الله بن مسعود أن قوما، يقعدون من المغرب إلى العشاء يسبحون يقولون: قولوا كذا، وقولوا كذا». (وفي إسناده كلام).
یعنی بعض لوگ مغرب سے عشاء تک مسجد میں بیٹھ کر تسبیح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کلمہ اتنی مرتبہ پڑھو، یہ کلمہ اتنی مرتبہ پڑھو۔

اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ مسجد میں دو جماعتیں تھیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کونسی جماعت پہلے آئی تھی جب ان کو بتلایا گیا تو دوسرے حلقے کو اٹھا کر پہلے حلقے کے ساتھ ملا دیا۔ «فقال: «أيتكما كانت قبل صاحبتها؟» قالت إحداهما: نحن، فقال للأخرى: «قوما إليها»، فجعلهم واحدة». اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں حلقہ ذکر کے خلاف نہیں تھے، بلکہ گنتی اور شمار کے خلاف تھے؛ ورنہ دو حلقوں کو ملا کر ایک حلقہ کیوں بنایا؟
اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایات اور ان پر کلام، نیز ذکر اجتماعی وجہری کے تفصیلی دلائل اور اس سے متعلق اشکالات وجوابات کے لیے ہماری کتاب "ذِکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں" ملاحظہ کیجئے۔

چھٹا اعتراض:

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے: «وقد نصَّ بعض علمائنا بأن رفع الصوت في المسجد ولو للذكر حرام». (مرقاة المفاتيح ۳٤۳٦/۸).
ترجمہ: بعض علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر

کے لیے ہو، حرام ہے۔

جواب: خود ملا علی قاری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں دوسری جگہ حدیث: «كان يقول إذا سلم: «سبحان الملك القدوس» ثلاثا ويرفع صوته بالثالثة» کی شرح میں مظہر سے نقل فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریاء سے بچے؛ کیونکہ ذکر جہری میں بہت سارے فوائد ہیں: ۱- دین کا اظہار ہے۔ ۲-سننے والوں کو تعلیم ہے۔ ۳-سننے والوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ ۴- جانور اور درخت وغیرہ جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ذکر کی برکت پہنچتی ہے۔ ۵- دوسرے کے لیے خیر کی دعوت ہے۔ ۶-ہر خشک وتَر چیز اس کی گواہی دے گی۔

ملا علی قاری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: «قال المظهر[1]: هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت، بل على الاستحباب إذا اجتنب الرياء إظهارًا للدين، وتعليمًا للسامعين، وإيقاظًا لهم من رقدة الغفلة، وإيصالا لبركة الذكر إلى مقدار ما يبلغ الصوت إليه من الحيوان والشجر والحجر والمدر، وطلبًا لاقتداء الغير بالخير، ويشهد له كل رطب ويابس سمع صوته. وبعض المشايخ يختار إخفاء الذكر؛ لأنه أبعد من الرياء، وهذا متعلق بالنية». (مرقاة المفاتيح ۹۵۲/۳).

خلاصہ یہ ہے کہ ملا علی قاری کا خود اپنا رجحان بھی ذکر کی مجالس کے استحباب پر ہے، نیز بلند آواز سے ذکر کے جواز بلکہ استحباب پر ہے، اور سابقہ عبارات میں صرف بعض علماء کا قول بیان کرنا مقصود تھا کہ بعض حرام کہتے ہیں ورنہ اکثریت تو استحباب پر ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

ساتواں اعتراض:

بعض حضرات بعض فقہاء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنھوں نے جہر کو بدعت کہا۔

---

(۱) المظهر: هو العلامة مظهر الدين الحسين بن محمود بن الحسن الزيداني المظهري الكوفي المتوفى سنة ۷۲۷هـ، رحمه الله تعالى. ومن أشهر تصانيفه: «المفاتيح في شرح المصابيح».

تفسیر مظہری میں ہے: «أجمع العلماء على أن الذكر سرًّا هو الأفضل، والجهر بالذكر بدعة». (التفسير المظهري ٣/٣٦١، ط: مكتبة الرشد)

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذکر سراً افضل ہے، اور ذکر جہراً بدعت ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جب ذکر سری افضل ہوا تو اس کے مقابلے میں ذکر جہری جائز ہوا، پھر بدعت کیسے؟ بدعت کے ایک معنی یہ ہیں کہ جو کام جائز ہو لیکن رائج نہ ہو اس کو بھی بدعت کہتے ہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں ایک امام کے پیچھے صحابہ کرام کی اجتماعی تراویح پڑھنے کو بدعت فرمایا: «نعمت البدعة هذه». (الموطأ للإمام مالك، رقم: ٢٧٩)؛ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتماعی تراویح تین رات پڑھی گئی، پھر لازم ہونے کے خوف سے ترک کر دی گئی؛ اس لیے بدعت کے ایک معنی یہ ہیں کہ جو کام شرعاً صحیح تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ عمل مروج نہیں تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو لزوم کے خطرے کے ختم ہونے کی وجہ سے جاری کر دیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورہ اعراف کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: «قوله: «اربَعوا على أنفسكم» يدل على أن النهى عن الجهر والأمر بالإخفاء إنما هو شفقة لا لعدم جواز الجهر أصلا». (تفسير المظهري ٣/٣٦٢، الأعراف: ٥٥).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ”اپنے اُوپر نرمی کرو“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہر سے منع فرمانا اور سِر کا حکم دینا شفقت کی وجہ سے ہے، نہ کہ جہر کے جائز نہ ہونے کی وجہ سے۔

نیز قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں: «اعلم أن الذكر مطلقًا عبادة سواء كان جهرًا إذا لم يخالطه الرياء أو سرا». (تفسير المظهري ٣/٣٦٢، الأعراف: ٥٥).

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ ذکر مطلقاً عبادت ہے خواہ بلند آواز سے ہو جبکہ اس میں ریا شامل نہ ہو، یا آہستہ آواز سے ہو۔

نیز مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں کسی خاص محل میں

ذکر یعنی ذکر سری ثابت ہو اور جہر ثابت نہ ہو جیسے نماز کی ابتدا میں "سبحانک اللھم" وغیرہ اس میں اگر جہر کیا جائے تو وہ بدعت ہے۔ یہ مولانا گنگوہی کی تحریر کا خلاصہ ہے۔ پھر امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک عید الفطر کی نماز کے لیے چلتے چلتے ذکر جہری کی اجازت ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

نیز جب قرآن وحدیث کے متعدد حوالوں سے جہر بالذکر ثابت ہے تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں درست ہو سکتا ہے؟

ان حضرات نے جہر مفرط یعنی بہت زیادہ چیخنے کو بدعت کہا ہے۔ حدیث میں اس کی تشریح موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «اربَعُوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعُون أصَمَّ ولا غائبا». (صحيح البخاري، رقم: ٦٦١٠) آپ اپنے اوپر نرمی کریں آپ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ حاضر اور سمیع ہے اور حاضر و سمیع کو اعتدال کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ یعنی جہر شرعی کر سکتے ہو، جہر عرفی مت کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَٱبۡتَغِ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلٗا ﴾[الإسراء: ١١٠] نماز کی قراءت میں زیادہ جہر اور بالکل آہستگی نہ کیجیے، اعتدال کیجیے۔ یعنی جہر مفرط کی ضرورت نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ ﴾ (الحجرات: ٢) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی آواز بلند مت کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ذکر میں جہر مفرط مت کرو۔ جہر متعدل کرنے میں حرج نہیں۔

مستحب عمل کی دو اقسام اور ان دونوں کے لیے تداعی کے حکم:

بعض حضرات ذکر اجتماعی پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ اس میں تداعی ہوتی ہے، یعنی یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز فلاں مقام پر ذکر کی مجلس ہو گی۔ اور کسی مستحب کام کے لیے تداعی یعنی لوگوں کو دعوت دینا یا اعلان کرنا بدعت یا مکروہ ہے۔

جواب: مستحب وہ کام ہے جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو۔ مستحب عمل کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کے لیے بلانا اور تداعی ثابت ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کے لیے تداعی ثابت نہیں۔ جہاں مستحب یا مسنون کام کے لیے تداعی ثابت ہو اس کے لیے بلانا درست ہے، جیسے دعوتِ ولیمہ، دعوتِ عقیقہ، صلاۃ استسقاء وغیرہ کے لیے بلانا درست ہے۔

صلاۃ استسقاء کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: عن عائشة، رضي الله عنها قالت: «شكا الناس إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قحوط المطر، فأمر بمنبر، فوضع له في المصلى، ووعد الناس يومًا يخرجون فيه، قالت عائشة: فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، حين بدا حاجب الشمس...». الحديث. (سنن أبي داود، رقم: ١١٧٣. والمستدرك للحاكم، رقم: ١٢٢٥، وقال أبو داود: هذا حديث غريب، إسناده جيد. وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ میں ایک منبر رکھنے کا حکم فرمایا اور (نمازِ استسقاء کے لیے) ایک روز متعین فرما کر لوگوں سے چلنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (استسقاء کے لیے) نکلے جبکہ سورج کا اُوپر کا کونہ نکل آیا۔

اس حدیث میں ایک دن استسقاء کے لیے نکلنے کا وعدہ ہے۔ نیز صلاۃ استسقاء باجماعت ثابت ہے۔

اسی طرح صلاۃ کسوف میں بھی جماعت مسنون ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے «فإذا رأيتم ذلك، فافزعوا إلى الصلاة»(صحیح البخاري، رقم:١٠٥٨) مروی ہے، جو تداعی ہے۔

ترجمہ: جب تم اسے دیکھو تو نماز کے لیے جلدی کرو۔

اسی طرح ذکر کی مجالس کے لیے بھی احادیث قولیہ سے تداعی ثابت ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم داودی نہیں رکھا لیکن آپ کے اقوال سے اس کا استحباب

ثابت ہے۔ نیز رمضان میں عمرہ نہیں فرمایا؛ لیکن احادیث قولیہ سے اس کا استحباب ثابت ہے۔ اسی طرح اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجالسِ ذکر کی طرف ترغیب ثابت ہے۔ اب ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے مجالس ذکر کی طرف ترغیب وتداعی ظاہر ہو جائے:

(۱) عن أبي الدرداء قال: «قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ليَبعثن اللهُ أقوامًا يومَ القيامة في وجوههم النورُ، على منابر اللُّؤلؤ، يَغبِطهم الناسُ، ليسوا بأنبياء ولا شُهَداء». قال: فجَثَا أعرابيٌّ على رُكبَتيه فقال: يا رسول الله، حَلِّهم لنا نَعرِفْهم. قال: «هم المتحابُّون في الله، من قبائلَ شتَّى، وبلادٍ شتَّى، يجتمِعون على ذِكر الله يَذكُرونه». (مجمع الزوائد ۷۷/۱۰. وقال الهيثمي: رواه الطبراني، وإسناده حسن).

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی منور چہروں والے لوگوں کو نور کے منبرون پر بٹھائیں گے جو مختلف قبائل اور مختلف شہروں سے اللہ تعالی کے ذکر کے واسطے جمع ہوئے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اتفاقاً جمع نہیں ہوئے ہوں گے؛ بلکہ کسی اعلان کے نتیجے میں جمع ہوئے ہوں گے۔

(۲) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: « قيل: يا رسول الله، من هم؟! قال: «هم جِماعٌ من نوازِع القبائل، يجتمعون على ذكر الله». (مجمع الزوائد ۸۸/۱۰، وقال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجاله موثوقون).

یہ لوگ پردیسیوں کی طرح مختلف قبائل سے کھنچ کر اللہ تعالی کے ذکر کے لیے جمع ہوں گے۔

ان الفاظ میں تداعی کی طرف اشارات بلکہ صراحت ہے۔ «جِماعٌ» مختلف قبائل کے ملے جلے لوگوں کو کہتے ہیں اور «نوازِع» نازعہ کی جمع ہے، نکالی ہوئی جماعتوں کو کہتے ہیں۔ اس مضمون کی احادیث مصنف عبد الرزاق اور مسند احمد میں بھی موجود ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ۲۰۱/۱۱۔ مسند احمد، رقم: ۲۲۹۰۶)۔

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن لله ملائكة يطوفون في الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجدوا قومًا يذكرون الله تنادوا: هلموا إلى حاجتكم». (صحيح البخاري، رقم:٦٤٠٨)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور ذاکرین کو تلاش کرتے ہیں پس جب ذاکرین کی جماعت کو دیکھتے ہیں تو اعلان اور تداعی کرتے ہیں کہ آؤ آپ جو چیز تلاش کررہے تھے وہ چیز یہاں ہے۔

اس حدیث میں فرشتوں کا اعلان اور تداعی اہل فہم پر مخفی نہیں۔

(۴) عن أبي رزين، أنه قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ألا أدلك على ملاك هذا الأمر الذي تصيب به خير الدنيا والآخرة؟، عليك بمجالس أهل الذكر، وإذا خلوت فحرك لسانك ما استطعت بذكر الله». (شعب الإيمان، رقم: ٨٦٠٧، وإسناده ضعيف لضعف عثمان بن عطاء وهو ابن أبي مسلم المقدسي).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رزین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں آپ کو اس دین کی وہ بنیادی چیز جس کے ساتھ آپ دنیا وآخرت کی خیر حاصل کریں نہ بتاؤں؟ آپ ذکر کی مجالس سے چمٹے رہیئے۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجالس ذکر میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔

(۵) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا مَرَرتم برياض الجنةِ فارتَعوا»، قالوا: وما رياض الجنة؟ قال: «حِلَقُ الذِّكْر». (سنن الترمذي، رقم: ٣٥١٠، وإسناده حسن).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی مجلس میں بیٹھنے اور اس سے متمتع ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ «فارتَعوا» تداعی واعلان اور ترغیب ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے: «إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا. قلت: يا رسول الله وما رياض الجنة؟ قال: المساجد، قلت: وما الرتع يا رسول الله؟ قال: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر». (سنن الترمذي، رقم:٣٥٠٩. وقال الترمذي: هذا حديث غريب. وقال المنذري في الترغيب ٢/٢٨٤: وهو مع غرابته حسن الإسناد).

اس حدیث میں مساجد کو جنت کے باغیچے اور سبحان اللہ اور دوسرے اذکار کو چرنا اور متمتع ہونا کہا گیا ہے۔ اور دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ مساجد میں ذکر کے حلقوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرکت کی دعوت اور ترغیب دے رہے ہیں۔

امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں: «اعلم أنه كما يستحب الذكر يستحب الجلوس في حلق أهله، وقد تظاهرت الأدلة على ذلك، وسترد في مواضعها إن شاء الله تعالى، ويكفي في ذلك حديث ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا. قالوا: وما رياض الجنة يا رسول الله؟ قال: حِلق الذكر، فإن لله تعالى سيارات من الملائكة يطلبون حلق الذكر، فإذا أتوا عليهم حفوا بهم». (الأذكار، للنووي، ص ٩. وقال الدكتور عبد القادر الأنؤوط في تعليقه: وهو حديث حسن بطرقه وشواهده، ولذلك حسنه الترمذي وغيره).

ترجمہ: جس طرح ذِکر مستحب ہے اسی طرح ذاکرین کے حلقوں میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ اور اس کی تائید میں بہت سے دلائل ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالی ہم ان کو ان کی جگہ پر ذکر کریں گے۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذِکر کے حلقے۔ بیشک اللہ تعالی کے کچھ فرشتے ذِکر کے حلقوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں، جب وہ ان کے پاس پہنچتے ہیں تو انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔

اس روایت میں مجالس ذکر کو ڈھونڈنے کے لیے فرشتوں کے گشت کا ذکر ہے۔

(٦) عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لأن أقعد مع قوم يذكرون الله تعالى من صلاة الغداة، حتى تطلع الشمس أحب إلي، من أن أعتق أربعة من ولد إسماعيل، ولأن أقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر إلى أن تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة». (سنن أبي داود، رقم: ٣٦٦٧. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته عليه: إسناده حسن من أجل موسى بن خلف العمي، فهو صدوق حسن الحديث).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکر میں مشغول رہتے ہیں مجھے عرب کے چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، اور میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتات تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں مجھے چار عرب غلاموں کی آزادی سے زیادہ محبوب ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے بعد ذکر کی مجلس میں بیٹھنے کی تمنا فرمارہے ہیں۔ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کو اپنی تمنا بنادے اور ایسی مجالس میں شرکت کے لیے کسی کو بلائے تو اس کو بدعت کیسے کہا جائے گا!!

(۲) مستحب کی دوسری قسم: مستحب کی دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے تداعی واعلان اور جمع ہونا ثابت نہ ہو، جیسے نفل نماز کے لیے جماعت بطورِ دوام ثابت نہیں، ہاں احیاناً کو علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے جائز لکھا ہے۔

جن مستحبات کے لیے جمع ہونا اور اعلان کرنا ثابت نہ ہو اگر اس کے لیے جمع ہونے کو سنت وعبادت سمجھ کر اعلان کرے تو یہ بدعت ہوگی۔ اور اگر ایسے اجتماع کو سنت وعبادت ومقصد نہ سمجھے اور لوگوں کو جمع کرنا ایک مصلحت اور مفید شے سمجھ کر اعلان کرے اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن نہ کرے اور ان کو قابل ملامت نہ سمجھے تو اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بنابریں اگر مجالس ذکر کے لیے بالفرض تداعی ثابت نہ ہو اور اس کو مصلحۃً نہ کہ

بطور سنت وعبادت اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

ہم اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ یہ مسئلہ آپ کے ذہن میں بیٹھ جائے اور خوب واضح ہو جائے: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی (۲۱/۱۱۶-۱۱۹) میں حلق الرأس کی چار قسمیں لکھی ہیں:

(۱) حلق عبادت جو حج اور عمرہ میں ہوتا ہے۔ (۲) حلق ضرورت جیسے بالوں میں جوئیں پڑ جائیں اور ضرورت کی وجہ سے حلق کرانا پڑے یہ بھی جائز ہے۔ (۳) حلق عادت جو عام لوگ کراتے رہتے ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مباح ہے۔ (۴) حلق بدعت: اگر حج وعمرہ کے علاوہ حلق راس کو اپنا شعار بنادے اور اس کو عبادت سمجھ کر کرائے تو یہ حلق مذموم اور بدعت ہے۔

یہی حلق عام حالات میں مباح ہے؛ لیکن اس کو عبادت سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔ اسی طرح کسی مستحب کام کے لیے اجتماع اور خاص ہیئت کو اگر کوئی عبادت اور سنت سمجھ لے تو قابلِ مذمت ہو گا۔ جلسہ دستار بندی، تبلغی اجتماع، شب گزاری کا اجتماع، پرانوں کا جوڑ، دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جلسہ، مظاہر علوم کے پرانے زمانے کے جلسے، مفتاح العلوم جلال آباد کا جلسہ دستار بندی، خلفائے راشدین کانفرنس، ختم نبوت کا سالانہ جلسہ، اہل سنت کانفرنس، انگلینڈ والوں کی توحید وسنت کانفرنس، سلفی حضرات کی سعودی عرب میں مختلف کانفرنسیں، اشاعت التوحید والوں کی کانفرنس اور جلسے، امام اعظم ابو حنیفہ کانفرنس، اہل حدیث کانفرنس، قراء کی حسن قراءت کا اجتماع، حق چار یار اجتماع، ختم بخاری کے اجتماعات، تقسیم انعامات کے اجتماعات، فقہی کانفرنسیں۔

مذکورہ بالا سب اجتماعات پر مستحب کی تعریف ”جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے“[1] صادق آتی ہے۔ ان کو کرنے والے اچھا کام سمجھتے ہیں، اس لیے ان پر قوم یا حکومتوں کے

---

(۱) قال أبو المظفر السمعاني (م:٤٨٩) في «قواطع الأدلة في الأصول» (١/١٣٠): «الاستحباب أن يكون فعل الشيء أولى من تركه». وقال الزركشي فى «البحر المحيط في أصول الفقه» (١/٣٧٧): «المندوب هو ما يُمدَح فاعلُه ولا يُذمُّ تاركُه».

لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ یہ اجتماعات نبوت کے عہدِ زرین سے ثابت نہیں؛ لیکن چونکہ ہمارے علماء اور مشائخ ان کو سنت و مقصود نہیں بلکہ مصلحت اور مفید سمجھتے ہیں اس لیے یہ کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر ذرہ برابر بھی تنقید نہیں کرتے۔ مجالس ذکر کو بھی بطورِ تنزل اسی زمرہ میں داخل سمجھ لیں، ورنہ در حقیقت وہ قسم اول میں داخل ہیں۔

اور جو حضرات ان کانفرنسوں اور جلسوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی واجبات میں محسوب کرتے ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ان کی پر زور تردید فرمائی ہے۔ ہم حضرت کی لمبی تقریر سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں، ناظرین اس کو سرمہ بصیرت سمجھ لیں۔ حضرت نے حقوق العلم نامی وعظ میں فرمایا: فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔(حقوق العلم، ص۳۱، طبع سہارنپور)

التزام اور دوام میں فرق:

کسی بھی امر مستحسن پر دوام مندوب اور التزام مکروہ ہوتا ہے۔ التزام اور دوام کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ پس جو شخص کسی مستحب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے اور التزام کے ساتھ کرتا ہے وہ دوام اور التزام دونوں کا مرتکب ہوا، اور جو شخص کسی مستحب کو کبھی کبھی کرتا ہے البتہ التزام کے اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے تو اس نے التزام کیا اور دوام نہیں کیا، اور جو شخص کسی مستحب ومندوب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے لیکن نہ اسے لازم سمجھتا ہے اور نہ تارک پر انکار کرتا ہے تو اس نے دوام کیا اور التزام نہیں کیا اور بدعت سے بچ گیا۔(حاشیہ فتاوی فریدیہ ۴/۵۰۹، مسائل شتی)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں: جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے۔(براہین قاطعہ، ص۶۷)

دوسری جگہ تحریر فرمایا: دوام التزام کو مستلزم نہیں۔(ص۶۵)

ہم یہاں پر امام ذہبی کی سیر اعلام النبلاء سے چند متروکات نقل کرتے ہیں جو متروکاتِ نبویہ ہیں؛ مگر ممنوعات نہیں۔ ان کو دکتور عبد الالہ نے اپنی کتاب ''مفہوم البدعہ'' میں نقل کیا ہے۔ ہم اس میں سے چند واقعات نقل کرتے ہیں۔ (یاد رہے کہ اس کتاب کے سب مسائل سے ہم متفق نہیں ہیں):

(۱) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھتے تھے۔ (۲/۳۴۸)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مہینے کے پہلے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔ (۲/۶۰۹)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔ (۲/۶۱۰)۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں ۱۲ ہزار گرہیں لگی تھیں، سونے سے پہلے ان پر تسبیحات پڑھتے تھے۔ (۲/۶۲۳)۔

(۵) عبد الرحمن بن ابی لیلی صبح کے بعد سورج نکلنے تک قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ (۴/۲۶۵)۔

(۶) علی بن حسین زین العابدین ۲۴ گھنٹے میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۴/۳۹۲)۔

(۷) طاؤس بن کیسان اور ان کے تلامذہ اور متعلقین عصر کے بعد کا وقت تا مغرب دعا کے لیے مخصوص کرتے تھے۔ (۵/۴۸)۔

(۸) علی بن عبد اللہ بن عباس روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۵/۲۵۳)۔

(۹) امام احمد بن حنبل روزانہ دن رات میں تین سو رکعتیں پڑھتے تھے۔ جب آزمائشوں نے ان کو کمزور کر دیا تو پھر ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۵/۲۱۲)۔

(۱۰) بقی بن مخلد ۱۳ رکعات میں قرآن کریم ختم کرتے تھے اور دن کے وقت سو رکعتیں پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ (۱۳/۲۹۲)۔

(۱۱) علامہ ابن قیم نے علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی سنتوں اور فجر کی فرض کے درمیان «يا حي يا قيوم لا إله إلا أنت»

روزانہ پابندی سے ۴۰ مرتبہ پڑھے گا تو ان کلمات کی وجہ سے اللہ تعالی اس کے دل کو شاداب اور تروتازہ رکھے گا۔ (مدارج السالکین ۳/۲۶۴)۔

یہ سب متروکات ہیں، جن حضرات نے ان کو معمول بنایا وہ خود پابندی کرتے تھے لیکن چھوڑنے والے پر انکار نہیں کرتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: التزام بمعنی اصرار بدعت ہے اور دوام بلا التزام مستحب ہے۔ (براہین قاطعہ، ص ۶۷)۔

اس مسئلہ کی تفصیل مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ کے رسالہ «إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة» میں مذکور ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب "ذِکر اِجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں" اور "فتاوی دار العلوم زکریا" (۷/ ۸۰۲-۸۱۳) کی طرف رجوع کیجئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

امام بخاری کا نام و نسب:

امام بخاری کا نام و نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بَرْدِزْبَہ بن بَذِذْبِہ۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری ۲/ ۲۱۲)۔

بذِذبِہ اور بردِزبَہ کے حالات تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ بردِزبَہ کے بارے میں کتب تاریخ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجوسی تھے اور اسی پر ان کا انتقال ہوا۔

اتصال کے لیے حدیث پڑھتے وقت امام بخاری کے نام کے ساتھ بردِزبَہ کا نام نہیں لینا چاہئے؛ کیونکہ اس کے بعد "رحمہم اللہ" بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور غیر مؤمن کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرنی درست نہیں۔

مغیرہ حاکم بخارا[1] یَمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اسی لیے امام بخاری کو ولاءِ اسلام کے پیش نظر جعفی بھی کہتے ہیں۔ یمان امام بخاری کے استاذ عبد اللہ بن محمد مُسنَدی کے پر دادا ہیں۔ (الکامل لابن عدی ۱/ ۲۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو آدمی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائے وہ اس سے قریب ہے دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔[2] دنیا کا مطلب یہ ہے کہ اگر مولی

---

(۱) بخارا "اوزبکستان" کا ایک شہر ہے، جو نہر جیحون (آمو دریا) اور سیحون (سر دریا) کے درمیان واقع ہے۔ اس کے جنوب میں سمرقند اور مشرق میں طشقند ہے۔ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عبید اللہ بن زیاد نے ۵۴ ہجری میں فتح کیا تھا۔ پہلے یہ خراسان کا ایک شہر تھا، اب یہ آبادی کے لحاظ سے اوزبکستان کا پانچواں شہر ہے، جو نہر زرافشان سے ملا ہوا ہے۔ نیز یہ تجارت کا مرکز بھی ہے۔ قدیم زمانے میں یہ تعلیم و ثقافت اور علوم دینیہ کا مرکز تھا۔ شہر کا قدیم حصہ بہت سی مساجد اور قدیم مدارس پر مشتمل ہے۔ ۲۰۰۹ء کی مردم شماری کے مطابق اس کے باشندوں کی تعداد ۲٦۳۰۰۰، اور رقبہ ۳۹ مربع کلو میٹر ہے۔

(۲) عن تميم الداري، أنه قال: يا رسول الله، ما السنة في الرجل يسلم على يدي الرجل من

اسفل نے کوئی جنایت کی تو مولی اعلی اس کی دیت دے گا اور اگر مولی اسفل مر گیا تو مولی اعلی اس کا وارث ہو گا۔

ابراہیم کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔

اسماعیل علمائے محدثین میں سے ہیں، آپ حماد بن زید اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں، اور آپ سے اہل عراق نے روایتِ حدیث کی ہے۔(الثقات لابن حبان ۸/۹۸)

آپ امام ابو حنیفہ کے تلمیذ عبد اللہ بن مبارک کے شاگرد ہیں، لیکن حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں عبد اللہ بن مبارک کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے شاگردوں میں ذکر نہیں کیا ہے، جبکہ حافظ مزی نے "تہذیب الکمال" (۲۸/۱۴۷) میں ان کو امام صاحب کے شاگردوں میں ذکر فرمایا ہے۔

آپ تقوی کے بڑے مقام پر فائز تھے؛ احمد بن حفص (ابو حفص کبیر تلمیذ امام ابو یوسف وامام محمد) فرماتے ہیں کہ میں ابو الحسن اسماعیل بن ابراہیم (امام بخاری کے والد) کے یہاں ان کے انتقال کے وقت حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا: میں اپنے مال میں ایک درہم بھی شبہ کا نہیں جانتا۔(سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۷)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی ۱۳/ شوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کی نماز کے بعد پیدا ہوئے، اور سنیچر کے روز عید کی رات ۲۵۶ھ میں عشاء کی نماز کے وقت آپ کی وفات ہوئی اور عید کے روز ظہر کی نماز کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کی کل مدت حیات ۱۳ دن کم ۶۲ سال تھی۔(الکامل لابن عدی ۱/۲۲۷)

جس جگہ آپ مدفون ہوئے اس کو خرتنگ[1] کہتے ہیں۔(تاریخ بغداد ۲/۳۳) بعض لوگ اس کو خواجہ آباد کہتے ہیں۔ خواجہ کے معنی ہیں: محترم۔ لیکن اب بھی خرتنگ کے نام سے مشہور ہے۔ خرتنگ کے معنی ہیں: لوگوں کے زیادہ جانے کی وجہ سے کرایہ کا مہنگا ہونا۔ یا

المسلمين، قال: «هو أولى الناس بمحياه ومماته». (سنن أبي داود، رقم:۲۹۱۸).

(۱) خَرْتَنْك: قرية ما بين بخارى، وسمرقند، وبها توفي الإمام البخاري، وقبره بها. والمسافة بينها وبين سمرقند ۲٦ كلومتر تقريبًا.

گدھوں کی کمی، یا گدھوں کے راستے کی تنگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ ابتدا سے صاحبِ حفظ اور صاحبِ ذہانت تھے۔ شیخ شہاب الدین احمد بن الشیخ بدر الدین مصری شافعی (م:۹۹۲ھ) نے فرماتے ہیں:

كان البخاريُّ حافظًاومُحدِّثًا ۞ جمَع الصَّحيحَ مُكَمَّلَ التَّحرير

ميلادُه صِدْقٌ ومُدّةُ عُمرِه ۞ فيها حُمَيدٌ، وانْقضَى في نور

(النور السافر عن أخبار القرن العاشر، لمحي الدين العيدروس، ص٣٦١. شذرات الذهب ١٠/٦٢٦)

امام بخاری حافظ تھے محدِّث تھے، صحیح کو جمع کیا مکمل صاف کر کے۔ ان کی تاریخ پیدائش صدق (جس کا عدد ۱۹۴) ہے۔ اور ان کی مدت عمر میں حمید کا لفظ ہے (جس کا عدد ٦۲) اور وفات پا گئے تھے نور میں، جس کا عدد (۲۵٦) ہے۔

امام بخاری کا بچپن:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کا ابھی بچپن ہی تھا کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا، اس لیے آپ نے والدہ کے زیر تربیت نشو ونما پائی۔ امام بخاری بچپن میں نابینا ہو گئے تھے، آپ کی والدہ بہت گڑ گڑا کر دعائیں کیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں کہ تمہارے بہت زیادہ رونے اور کثرتِ دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے تمہارے بچے کی بینائی واپس کر دی۔ صبح اٹھے تو واقعی بینائی واپس آ چکی تھی۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳) اور ایسی واپس آئی کہ آپ نے قبر اطہر کے پاس چاند کی روشنی میں "التاریخ الکبیر" تصنیف فرمائی۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۰۰)

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالی نے لکھا ہے کہ طلبِ علم کے لیے گرمی اور دھوپ میں سفر کی وجہ سے آپ کی بینائی دوبارہ جاتی رہی، خراسان پہنچے تو کسی نے سر کے بال صاف کرانے اور گلِ خطمی کا ضماد کرنے کا مشورہ دیا، اس سے پھر آپ کی بینائی واپس لوٹ آئی۔(طبقات الشافعیۃ الکبری ۲/۲۱٦)

بے نظیر قوت حافظہ:

بچپن ہی سے امام بخاری کو حفظ حدیث کا شوق تھا، چنانچہ آپ دس سال کی عمر میں حافظ

الحدیث بن گئے۔ گیارہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ محدث داخلی کے پاس گئے تو انھوں حدیث بیان کی: سفیان عن أبي الزبیر عن إبراہیم۔ تو امام بخاری نے کہا: آپ اپنی کتاب کی طرف رجوع کرلیں، ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب دیکھی اور امام بخاری سے کہا: آپ ہی بتایئے صحیح کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا: سفیان عن زبیر بن عدی عن إبراہیم؛ اس لیے کہ سفیان ابوالزبیر سے روایت نہیں کرتے، بلکہ زبیر بن عدی سے روایت کرتے ہیں۔ (ارشادالساری ۱/ ۳۲۔ فتح الباری ۱/ ۴۷۸)

امام بخاری کو بچپن (نوجوانی) میں ہی ستر ہزار سے زائد احادیث، اکثر رواۃ کی تاریخِ ولادت ووفات کے ساتھ یاد تھیں۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۲۴)

اور بغداد کا واقعہ مشہور ہے کہ جب امام بخاری بغداد گئے تو وہاں کے محدثین نے امام بخاری کے امتحان کے لیے ۱۰۰/ احادیث کی سند و متن کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کرکے امام بخاری کے سامنے پیش کیا۔ امام بخاری ہر حدیث کے بارے میں فرماتے: «لا أعرفه». جب وہ حضرات سو احادیث ختم کرچکے، تو امام بخاری کہنے لگے: پہلی حدیث آپ نے اس طرح سنائی تھی اور اس کی صحیح سند اور متن یہ ہے۔ دوسری حدیث آپ نے اس طرح بیان کی تھی اور اس کی صحیح سند اور متن یہ ہے۔ اس طرح تمام احادیث کو بالترتیب ان کے مخلوط سند و متن کو بتاکر صحیح سند و متن کے ساتھ سنادیا۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۲۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس پر تعجب نہیں ہے کہ امام بخاری نے صحیح احادیث کو بیان کیا، تعجب اس پر ہے کہ ان کا غلط بھی امام بخاری کو یاد ہوگیا کہ آپ نے یہ غلط بیان کیا تھا، صحیح یہ ہے۔ (ہدی الساری، ص ۴۸۶)

اسی طرح امام بخاری جب سمرقند پہنچے تو وہاں کے چار سو محدثین امام بخاری کو مغالطہ دینے کے لیے جمع ہوگئے اور سات دنوں تک شام کی اسانید کو عراق کی اسانید میں اور یمن کی اسانید کو حرمین کی اسانید میں ملاکر امام بخاری کے سامنے پیش کیا۔ لیکن امام بخاری نے ساری غلطیوں کی قلعی کھول دی اور نہ کہیں سند میں چوکے نہ متن میں۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۱۱)

آپ نے ۱۶/ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابوں کو حفظ کرلیا

تھا۔(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۳۹۳)

حاشد بن اسماعیل اور ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام بخاری بچپن (نوجوانی) میں ہمارے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جاتے تھے، لیکن لکھتے نہیں تھے، کچھ دن بعد ہم نے ان کو ملامت کرنا شروع کیا، سولہ دن گزرنے کے بعد امام بخاری نے فرمایا کہ تم دونوں مجھے بہت ملامت کر چکے ہو، تم نے جو احادیث لکھی ہیں لاؤ مجھے دکھاؤ۔ ہم نے اپنی کتابین نکالیں تو پندرہ ہزار سے زیادہ احادیث ہو چکی تھیں، امام بخاری نے اپنے حافظہ سے سب احادیث سنا دیں، ہم اپنی کتابین ان کے حافظہ سے درست کرنے لگے۔ پھر امام بخاری نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں یوں ہی اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔(تاریخ بغداد ۲/ ۱۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۰۸)

احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ سعید بن مروان کے جنازے میں میں نے امام بخاری کو دیکھا، محمد بن یحییٰ ذہلی ان سے اسامی، کنی اور علل کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور امام بخاری اس طرح جواب دیتے تھے جس طرح تیر ہوا میں چلتا ہے، جیسے وہ "قل ھو اللہ أحد" پڑھ رہے ہیں۔(یعنی ان کو سب کچھ فر فر یاد تھا)۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۳۲)

امام بخاری فرماتے ہیں: میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے احادیث لکھی ہیں، اور ہر شیخ سے دس ہزار سے زیادہ احادیث لکھی ہیں، اور کوئی بھی حدیث ایسی نہیں ہے جس کی سند مجھے یاد نہ ہو۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۰۷)

امام بخاری کے اساتذہ:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار اسّی محدثین سے احادیث لکھی ہیں۔(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۳۹۵)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں تین سو چوبیس (۳۲۴) شیوخ سے احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں سے بارہ شیوخ سے زیادہ روایت کرتے ہیں، ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مسدد بن مسرہد، ۲- عبد اللہ بن یوسف التّنّیسی، ۳- قتیبۃ بن سعید الثقفی، ۴- علی بن عبد اللہ المدینی، ۵- الحکم بن نافع الحمصی، ٦- موسی بن اسماعیل التبوذکی،

۷-اسماعیل بن عبد اللہ بن ابی اویس، ۸-عبد اللہ بن محمد الجعفی، ۹-آدم بن ابی اِیاس العسقلانی، ۱۰-یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر، ۱۱-محمد بن بشار (بندار)، ۱۲-ابونعیم الفضل بن دُکین۔(مقدمۃ الجامع الصحیح للشیخ شعیب الأرناؤوط ۱/۲۱)

علمی اسفار:

امام بخاری نے بخارا کے مشائخ ابن مبارک اور وکیع وغیرہ کی کتابوں کو حفظ کرنے کے بعد سولہ سال کی عمر میں والدہ اور بھائی احمد بن اسماعیل کے ساتھ حجاز مقدس کا قصد کیا، والدہ اور بھائی حج سے فراغت کے بعد وطن واپس آ گئے، لیکن امام بخاری طلب حدیث کے لیے مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے اور دو سال تک وہاں کے مشائخ سے استفادہ کرتے رہے۔ پھر اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے استفادہ کیا، اور اسی سفر میں ''قضایا الصحابۃ والتابعین'' اور ''التاریخ الکبیر'' تصنیف فرمائی۔(تاریخ بغداد ۲/۷)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے طلب حدیث کے لیے خراسان، جبال (یعنی ری، ہمذان، اصفہان وغیرہ)، عراق، حجاز، شام اور مصر کا سفر کیا، اور متعدد مرتبہ بغداد تشریف لائے۔(تاریخ بغداد ۲/۴)

امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سے زائد محدثین سے ملاقات کی، شام اور مصر کا سفر کیا، جزیرہ دو مرتبہ گیا اور بصرہ چار مرتبہ، حجاز میں چھ سال قیام کیا اور محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی بار گیا اس کو شمار نہیں کر سکتا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۰۷)

آپ کے تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے، محمد بن یوسف الفِرَبْرِی فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے ان کی صحیح کو نوے ہزار (۹۰۰۰۰) لوگوں نے سنا۔(تاریخ بغداد ۲/۱۰)

آپ کے مشہور تلامذہ میں امام مسلم ہیں، جو امام بخاری کے اتنے معتقد تھے کہ آپ نے فرمایا: «دعني حتى أُقبِّل رِجلَيك يا أُستاذ الأستاذين، وسيد المحدثين، وطبيب الحديث في علله». (تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۳) اور جب امام بخاری کے استاذ محمد بن یحییٰ ذہلی امام

بخاری کے مخالف ہوئے تو امام مسلم نے محمد بن یحییٰ ذہلی کی احادیث کو واپس کر دیا اور امام بخاری کے ساتھ ہو گئے۔

امام بخاری علل الحدیث کے امام ہیں۔ اسی وجہ سے امام ترمذی امام بخاری کے قول کو اکثر علل الحدیث میں نقل کرتے ہیں، لیکن امام بخاری کے مذہب کو نقل نہیں کرتے، یعنی امام ترمذی بھی سمجھتے ہیں امام بخاری امام فی علل الحدیث ہیں، امام فی الفقہ نہیں۔ چنانچہ آپ سنن ترمذی میں دیکھتے ہیں کہ امام ترمذی، سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر حضرات کے مذاہب کو نقل کرتے ہیں، لیکن امام بخاری کا مذہب نقل نہیں کرتے۔

اسی طرح ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ رازی دونوں نقل الرجال کے امام ہیں۔

امام نسائی، ابو بکر بن خزیمہ، ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو بکر البزار، ابراہیم بن اسحاق، وغیرہ اساطین علم کا شمار امام بخاری کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

امام بخاری کے بارے میں ان کے شیوخ و معاصرین کی رائیں:

امام بخاری کے اساتذہ نے ان کی تعریف کی ہے۔ سلیمان بن حرب نے امام بخاری سے فرمایا: "مجھے شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کر دیا کرو"۔(سیر أعلام النبلاء ١٢/٤١٩) استاذ کا اپنے شاگرد سے یہ فرمانا اس کے تبحر علمی کی قوی دلیل ہے۔

اسماعیل بن ابی اویس جو کہ امام بخاری و امام مسلم کے استاذ ہیں، جب امام بخاری ان کی صحیح حدیثوں کو چنتے تو وہ خود بھی اپنے لیے ان منتخب حدیثوں کو لکھ لیتے اور فخر یہ بیان کرتے کہ "یہ حدیثیں محمد بن اسماعیل کی منتخب کردہ ہیں"۔(سیر أعلام النبلاء ١٢/٤١٤)

امام احمد رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: «ما أخرجت خراسانُ مثلَ محمد بن إسماعيل البخاري». (سیر أعلام النبلاء ١٢/٤٢١) خراسان نے امام بخاری جیسا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ اس زمانے میں خراسان کبیر بہت سی جگہوں پر مشتمل تھا، ازبکستان، تاجکستان اور افغانستان کا مغربی و شمالی علاقہ، ایران کا موجودہ خراسان، ہرات، یہ سب خراسان میں شامل تھا۔ اب خراسان کبیر موجود نہیں۔ اور خراسان صغیر اس وقت ایران میں ایک صوبہ ہے

اور بس، باقی کو آج کل خراسان نہیں کہتے۔ پہلے زمانے میں ازبکستان کو بھی خراسان کہتے تھے اور خوارزم بھی ازبکستان کا ایک حصہ اور خراسان میں شامل تھا، نیز کرغستان کا جنوبی حصہ اور ترکمانستان بھی خراسان میں شامل تھا۔

اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اے اصحاب حدیث! تم اس جوان سے احادیث کو لکھو، کیوں کہ اگر یہ حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی حدیث اور فقہ کی معرفت میں ان کے محتاج ہوتے۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۲۱)

قتیبہ بن سعید[1] فرماتے ہیں: میں فقہاء اور زاہدین وعابدین کے ساتھ بیٹھا، لیکن امام بخاری کا مثل نہیں دیکھا، اور وہ اپنی سچائی اور پرہیز گاری میں ایسے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۳۱)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی حفاظت کی تدبیر کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم جمع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔(صحیح البخاری، رقم: ۴۹۸۶) اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کی، اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بن گئے۔ اسی طرح اللہ تعالی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ صحیح احادیث کی حفاظت فرمائی۔ اگرچہ صحیح بخاری کے بعض راویوں پر کلام ہے، لیکن اکثر راوی ثقہ ہیں، اور جن راویوں پر کلام ہے ان میں اکثر امام بخاری کے شیوخ ہیں اور محدث اپنے شیخ کی صحیح وضعیف روایات کو اچھی طرح جانتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ جہاں کوئی ضعیف راوی ہے وہ اکثر فضائل اعمال میں ہے اور فضائل اعمال میں ضعیف روایت مقبول ہے، نیز ممکن ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ ضعیف نہ ہو۔ تو امام بخاری نے حدیث کی حفاظت میں وہ کام کیا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے قرآن کریم کی حفاظت میں کیا تھا۔

ابن خزیمہ فرماتے ہیں: میں نے روئے زمین پر امام بخاری سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۳۱)

---

(۱) قتیبہ بن سعید افغانستان کے بغلان شہر کے رہنے والے ہیں اور وہیں مدفون ہیں۔ امام بخاری بکثرت ان سے روایات لیتے ہیں۔

محمد بن بشار کہتے ہیں: دنیا میں حافظین حدیث چار ہیں: ابوزرعہ ری میں، مسلم نیشاپور میں، دارمی سمرقند میں، محمد بن اسماعیل بخاریؒ میں۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۲۲۶)

امام مسلم فرماتے ہیں: سوائے حسد کرنے والے کے کوئی آپ سے بغض نہیں رکھتا ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں۔(تاریخ بغداد ۲/ ۲۸)

رجاء بن المرجیٰ فرماتے ہیں: امام بخاری کو علماء پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے مردوں کو عورتوں پر۔ وہ روئے زمین پر اللہ کی چلتی پھرتی نشانی ہیں۔(تاریخ بغداد ۲/ ۲۵)

عمرو بن علی کہتے ہیں: جس حدیث کو محمد بن اسماعیل نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔(تاریخ بغداد ۲/ ۱۸)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کا تقوی، زہد و عبادت اور اتباع سنت:

فربری کہتے ہیں کہ نجم بن الفضل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے امام بخاری بھی چل رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر قدم رکھتے ہوئے آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔(تاریخ بغداد ۲/ ۱۰)

فربری اپنا ایک دوسرا خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ فربری نے کہا: محمد بن اسماعیل کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اسلام کہنا۔(تاریخ بغداد ۲/ ۱۰)

امام بخاری کی جائداد کا ہر مہینہ پانچ سو درہم کرایہ آتا تھا جسے آپ طالب علموں پر خرچ کرتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۴۹)

جفاکشی کی عادت امام بخاری کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، آپ فرماتے ہیں: میں آدم بن ابی ایاس کے پاس جارہا تھا راستہ میں زادراہ ختم ہو گیا یہاں تک کہ گھاس اور پتیاں کھا کر گزارہ کرنے لگا، لیکن کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دی، تیسرے دن ایک غیر معروف شخص نے آکر مجھے دنانیر کی ایک تھیلی دی اور کہا کہ اس کو اپنے اوپر خرچ کرو۔(طبقات الشافعیۃ الکبری ۲/ ۲۲۷)

ایک مرتبہ امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت آیا، بعض تاجروں نے شام کو آکر

پانچ ہزار نفع دے کر مال خریدنا چاہا، امام بخاری نے فرمایا: میں صبح اس کی بات پختہ کروں گا۔ صبح ہوئی تو دوسرے تاجر پہنچے ، انھوں نے بجائے پانچ ہزار کے دس ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا۔ امام بخاری نے اِن تاجروں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے بوقت شب اُس تاجر کو جو میرے پاس آیا تھا مال دینے کی نیت کر لی تھی اور میں اپنی نیت توڑنی پسند نہیں کرتا، چنانچہ وہ مال پہلے تاجر کے حوالے کر دیا اور پانچ ہزار کے اضافہ کی مطلق پروانہ کی۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۲)

عمر بن حفص الاشقر کہتے ہیں: ''ہم لوگ بصرہ میں حدیث لکھتے تھے ہمارے ساتھ امام بخاری بھی کتابت حدیث میں شریک تھے۔ امام بخاری کو ہم نے کئی روز کتابتِ حدیث میں شریک نہ پایا: تلاش ہوئی تو اپنے حجرہ میں اس حال میں ملے کہ خرچ بالکل ختم ہونے کی وجہ سے بدن کے کپڑے بھی فروخت ہو چکے تھے۔ بالآخر ہم نے کچھ دراہم جمع کر کے آپ کے لیے کپڑے خریدے، تو اس وقت سے وہ ہمارے ساتھ کتابت حدیث میں شریک ہوئے''۔ اور ایسی حالت گزر جانے پر بھی کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کی۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۳)

امام بخاری ایک مرتبہ بیمار ہوئے، جب ان کا قارورہ (پیشاب) طبیب کو دکھایا گیا تو طبیب نے کہا کہ یہ پیشاب اس راہب کے پیشاب کے ساتھ مشابہ ہے جو سالن نہیں کھاتا۔ امام بخاری نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا ہے۔ (تاریخ دمشق ۵۲/۸۰)

امام بخاری علمی مشغلہ کے باوجود سنت کی اتباع میں تیر کو نشانہ پر مارتے تھے اور سوائے دو مرتبہ کے ہمیشہ ان کا تیر نشانے پر لگتا تھا۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۴۴)

ایک مرتبہ آپ تیر نشانے پر لگا رہے تھے کہ آپ کا تیر ایک پل کی کھونٹی سے لگ گیا، آپ نے سواری سے اتر کر پل کے مالک سے معافی مانگی، پل کے مالک نے کہا ہماری ساری ملکیت آپ پر فدا ہے۔ یہ سن کر آپ خوش ہو گئے اور تین سو درہم صدقہ کیے۔ (ہدی الساری، ص ٦٦۵)

امام بخاری کو ایک مرتبہ بھڑ نے نماز کی حالت میں سترہ مرتبہ ڈنک مارا، لیکن آپ نے

نماز نہیں توڑی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب کپڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں بھڑ ہے جو آپ کو سترہ جگہ ڈنک مار چکی ہے اور ڈنک زدہ حصہ متورم ہو گیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۲)

ایک دفعہ ایک شخص امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے پچیس ہزار درہم دبا بیٹھا، آپ کے بعص ساتھیوں نے کہا کہ آپ اس سے اپنا قرض وصول کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: ہم کو مناسب نہیں کہ قرضدار کو پریشانی میں ڈالیں۔ پھر بعض ساتھیوں نے کہا کہ آپ حکومت سے مدد لیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں حکومت سے مدد لے کر اس کا ممنون منت نہیں بننا چاہتا اور نہ اپنا دین دنیا کے عوض بیچنا چاہتا ہوں۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۴۶، مختصراً)

امام بخاری فرماتے ہیں: مجھے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی امید ہے کہ اللہ تعالی کسی کی غیبت پر میرا مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۳)

آپ پر اعتراض کیا گیا کہ "تاریخ" میں آپ نے لوگوں کی برائی بیان کی ہے پھر کیسے فرماتے ہیں کہ آخرت میں میرا کوئی خصم نہیں ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہم نے اس کو نقل کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک شخص کے بارے میں «بئس أخو العشيرة» فرمایا تھا۔ (ہدی الساری، ص۶۶۵)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے مسلمانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اس کی برائی بیان فرمائی تھی۔ اسی طرح محدثین بھی رجال سند کے احوال سے لوگوں کو مطلع کرتے ہیں، تاکہ کوئی غلطی میں نہ واقع ہوجائے؛ اس لیے یہ غیبت نہیں چاہے محدث خود اپنی طرف سے کہے یا کسی سے نقل کرے۔

علماء فرماتے ہیں کہ چھ آدمیوں کی غیبت ناجائز غیبت نہیں ہے:

الذَّمُّ ليس بغِيبةٍ في سِتَّةٍ ۞ مُتَظَلِّمٍ ومُعرِّفٍ ومُحَذِّرٍ
ولِمُظهِرٍ فِسقًا ومُستَفْتٍ ومَنْ ۞ طلَب الإعانةَ في إزالةِ مُنكَرٍ

(قاله ابن أبي شريف (م:۹۲۳) كما في «سبل السلام» ۲/ ۶۷۱).

چھ آدمیوں کی غیبت ناجائز غیبت میں نہیں آتی: ۱- مظلوم ظالم کی فریاد حاکم وغیرہ

کے پاس کرے، ۲-یا تعارف کے لیے ہو، ۳-یا ڈرانے اور بچانے کے لیے ہو، ۴-یا اس شخص کی غیبت جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو، ۵-یا مستفتی سوال میں کسی کی قباحت بیان کرے کہ اس نے یہ معاملہ کیا، اس کا کیا حکم ہے، ۶-اور جو لوگوں سے کسی خلافِ شریعت چیز ہٹانے کے لیے کہہ دے، مثلاً لوگ اس منکر سے تنگ آچکے ہوں اس کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کو قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ رمضان میں نمازِ تراویح میں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے اور تراویح کے علاوہ ہر تیسرے روز سحر کے وقت ایک ختم کرتے اور ہر روز دن میں افطار کے وقت ایک قرآن کریم ختم کرتے۔ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ کشتی میں جارہے تھے، آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں، کشتی میں سوار ایک شخص کو ان اشرفیوں کی خبر ہوگئی، اس نے چیخنا چلانا شروع کیا کہ میرے پاس اتنی اشرفیاں تھیں وہ گم ہوگئیں پتا نہیں کس نے چوری کرلی۔ امام بخاری سمجھ گئے کہ یہ شخص میرے اوپر تہمت لگا کر میری اشرفیاں لینا چاہتا ہے، آپ نے آہستہ سے وہ سب اشرفیاں سمندر میں ڈال دیں۔ جب تلاشی لی گئی تو کسی کے پاس نہیں ملیں۔ جہاز سے اترنے کے بعد اس آدمی نے امام بخاری سے کہا کہ آپ کے پاس تو اشرفیاں تھیں، کہاں گئیں؟ آپ نے کہا: میں علم حدیث کی خدمت کرتا ہوں، میرے پاس جو اشرفیاں تھیں اگر چہ وہ میری تھیں، لیکن اگر اس وقت مل جاتیں تو میرے اوپر تہمت لگ جاتی اور پوری زندگی میں حدیث کے بیان سے رہ جاتا، کیوں کہ تہمت کی وجہ سے لوگ میری حدیث کو قبول نہیں کرتے، اس لیے میں نے اشرفیوں کے نقصان کو قبول کیا لیکن اپنے ثقاہت و عزت کو چند اشرفیوں کی وجہ سے خراب نہیں کیا۔ (مختصراً) (یہ واقعہ سیرۃ البخاری، ص ۶۷-۶۸، امداد الباری ۱/ ۴۶۱، فضل الباری ۱/ ۵۵ میں فتح الباری کے حوالے سے مذکور ہے، لیکن تتبع و تلاش بسیار کے بعد بھی یہ واقعہ فتح الباری و دیگر شروحات بخاری، اسی طرح تراجم کی کتابوں میں ہمیں نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم)۔

امام بخاری کا مسلک:

تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ (۲/۲۱۲) میں نواب صدیق حسن خان نے نے ابجد العلوم (۱/۶۴۰) میں امام بخاری کو شافعی کہا ہے۔ ابن ابی یعلی نے طبقات الحنابلہ (۱/۱۷۱) میں اورابن قیم نے إعلام الموقعین (۲/۱۷۰) میں حنبلی لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں آپ نہ حنبلی تھے، نہ شافعی اونہ حنفی تھے، بلکہ مجتہد تھے۔[1] اور بعض حضرات کا حنبلی یاشافعی کہنا بعض مسائل مشہورہ میں ان کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح بقیہ صحاح خمسہ کے مصنفین بھی ائمہ متبوعین میں سے کسی کے مقلد نہیں تھے، بلکہ مجتہد تھے، کبھی ان کا اجتہاد ایک مسئلے میں ایک امام کے موافق ہوتا تھا تو کبھی دوسرے امام کے۔ مثلا: امام بخاری رحمہ اللہ نے اگر رفع یدین، آمین بالجہر، قراءت خلف الامام میں شافعیہ کی موافقت کی ہے تو وضوء من القبلۃ، وضوء من مس الذکر، وضومن مس المرأۃ، اخفاءِ بسملہ، عدم تثلیث مسح راس، کلام فی الصلاۃ وغیرہ مسائل میں احناف کی موافقت کی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتلاءات کی تفصیل:

جو شخص علم کی خدمت کرتا ہو اس پر ابتلاءات بھی آتی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالی پر بھی آزمائشیں آئیں، یہاں تک کہ آپ کو چار مرتبہ نکالا گیا۔

پہلا خروج:

امام بخاری جب بغداد سے بخارا واپس آئے تو فتوی دیناشروع کر دیا۔ ابو حفص کبیر نے امام بخاری کو فتوی دینے سے منع فرمایا اور کہا کہ آپ فتوی دینے کے اہل نہیں ہیں، لیکن امام بخاری باز نہ آئے اور ایک مرتبہ یہ فتوی دیا کہ ایک بکری کا دودھ پینے والے بچہ اور بچی کے درمیان بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس فتوی کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو بخاریٰ سے نکال دیا۔ (الجواہر المضیۃ ۱/۶۷، تاریخ الخمیس لحسین بن محمد بکری ۲/۳۴۲)

---

(۱) قال العلامة محمد أنور شاه الكشميري: «إن البخاري عندي سلك مسلك الاجتهاد ولم يقلد أحدًا في كتابه». (فيض الباري ۱/۴۳۸، ط: دار الكتب العلمية)

یہ واقعہ مشکوک ہے کہ اتنے بڑے امام، محدث، مفسر اور فقیہ جس نے نوجوانی میں ہی ابن مبارک اور وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا، اس کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ بکری کی وجہ سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ مولانا عبد الرشید نعمانی نے ''ما تمس إلیہ الحاجۃ'' (ص۲۷) میں اس واقعے کو ممکن مانا ہے، لیکن علامہ عبد الحی لکھنوی نے ''الفوائد البہیۃ'' (ص۱۸) میں اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ اور شیخ جمال الدین قاسمی نے ''حیاۃ البخاری'' (ص۴۸-۵۵) میں متعدد دلائل کی روشنی میں اس واقعہ کو باطل قرار دیا ہے۔

دوسرا اخروج:

ائمہ بخارا نے ایک محضر لکھا تھا کہ ایمان غیر مخلوق ہے، جو ایمان کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ ابو حفص الزاہد اور شیخ ابو بکر الاسماعیلی جو حنفیہ کے اکابر میں سے تھے، انھوں نے اس محضر پر دستخط کیے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو ایمان کو مخلوق کہنے کی وجہ سے بخارا سے نکال دیا گیا، جن میں امام بخاری بھی تھے۔ (فصول العمادی ص۳۷۵، مخطوط)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے حالاتِ زندگی کتب تاریخ وتراجم میں مفصل لکھے گئے ہیں، صرف آپ کے حالات پر بھی علماء نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی یہ واقعہ کتب تاریخ وتراجم میں نہیں مل سکا۔ اس واقعہ کو صرف ابو الفتح عبد الرحیم بن ابی بکر المرغینانی نے ''فصول العمادی'' جس کا اصل نام ''فصول الإحکام فی أصول الأحکام'' ہے صفحہ ۳۷۵ پر بلا سند صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایمان کو مخلوق کہنے کی تفسیر یہ ہے کہ اگر ایمان کے معنی ''لا الہ إلا اللہ'' ہوں۔ تو ''لا الہ الا اللہ'' اللہ تعالی کی صفت ہے اور اللہ تعالی کی صفت مخلوق نہیں ہے، اس لیے ایمان مخلوق نہیں۔ لیکن اگر ایمان سے مراد اقرار باللسان، تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان ہو، تو یہ حادث ہے اور اس معنی میں ایمان مخلوق ہے۔ مثلاً ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے ایک ہونے کی تصدیق کی، جب ہم پیدا نہیں ہوئے تھے تو تصدیق نہیں تھی، جب ہم پیدا ہوئے تو تصدیق کر لی، تو ہم بھی حادث ہیں اور ہماری تصدیق بھی حادث ہے۔ اور یہ کوئی ایسی

بات نہیں جو باعث خروج ہو۔ لیکن یہ لکھاہے کہ ایمان کو مخلوق کہنے کی وجہ سے ان کو نکالا گیا۔

تیسرا خروج:

محمد بن یحیی ذہلی امام بخاری کے استاذ تھے اور آپ ان سے بخاری میں روایات لیتے ہیں؛ لیکن کبھی دادا کا نام لے کر محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں اور کبھی دادا کے باپ کا نام لے کر محمد بن خالد کہتے ہیں اور کبھی صرف محمد کہتے ہیں، محمد بن یحییٰ نہیں کہتے۔ باوجود اس کے کہ محمد بن یحییٰ کے ساتھ امام بخاری کی تلخی پیدا ہو گئی اور ان سے ناراض ہو گئے تھے پھر بھی ان سے روایات لیتے ہیں۔ امام مسلم ان سے روایت نہیں لیتے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپور کے رہنے والے تھے، انھوں امام بخاری سے درخواست کی کہ آپ یہاں آجائیں تاکہ لوگ آپ سے استفادہ کریں۔ امام بخاری بخاریٰ سے نیشاپور آئے اور شہر سے کئی میل باہر لوگوں نے امام بخاری کا استقبال کیا اور بہت اکرام کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کو لے آئے، جب امام بخاری کا درس شروع ہوا تو ان کے درس میں بے شمار لوگ آئے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی کے اشارے پر یا اتفاقاً کسی نے سوال کیا کہ قرآن کریم مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری نے جواب دینے سے اعراض کیا۔ جب بار بار اس نے سوال کیا تو امام بخاری نے فرمایا: «القرآن كلام الله غير مخلوق وأفعال العباد مخلوقة». اور ایک روایت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا: «أفعالنا مخلوقة وألفاظنا من أفعالنا». (ان الفاظ میں بظاہر کوئی حرج نہیں، یعنی قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور الفاظ ہمارے افعال ہیں اور وہ مخلوق ہیں)۔ بہر حال لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ امام بخاری قرآن کریم کو مخلوق کہتے ہیں۔ اس وجہ سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنے تلامیذ کو منع کیا کہ آپ بخاری کے پاس نہ جائیں، انھوں نے امام مسلم کو بھی منع کیا، لیکن امام مسلم نہ رکے اور امام ذہلی سے لکھی ہوئی احادیث اونٹوں پر لاد کر ان کے پاس بھیج دیں۔ یہ سلسلہ کچھ مدت تک چلا، پھر امام بخاری کو کسی نے مشورہ دیا کہ اس علاقہ یعنی نیشاپور وغیرہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی اور ان کے تلامیذ کا اثر ورسوخ زیادہ ہے اس لیے آپ کو یہاں سے نکل جانا چاہیے؛ چنانچہ امام

بخاری رحمہ اللہ تعالی وہاں سے نکل کر بخاریٰ واپس آ گئے۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۵۳-۴۶۰)

چوتھا خروج:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی جب نیشاپور سے بخارا آئے تو اہل بخارا نے ان کی آمد پر زبردست استقبال کیا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶۳)

امام بخاری کے نیشاپور سے بخارا آنے کے بعد پھر بخارا سے آپ کے خروج سے متعلق چار طرح کی حکایات ملتی ہیں:

۱- امام ذہلی نے حاکم بخارا خالد بن احمد کو امام بخاری کے خلاف خط لکھا، جس کی وجہ سے امیر بخارا نے آپ کو بخارا سے نکال دیا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶۳)

۲- دوسری حکایت یہ ہے کہ خالد بن احمد حاکم بخارا نے امام بخاری سے درخواست کی کہ آپ میرے یہاں آ کر الجامع الصحیح اور تاریخ وغیرہ کا درس دیں۔ امام بخاری نے کہلا بھیجا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرتا اور نہ ہی علم کو لے کر لوگوں کے دروازوں پر جاتا ہوں، اگر تمھیں ضرورت ہو تو میری مسجد یا میرے گھر حاضر ہو کر درس میں شرکت کرو اور اگر تمھیں یہ بات پسند نہ ہو تو تم حاکم ہو مجھے درس سے روک سکتے ہو، تاکہ قیامت کے روز اللہ کے سامنے میں اپنا عذر پیش کر سکوں، کیوں کہ میں ارشاد نبوی «من سُئل عن علم فكتمه أُلجِم بلِجام من نار» کی وجہ سے علم کو چھپا نہیں سکتا۔ چنانچہ یہ واقعہ آپ کے اور حاکم بخارا کے درمیان نفرت کا سبب بنا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶۴)

۳- تیسری حکایت یہ ہے کہ بخارا کے حاکم خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری سے کہا کہ آپ میرے گھر آ کر میرے بچوں کو "صحیح بخاری" اور "تاریخ کبیر" پڑھائیں۔ امام بخاری نے امیر بخاریٰ کے گھر جا کر پڑھانے سے منع کر دیا، پھر امیر بخاریٰ نے آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ صرف امیر کے بچوں کے لیے خاص مجلس منعقد کریں، جس میں دوسرے شریک نہ ہوں۔ امام بخاری نے اس سے بھی منع کر دیا، اس پر خالد بن احمد امیر بخاریٰ ناراض ہوا اور حریث بن ابی الورقاء وغیرہ کے ساتھ مل کر اس نے امام بخاری کو شہر سے نکال دیا۔

اور ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرتا تھا کہ خالد بن احمد حاکم بخاریٰ کے اوپر بھی عتاب اور آزمائشیں آئیں، عباسی بادشاہ نے اس کو معزول کیا اور سزا دی۔ اور جو دوسرے لوگ امام بخاری کے نکالنے میں شریک تھے وہ بھی آزمائشوں میں گرفتار ہوئے۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۶۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالی نے پہلی حکایت کو شاذ اور منقطع کہاہے اور دوسری و تیسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۶۵)

۴- چوتھی حکایت یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی نے نیشاپور کے واقعے کے بعد بخاریٰ کے امیر اور مشائخ کے پاس انکا واقعہ لکھ بھیجا تھا، اور محمد بن احمد بن حفص (ابو حفص صغیر) نے امام بخاری کو رباط بخاری کی طرف نکال دیا تھا۔(سیر أعلام النبلاء ۱۲/۶۱۷)

لیکن یہ واقعہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ امام بخاری اور ابو حفص صغیر اسفار علمیہ میں ساتھ تھے، ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرتے تھے اور ابو حفص صغیر کے والد احمد بن حفص (ابو حفص کبیر) امام بخاری کے والد اسماعیل کے ساتھیوں میں تھے، اس لیے جب تک منافرت کا سبب معلوم نہ ہو اس قصہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ تعالی بخارا سے نکل کر بیکند پہنچے، وہاں بھی آپ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا ایک فریق آپ کے موافق تھا تو دوسرا آپ کے مخالف۔ اسی دوران اہلِ سمرقند نے آپ کو دعوت دی، آپ سمرقند جانے کے لیے روانہ ہوئے اور ابھی آپ کچھ ہی دور خرتنک تک پہنچے تھے کہ معلوم ہوا کہ سمرقند والوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ امام بخاری کو بلائیں یا نہ بلائیں؛ اس لیے امام بخاری نے سمرقند جانے کا ارادہ موقوف کر دیا اور وہیں خرتنک میں اپنے بعض رشتہ داروں کے پاس قیام کیا۔ پھر امام بخاری کو معلوم ہوا کہ سمرقند والوں نے اتفاق کر لیا ہے کہ آپ کو آنا چاہئے۔ یہ خبر سن کر امام بخاری رحمہ اللہ تعالی جانے کے لیے تیار ہوئے، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے چند دعائیں کیں، ایک دعا یہ کی: «اللهم إنه قد ضاقت عليَّ الأرض بما رحبت، فاقبضني إليك غير مفتون». (اے اللہ! بیشک زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے، اس لیے آپ مجھے

آزمائش میں مبتلا ہوئے بغیر اپنی طرف اٹھالیجئے۔)

ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ آپ کے پاس سواری لائی گئی، لیکن سواری پر سوار ہونے سے پہلے ہی امام بخاری رحمہ اللہ تعالی بیمار ہوگئے اور بہت پسینہ نکلااور وہیں پر چند دن کے اندر لیلۃ العید میں آپ کا انتقال ہوگیااور عید کے روز آپ کو دفن کیا گیا۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ کو دفن کرنے کے بعد آپ کی قبر سے کئی دنوں تک ایسی خوشبو آتی رہی جو دنیاوالی خوشبو نہیں تھی۔ لوگ وہاں سے مٹی اٹھانے لگے اور کافی دنوں کے بعد بعض حضرات کی دعا سے یہ سلسلہ بند ہوا۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۵۳-۴۶۹)

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پاکستان میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالی کی قبر سے کئی دن تک خوشبو آتی رہی اور جنھوں نے اس خوشبو کو سونگھا تھا ان میں سے آج بھی بہت سے باحیات ہیں، پھر بعد میں بعض بزرگوں مولانا عبد اللہ درخواستی وغیرہ کی دعاؤں سے یہ سلسلہ بند ہوگیا۔

عبد الواحد بن آدم طواویسی کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے جواب دیا، میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام بخاری آرہے ہیں میں ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوں۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶)

اگر کوئی اشکال کرے کہ موت کی دعا مانگنا ممنوع ہے، حدیث میں آتا ہے: موت کی تمنا مت کرو اور اگر کرتے ہو تو یوں کہو: اے اللہ مجھے حیات دے جب تک کہ میرے لیے حیات بہتر ہے، اور موت دیدے جب میرے لیے موت بہتر ہو۔ (صحیح البخاری، رقم: ۵۶۷۱)

جواب: اگر موت کی تمنا کسی دنیوی مصیبت کی وجہ سے ہو تو ممنوع ہے اور اگر موت کی تمنا لوگوں کے ایمان بچانے یا اپنے آپ کو فتنے سے بچانے کے لیے ہو، یا آخرت اور اللہ تعالی کی ملاقات کے شوق میں ہو تو ممنوع نہیں ہے۔ امام بخاری کی دعا لوگوں کو فتنے سے بچانے کے لیے تھی، کیوں کہ لوگ امام بخاری سے بغض و عناد میں مبتلا ہو رہے تھے۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو فتنے تھے، سب کو معلوم ہے، اسی زمانے میں جنگ جمل و جنگ صفین ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اللهم إني قد سَئِمتُهم، وسَئِمُوني، فأرِحْني منهم وأرِحْهم مني». (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:۳۸۲۵۵)۔ اے اللہ! مجھے وفات دیدے؛ اس لیے کہ میں ان سے تنگ آگیا اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔

اسی طرح جب فرعون نے مسلمان ہونے والے ساحرین کو دینِ حق سے پھیرنا چاہا اور قتل کی دھمکی دی اور انہیں اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے دعا کی: ﴿رَبَّنَآ أَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرٗا وَتَوَفَّنَا مُسۡلِمِينَ﴾ (الأعراف: ۱۲۶)

اسی طرح جب حضرت مریم کو دردِ زہ شروع ہوا اور انہیں اپنے اُوپر تہمت کا اندیشہ ہوا اور لوگوں کے فتنے میں پڑنے کا خوف ہوا تو انھوں نے موت کی تمنا کی: ﴿يَٰلَيۡتَنِي مِتُّ قَبۡلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسۡيٗا مَّنسِيّٗا﴾ (مریم: ۲۳) اور فتنہ ظاہر ہے کہ بعض لوگ ان کو گناہ کی طرف منسوب کریں گے، اور بعض لوگ ان کو اُلوہیت تک پہنچائیں گے۔

اسی طرح آخرت کے شوق میں موت کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عمار، حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے موت کی تمنا کی، جنگ صفین کے موقع پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: «اليوم ألقي الأحبة محمدًا وحزبه». (مسند البزار، رقم:۱۴۱۰) اور حضرت حذیفہ وحضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے موت کے وقت خوش ہو کر فرمایا: «حبيب جاء على فاقة». (حلیۃ الأولیاء ۱/۲۳۹و۲۸۲) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے موقع پر بغیر تلوار کے گھوم رہے تھے، آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تو ایسے گھوم رہے ہیں، جیسا کہ آپ اپنے گھر میں ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرما: مجھے پرواہ نہیں ہے کہ میں موت پر گر جاؤں یا موت میری طرف آئے۔ (تخریج أحادیث الکشاف ۱/۴۷) ایک تو شاعر لوگ ہیں جو خواہ مخواہ موت کی زبانی تمنا کرتے ہیں، مثلاً:

أَلا موتٌ يُباع فأَشتَرِيهِ ۞ فهذا العيشُ ما لا خيرَ فيهِ

ألا موتٌ لذيذ الطَّعم يأتي ۞ يخلِّصني من الموت الكريه

إذا أَبْصَرتُ قبرًا من بعيدِ ۞ ودِدْتُ لو أنّني صُيرت فيهِ
أَلا رحِم المهيمنُ نفسَ حُرٍّ ۞ تصدَّق بالوفاةِ على أخيهِ
(قاله الوزير المُهَلَّبي، كما في الوافي بالوفيات ١٢/١٤٠).

کاش موت بیچی جاتی کہ میں اسے خرید لیتا، کیا یہ بھی زندگی ہے جس میں کوئی خیر نہیں! کاش مزید ار موت آکر ناپسندیدہ موت سے نجات دیتی۔ جب مجھے دور سے کوئی قبر نظر آتی ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ کاش میں پہنچا دیا جاتا۔ کاش کوئی رحم کرنے والا آزاد جان پر رحم کرتا اور اپنے بھائی کو موت صدقہ میں دیتا۔

امام بخاری کی مصنَّفات:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد بیش بہا کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے اکثر چھپ چکی ہیں اور بعض مفقود ہیں:

۱-الجامع الصحیح، ۲-الادب المفرد، ۳-التاریخ الکبیر، ۴-التاریخ الاوسط، ۵-التاریخ الصغیر، ۶-جزء رفع الیدین، ۷-جزء قراءۃ خلف الامام، ۸-خلق افعال العباد، ۹-الجامع الکبیر، ۱۰-المسند الکبیر، ۱۱-التفسیر الکبیر، ۱۲-کتاب الضعفاء، ۱۳-اسامی الصحابہ، ۱۴-برالوالدین، ۱۵-کتاب الکنیٰ، ۱۶-کتاب العلل، ۱۷-کتاب الاشربۃ، ۱۸-کتاب الہبۃ، ۱۹-الکبیر فی معجم الصحابۃ، ۲۰-کتاب الوحدان، ۲۱-کتاب المبسوط، ۲۲-کتاب الفوائد۔ (ہدی الساری، ص ۶۷۹)

یہ سب امام بخاری کی تصنیفات ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مشہور تصنیف آپ کی الجامع الصحیح ہے۔

صحیح بخاری کا تعارف

صحیح بخاری کا نام:

«الجامع المسنَد الصحيح المختصَر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسُنَنِه وأيامه».

یا: «الصحيح الجامع المسنَد من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وسُنَنِه وأيامه». حافظ ابن حجر اور بہت سے دیگر شارحینِ صحیح بخاری نے یہ دوسرا نام تحریر کیا ہے، لیکن شیخ عبد الفتاح اَبو غدہ رحمہ اللہ تعالی نے پہلے نام کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تحقیق اسمي الصحیحین، واسم جامع الترمذی، ص۹-۱۲)۔

سنِ تالیف و مدتِ تالیف:

اتنی بات تو یقینی ہے کہ اس کتاب کی مدت تالیف سولہ (۱٦) سال ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالی خود فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح بخاری ۱٦ سال میں لکھی: «صنفتُ الصحيحَ في ستَّ عشرة سنة». (سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۰۵)، لیکن اس کی ابتدا وانتہا کا یقینی علم نہیں؛ البتہ ایک اندازے کے مطابق امام بخاری نے اس کتاب کی تصنیف ۲۱۷ھ میں شروع کی اور ۲۳۳ھ میں ختم کی؛ اس لیے کہ امام بخاری نے اس کتاب کو جن حضرات پر پیش کیا ہے ان میں یحییٰ بن معین بھی شامل ہیں، جنھوں نے ۲۱ یا ۲۳ ذوالقعدہ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ معلوم ہوا کہ ۲۳۳ھ کی ابتدا میں یا اس سے پہلے یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی۔ اب اگر ۲۳۳ میں سے ۱٦ نکالیں تو ۲۱۷ بچتا ہے۔ لیکن یہ ایک اندازہ ہے یقینی بات نہیں، ممکن ہے کہ یحییٰ بن معین کے سامنے پیش کرنے سے چند سال پہلے ہی آپ اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو چکے ہوں۔

سببِ تالیف:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اس کتاب کو تصنیف کرنے کی دووجوہات بیان فرمائی ہیں:

١- امام بخاری فرماتے ہیں: «كنا عند إسحاق بن راهويه، فقال لنا بعض أصحابنا: لو جمعتم كتاباً مختصرًا لسنن النبي صلى الله عليه وسلم. فوقع ذلك في قلبي فأخذت في جمع هذا الكتاب». (تاریخ بغداد ٨/٢)

ہم اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں تھے، ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا: اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو کسی مختصر کتاب میں جمع کرتے (تو اچھا ہوتا)۔ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

"ہدی الساری" اور اکثر شروحاتِ بخاری میں اس ترغیبی قول کو اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب کرنے کے ساتھ صحیح روایات کی تخصیص کا بھی ذکر ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے صرف صحیح روایات جمع کرنے کی ترغیب دی تھی؛ جبکہ حافظ ابن حجر اور اکثر شراح نے بھی اس قول کو خطیب بغدادی کی سند سے نقل کیا ہے، اور "تاریخ بغداد" کی عبارت وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں صرف صحیح روایات جمع کرنے کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔

٢- دوسری وجہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے مکھی دفع کررہاہوں۔ میں نے بعض معبرین سے اس کی تعبیر معلوم کی تو فرمایا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کذب کو دور کریں گے۔ یہی وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے میں نے الجامع الصحیح لکھنے کا اردہ کرلیا۔ (ہدی الساری، ص٧)

٣- تیسری وجہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے ایک تیسری وجہ بھی بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ امام بخاری کے زمانے میں جو کتب احادیث موجود تھیں ان میں صرف صحیح روایات جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا تھا، بلکہ صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی روایات تھیں؛ اس لیے

امام بخاری نے ایک ایسی کتاب کی تصنیف کاارادہ فرمایاجس میں صرف صحیح اور مرفوع روایات ہی ہوں۔ اور مذکورہ دونوں واقعات سے اس ارادہ کی تائید بھی ہوگئی۔(ہدی الساری، ص۷)

کیفیتِ تالیف و مکانِ تالیف:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کو سولہ(۱۶) سال کی مدت میں چھ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے جمع کیا، اور بہت سی صحیح احادیث کو ضخامت کے بڑھ جانے کے خوف سے چھوڑ بھی دیا۔ ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔(تاریخ بغداد ۲/۹، سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۰۲)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے تراجم کو قبر اطہر اور منبر کے درمیان تبییض و ترتیب دیااور ہر ترجمے پر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔(تاریخ بغداد ۲/۹، سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۰۴)

امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے اپنی کتاب ”الجامع“ مسجد حرام میں لکھی اور ہر حدیث درج کرنے سے پہلے استخارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور صحت کا یقین کر لینے کے بعد اسے کتاب میں داخل کیا۔(ہدی الساری، ص۶۷۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب کے ابواب کا مسودہ مسجد حرام میں تیار کیا، اور پھر مسجد نبوی میں قبر اطہر اور منبر کے درمیان اس مسودہ کی تبییض کی، پھر سولہ (۱۶)سال تک مختلف جگہوں پر ان ابواب کے تحت احادیث کی تخریج کرتے رہے۔(ہدی الساری، ص۶۷۵-۶۷۶)

صحیح بخاری کی کتب، ابواب اور احادیث کی تعداد:

نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے صحیح بخاری کی کتب و ابواب اور احادیث کی تعداد میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

تعدادِ کتب:

علامہ توقادی نے ”مفتاح صحیح البخاری“ کے مقدمہ میں صحیح بخاری کی کتب کی تعداد

٦٨ لکھی ہے۔ شیخ مصطفی بیومی نے "دلیل فہارس البخاری" میں لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی کتب کی تعداد ۸۷ یا ۹۷ ہے۔ شیخ رضوان کی کتاب "فہارس البخاری" سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی کتب کی تعداد ۹۱ ہے۔[۱] جبکہ محمد فواد عبدالباقی کی ترقیم کے مطابق ۹۷ ہے۔ اور علامہ کرمانی وحاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی کتب کی تعداد سو سے زائد ہے۔[۲]

کتب کی تعداد میں یہ اخلاف نسخوں کے مختلف ہونے اور بعض ابواب کو کتاب شمار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

تعدادِ ابواب:

علامہ کرمانی اور حاجی خلیفہ نے ۳۴۵۰، علامہ توقادی نے ۳۷۳۰، شیخ رضوان نے ۳۷۷۷ بیان کیا ہے، اور بعض نے ۳۸۸۹ یا ۳۸۹۰ ذکر کیا ہے۔

تعداد روایات:

صرف موصول غیر مکرر روایات ۲۳۵۳ ہیں، اور معلق ومتابع غیر مکرر ۱٦۰ ہیں، اس طرح کل غیر مکرر روایات ۲۵۱۳ ہیں۔ (فتح الباری ۱۳/ ۵۴۳)

اور قسطلانی نے حافظ ابن حجر سے موصول غیر مکرر روایات کی تعداد ۲٦۰۲، اور معلق غیر مکرر روایات کی تعداد ۱۵۹ نقل کی ہے، جس کا مجموعہ ۲۷٦۱ ہوتا ہے۔(ارشادالساری ۱/ ۲۸)

علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں ، اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں متعدد جگہ اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے ، "ہدی الساری" (ص ٦۵۱- ٦۵۳) میں فرماتے ہیں: "کل موصولات ۷۳۹۷، معلقات ۱۳۴۱، اور متابعات وغیرہ ۳۴۱ ہیں، اس طرح سے کتاب کی تمام رایات کی مجموعی تعداد ۹۰۸۲ ہوتی ہے"۔

شاید حافظ ابن حجر سے متابعات کی تعداد ذکر کرنے میں سہو ہوا، کیوں کہ مذکورہ اعداد شمار کا مجموعہ نو ہزار اناسی (۹۰۷۹) بنتا ہے۔ چنانچہ قسطلانی نے "ارشادالساری" (۱/ ۲۸) میں

---

(۱) الإمام البخاري وصحيحه، للدكتور عبد الغني عبد الخالق، ص۱۸۰، ط: دار المنارة، جدة.
(۲) دليل القاري إلى مواضع الحديث في صحيح البخاري، ص۷-۸. مفتاح كنوز السنة، ص۲٤. الكوكب الدراري، للكرماني ۱۲/۱، ترجمة البخاري. كشف الظنون ۱/ ٥٤۱.

حافظ ابن حجر کا کلام نقل کرتے ہوئے متابعات کی تعداد ۳۴۴ بتائی ہے اور اس طرح مجموعی حساب ۹۰۸۲ ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ مکررات کے ساتھ کل ۷۲۷۵ روایات ہیں۔ (مقدمة ابن الصلاح، ص۱۷).

صحیح بخاری کی چند خصوصیات:

۱- اس کتاب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف فرمائی ہے؛ ابوزید مَروزی فرماتے ہیں: میں رکن اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا: ابوزید! کب تک تم (امام) شافعی کی کتاب پڑھتے رہوگے، میری کتاب نہیں پڑھتے؟ ابوزید نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل کی جامع۔ (سیر أعلام النبلاء ۱۲/۴۳۸)

۲- یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کتب حدیث میں سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری ہے۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا، اور بہت سی صحیح احادیث کو ضخامت کے بڑھ جانے کے خوف سے چھوڑ بھی دیا۔ (تاریخ بغداد ۲/۹)

عقیلی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس کتاب کو امام احمد، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی وغیرہم کو دکھائی تو ان لوگوں نے اس کو پسند کیا اور صحت کی شہادت دی؛ مگر صرف چار احادیث میں۔ عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار احادیث میں بھی بخاری ہی کا قول صحیح ہے، اس لیے کہ وہ احادیث بھی صحیح ہیں۔ (ہدی الساری، ص۷)

۳- بخاری شریف کی تلاوت کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ خصوصاً اسماء بدریین کی تلاوت کے وقت۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے "ہدی الساری" ص۱۴، میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے "بستان المحدثین" ص۲۷۴ میں، اور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالی نے "مقدمہ لامع الدراری" ص۲۴ و ۸۴ میں بعض عارفین کے تجربہ کا ذکر کیا ہے۔

۴- اس میں مصنف نے تراجم الابواب کو رکھا ہے جو دقیق ہیں اور لطائف و مذاہب سے بھرے ہوئے ہیں، اسی لیے علماء فرماتے ہیں: «فقه البخاري في تراجمه». (ہدی الساري، ص۱۴) اس جملے کے دو مطلب ہیں: ۱- اگر آپ بخاری کے مذہب اوران کی فقاہت کو معلوم کرنا چاہتے ہیں توان کے تراجم کو دیکھئے۔ ۲- اگر آپ امام بخاری کے لطائف، نزاکت، دقت فہم اور حکمت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو تراجم کو دیکھئے۔ اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ تمام تراجم الابواب میں امام بخاری کے تراجم سب سے مشکل ہیں۔ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالی نے تراجم الابوب کے لیے اپنی تقریر بخاری میں تقریبا۵۰/اصول لکھے ہیں۔

۵- اگر کسی وجہ سے دوران تصنیف وقفہ ہو جاتا تو امام بخاری دوبارہ بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔

٦- جہاں کسی کے قول کو بطور مذاکرہ نقل کرتے ہیں وہاں «قال فلان» کہتے ہیں، «حدثني» نہیں کہتے۔ اور ضعیف روایت کے لیے صیغۂ تمریض استعمال کرتے ہیں اور کبھی کبھی روایت بالمعنی کے لیے بھی تمریض کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔

۷- جہاں ایک کتاب ختم ہوتی ہے اور دوسری کتاب یا باب شروع ہوتا ہے تو اس کے آخر میں ایسا کلمہ لاتے ہیں جو کلمہ کتاب کے ختم ہونے پر دال ہو یا بقول حضرت شیخ مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے وہ کلمہ انسان کے ختم ہونے اوراس کی موت پر دال ہو۔ اس عمل کو براعۃ الاختتام کہتے ہیں۔ براعۃ کی دو قسمیں ہیں: ۱- براعۃ الاستہلال، ۲- براعۃ الاختتام۔ براعۃ الاستہلال اس کو کہتے ہیں کہ کتاب کے خطبہ میں ایسے کلمات لائے جائے جو کتاب کے مضمون پر دلالت کرتے ہوں۔ استہلال کے معنی ہیں: بچے کا ولادت کے وقت رونا۔ جس طرح بچے کا رونا اس کی حیات پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح براعۃ الاستہلال آنے والے مضامین پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح استہلال کے معنی ہیں: چاند تلاش کرنا، دیکھنا۔ اور چاند کا تلاش کرنا اکثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ چاند ہے۔ اور جو شخص پہلی رات کا چاند دیکھتا ہے وہ دوسروں کو بھی دکھاتا ہے۔ اور براعۃ کے معنی ہیں: تفوق۔ اور جس خطبہ میں کتاب

کے مضامین کی طرف اشارہ ہو وہ دوسرے خطبوں پر فائق ہوتا ہے۔

٨- صحاح ستہ میں صرف صحیح بخاری کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں بائیس (٢٢) ثلاثیات ہیں، جن میں گیارہ مکی بن ابراہیم سے اور چھ ابو عاصم نبیل سے مروی ہیں، یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے براہ راست شاگرد ہیں۔ اور تین محمد بن عبداللہ انصاری سے جو امام ابویوسف اور امام زفر کے شاگرد ہیں۔ اور ایک ایک حدیث عصام بن خالد اور خلاد بن یحییٰ سے مروی ہے اور ان دونوں کا حنفی ہونا معلوم نہیں۔ ثلاثی حدیث میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ خیر القرون: صحابی، تابعی اور تبع تابعی پر مشتمل ہوتی ہے۔

٩- اس میں احادیث مکررہ کم ہیں اور جو احادیث بظاہر مکرر ہیں ان میں حقیقۃً تکرار نہیں، یا سند الگ ہوگی، یا متن میں فرق ہوگا، یا کچھ اضافہ وترمیم ہوگی؛ اسی لیے امام بخاری کتاب الحج، باب التعجیل إلی الموقف (ص٢٢٦) میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس جگہ حدیث مالک عن ابن شہاب کو اس لیے درج نہیں کیا تاکہ مکرر نہ ہو۔

١٠- اس کے کتب وابواب کے درمیان ربط ومناسب پائی جاتی ہے۔

١١- اس میں جو متکلم فیہ راوی ہیں وہ اکثر امام بخاری کے اساتذہ ہیں۔ اور استاذ کو آدمی اچھی طرح جانتا ہے، اس لیے اگر لوگ اسے ضعیف کہتے ہیں تو کہتے رہیں، مصنف کو معلوم ہے کہ اس روایت میں کوئی ضعف نہیں۔

ایصالِ ثواب، حصولِ برکات اور دفعِ مصائب کے لیے صحیح بخاری کا ختم احیاناً صحیح ہے:

فی نفسہ صحیح بخاری کا ختم باعثِ ثواب ہے۔ بخاری شریف کا ختم کرنا حصولِ برکات اور دفعِ مصائب کی غرض سے اور جو پڑھا گیا ہے اس کا ثواب میت کو پہنچانا مفید اور باعثِ خیر ہے۔ اگر مقصود عبادت نہ ہو اور سنت سمجھ کر بھی نہ کیا جائے تو جس طرح ہمارے اکابر کے یہاں ختم خواجگان اور ختم یسین کا معمول ہے اور یہ بطور عبادت نہیں ہے تو ختمِ بخاری شریف کی بھی گنجائش ہونی چاہئے۔

ختم بخاری شریف کے بعد دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ سلف میں بہت سے حضرات اپنی مرادوں کے حصول، دفعِ مصائب اور مریض کی شفا کے لیے بخاری شریف کی تلاوت فرماتے تھے اور اپنے مقاصد میں وہ کامیاب بھی ہوئے؛ البتہ یہ اس وقت درست ہو گا جب کسی رسم ورواج کی پابندی اور دباؤ، تاریخ اور دن کی تعیین، دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام کے بغیر میت کے متعلقین، خیر خواہ اور اعزاء واقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر ختم بخاری شریف کر لیں تو یہ مفید اور باعثِ ثواب وخیر ہو گا۔ اور اگر یہ ختم رسم ورواج کی پابندی کی خاطر ہو اور لوجہ اللہ نہ ہو تو یہ ثواب کے بجائے عذاب کا سبب بن سکتا ہے۔

سلف کے واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے بخاری شریف کا ختم صحیح ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی شہادت پر تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مد ظلہ فرماتے ہیں: آج ہم نے اپنے جامعہ دارالعلوم کراچی میں اسباق بند کر کے ان کے لیے دعائیں کی ہیں، ختم کروائے ہیں، ختم قرآن بھی ہوا، ختم خواجگان بھی ہوا، ختم آیت کریمہ بھی ہوا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بخاری شریف کے پانچ ختم ہوئے؛ کیونکہ ختم بخاری کے بعد دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔ بزرگوں کا بھی یہ معمول رہا ہے۔ الحمد للہ ان کے لیے خوب دعائیں ہوئی ہیں۔ (ماہنامہ البلاغ، ص١٦، ربیع الاول ١٤٤٠ھ / دسمبر ٢٠١٨)۔

علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: «قال الشيخ أبو محمد عبد الله بن أبي جمرة: قال لي مَن لقيت من العارفين عمن لقيه من السادة المقرّ لهم بالفضل: إن صحيح البخاري ما قُرِىء في شدة إلا فُرِّجتْ، ولا رُكِب به في مَركَب فغرقت. قال: وكان مُجاب الدعوة وقد دعا لقارئه رحمه الله تعالى». (إرشاد الساري ٢٩/١. فتح الباري ١٣/١).

شیخ ابو محمد عبد اللہ بن حمزہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض عارفین نے بعض اہل فضل سے نقل کیا کہ صحیح بخاری جس مشکل میں بھی پڑھی گئی وہ مشکل دور ہو گئی، اور اس کے ساتھ

جس کشتی میں بھی سفر کیا گیا وہ کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہی۔ فرمایا: امام بخاری مستجاب الدعوات تھے، انھوں نے اپنی کتاب پڑھنے والے کے لیے دعائے خیر کی ہے۔ اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: «وكتابه الصحيح يستقى بقراءته الغمام، وأجمع العلماء على قبوله وصحة ما فيه، وكذلك سائر أهل الإسلام». (البداية والنهاية ١١/٢٤، ط: دار الفكر).

امام بخاری کی کتاب صحیح کو پڑھ کر بارش طلب کی جاتی ہے۔ اس کتاب کی قبولیت اور اس میں موجود احادیث کی صحت پر علماء اور اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: «قيل: ويسمى الترياق المجرب. ونقل السيد جمال الدين عن عمه السيد أصيل الدين أنه قال: قرأت البخاري مئة وعشرين مرة للوقائع والمهمات لي ولغيري، فحصل المرادات، وقضى الحاجات». (مقدمة مرقاة المفاتيح ١/١٥، ط: دار الفكر).

بیان کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری کو مجرب وظیفہ کہا جاتا ہے۔ سید جمال الدین نے اپنے چچا سید اصیل الدین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے اور دوسرے کی خاطر احوال اور ضروری امور کے لیے بخاری کو ١٢٠ مرتبہ پڑھا، تو مقاصد حاصل ہوئے اور حاجات پوری ہوئیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے: «مشائخ اور معتبر علماء نے حصولِ مراد اور قضائے حاجات، بلاء و مصیبت سے نجات کے لیے بخاری خوانی کی ہے۔ اس کی برکت سے مراد کو پالیتے تھے اور مقصود حاصل ہو جاتا تھا اور یہ مشائخ اس کو مجرب وظیفہ سمجھتے تھے اور یہ بات محدثین علماء کے نزدیک مشہور تھی، چنانچہ میر جمال الدین اپنے استاذ شیخ سید اصیل الدین سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً ١٢٠ بار بخاری خوانی کی ہے، ہر بار میرا مقصد حاصل ہوا اور اہم کام سر انجام پایا۔ اور علماء کے یہاں یہ بات بھی مشہور تھی کہ بخاری خوانی سخت سے سخت مصیبت میں بھی نجات کا ذریعہ ہے اور جس گھر

میں یہ کتاب ہوتی ہے اللہ تعالی اس کی آگ لگنے سے حفاظت کرتا ہے اور جس کشتی میں یہ کتاب ہو اللہ تعالی اس کو غرق ہونے سے حفاظت کرتا ہے اور معتمد علماء کے نزدیک ثبوت کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ بخاری مستجاب الدعوات تھے اور اپنی کتاب پڑھنے والے کے لیے دعائے خیر کی ہے۔(اشعۃ اللمعات، ص۱۱، ۱۲)

لامع الدراری کے مقدمے میں بھی اشعۃ اللمعات کے حوالے سے مذکورہ باتیں نقل کی گئی ہیں۔(مقدمة لامع الدراري شرح صحيح البخاري، ص۲۳، ط: ايج ايم سعيد كمبني، كراتشي).

فتاوی حقانیہ میں ہے: ”علامہ رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: قرونِ ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی؛ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکرِ خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کی اصل شرع سے ثابت ہے، بدعت نہیں“۔(فتاوی حقانیہ، ص۴۷)۔

صحیح بخاری کے چار مشہور راوی:

امام بخاری سے آپ کی کتاب ”الجامع الصحیح“ کو ابو عبد اللہ فربری کے قول کے مطابق ۹۰۰۰۰لوگوں نے سنا، لیکن اس کے مشہور راوی صرف چار ہیں:

۱-ابراہیم بن مَعقِل بن الحجاج ابو اسحاق النَّسفی (م:۲۹۴ھ)۔

۲-حماد بن شاکر بن سَوِیَّہ ابو محمد النسفی(م:۳۱۱ھ)۔

۳- محمد بن یوسف بن مطر ابو عبد اللہ الفِرَبْری(م:۳۲۰ھ)

۴-منصور بن محمد بن علی بن قرینہ بن سَوِیَّہ ابو طلحہ البزدوی (م:۳۲۹ھ)اور یہ صحیح بخاری کے آخری راوی ہیں، جیسا کہ ان کی تاریخ وفات سے ظاہر ہے۔

فربری نے امام بخاری سے اس کتاب کو دو مرتبہ سنا ایک مرتبہ فربر میں ۲۴۸ھ میں اور دوسری مرتبہ بخاریٰ میں ۲۵۲ھ میں، اور بعض نے امام بخاری کی وفات کے سال ۲۵٦ھ میں بھی امام بخاری سے فربری کی سماعت کا ذکر کیا ہے۔

ابو عبد اللہ فربری نے ۸۹ سال کی عمر پائی اور امام بخاری کی وفات کے بعد ٦۴ سال تک

صحیح بخاری کی تدریس میں لگے رہے اور بہت سے لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ اسی وجہ سے آپ ہی کے طریق سے یہ کتاب زیادہ مشہور و معروف ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے فتح الباری (۱/۴) میں محمد بن یوسف فربری کے نو (۹) مشہور تلامیذ کا ذکر کیا ہے:

۱- ابوزید محمد بن احمد المَروَزی (م:۳۱۷)۔

ان کے شاگرد: حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الاصیلی (م:۳۹۲ھ)، ابوالحسن علی بن محمد القابسی (م:۴۰۳) اور حافظ ابونعیم الاصبہانی (م:۴۳۰ھ) ہیں۔

۲- ابو علی سعید بن عثمان بن السکن (م:۳۵۳)۔

ان کے شاگرد: عبد اللہ بن محمد بن اسد الجُہنی (م:۳۹۵) ہیں۔

۳- ابونصر احمد بن محمد بن احمد الاخُسیکَثی (م:۳۶۷)۔

ان کے شاگرد: اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل الصفار الزاہد ہیں۔ (ان کی تاریخ وفات نہیں معلوم ہو سکی)۔

۴- ابواحمد محمد بن محمد الجرجانی (م:۳۷۳ یا ۳۷۴)۔

ان کے شاگرد: ابوالحسن علی بن محمد القابسی (م: ۴۰۳) اور حافظ ابونعیم الاصبہانی (م:۴۳۰ھ) ہیں۔

۵- ابو علی محمد بن عمر بن شَبُّویہ (م:۲۷۵)۔

ان کے شاگرد: عبد الرحمن بن عبد اللہ الہمدانی (م: ۴۱۱ھ) اور سعید بن احمد بن محمد العَیّار (م:۴۵۷ھ) ہیں۔

۶- ابواسحاق ابراہیم بن احمد المُستَملی (م:۳۹۵)۔

ان کے شاگرد: عبد الرحمن بن عبد اللہ الہمدانی (م:۴۱۱ھ) اور حافظ ابوذر عبد بن احمد الہَرَوی (م:۴۳۴ھ) ہیں۔

۷- ابو محمد عبد اللہ بن احمد الحَمَوی السَّرَخْسی (م:۳۸۱)۔

ان کے شاگرد: حافظ ابو ذر عبد بن احمد الہَرَوی (م: ۴۳۴ھ) اور ابوالحسن عبدالرحمن بن محمد بن مظفر الدّاوودی (م:۴۶۷) ہیں۔

۸- ابوالہیثم محمد بن مکی الکُشْمِیھَني (م:۳۸۹)۔

ان کے شاگرد: حافظ ابوذر عبد بن احمد الہَرَوی (م: ۴۳۴ھ)، ابو سہل محمد بن احمد الحفصی (م:۴۶۶) اور کریمہ بنت احمد المَرْوَزِیَّہ (م:۴۶۳) ہیں۔

۹- ابو علی اسماعیل بن محمد بن احمد بن حاجب الکُشانی (م:۳۹۱)۔

ان کے شاگرد: ابو العباس جعفر بن محمد المُستَغفِری (م:۴۳۲) ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو علی کشانی فربری کے آخری راوی ہیں۔ (فتح الباری ۱/ ۴) اور ان کی تاریخ وفات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام نووی اور عبد الغنی مجددی نے فربری کے بعض اور رواۃ کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن مشہور رواۃ وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سب طرق میں سب سے زیادہ قوی ابوذرالہروی کا طریق ہے، اس لیے کہ وہ مستملی، سرخسی اور کشمیہنی تینوں سے روایت کرتے ہیں اور تینوں میں تمییز اور فرق بھی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اچھی طرح ضبط کیا ہے۔ (فتح الباری ۱/ ۷)

مصادر و مراجع

١. أبجد العلوم، لأبي الطيب محمد صديق خان القِنَّوجي (م: ١٣٠٧هـ)، الناشر: دار ابن حزم.

٢. الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، للعلامة المحدث محمد زكريا الكاندهلوي (م:١٤٠٢)، ط: المكتبة اليحيوية- سهارنفور، الهند.

٣. الإتقان في علوم القرآن، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين (م:٩١١)، ط: مجمع الملك فهد.

٤. الأحاديث المختارة، أو المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاري ومسلم في صحيحيهما، للمقدسي: ضياء الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد (م:٦٤٣هـ)، الناشر: دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت – لبنان.

٥. أحكام القرآن، للجصاص: أبو بكر أحمد بن علي الرازي (م:٣٧٩)، سهيل أكيدمي- لاهور، باكستان.

٦. إحياء علوم الدين، للغزالي: محمد بن محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (م:٥٠٥)، ط: دار المنهاج- الرياض.

٧. الأذكار، للنووي: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (م: ٦٧٦هـ)، الناشر: دار الفكر- بيروت.

٨. إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، للقسطلاني: أبو العباس شهاب

الدين أحمد بن محمد (م:۹۲۳)، الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية- مصر.

۹. الإصابة في تمييز الصحابة، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:۸۵۲)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

۱۰. أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثني عشرية، للدكتور ناصر بن عبد الله بن علي القفاري، ط: دار الخلفاء الراشدين- الإسكندرية.

۱۱. إعلام الموقعين عن رب العالمين، لابن قيم الجوزية: شمس الدين محمد بن أبي بكر (م: ۷۵۱هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية – ييروت.

۱۲. إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة، للإمام أبي الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي (م:۱۳۰٤)، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية.

۱۳. إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال، لمغلطاي بن قليج المصري الحنفي (م:۷٦۲)، الناشر: الفاروق الحديثة- القاهرة.

۱٤. إكمال المعلم بفوائد مسلم، للقاضي عياض بن موسى بن عياض، أبو الفضل السبتي (م:٥٤٤)، ط: دار الوفاء، مصر.

۱٥. الإمام البخاري وصحيحه، للدكتور عبد الغني عبد الخالق (م:۱٤۰۳)، ط: دار المنارة، جدة.

۱٦. الأنساب، للسمعاني: عبد الكريم بن محمد السمعاني المروزي (م: ٥٦۲)، ط: مجلس دائرة المعارف العثمانية- حيدر آباد، دكن.

۱۷. أنساب الأشراف، للبلاذري: أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البَلاذُري (م:۲۷۹، ط: دار الفكر، بيروت.

۱۸. أنوار التنزيل وأسرار التأويل = تفسيرالبيضاوي، للبيضاوي: ناصر

الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي (م:٦٨٥)، ط: إحياء التراث العربي.

١٩. امداد الفتاوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م:١٣٦٢ھ)، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

٢٠. امداد المفتیین، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (م:١٩٧٩ء)، ط: دار الاشاعت - کراچی۔

٢١. اسعاد الفہوم شرح سلم العلوم، حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی (م:١٤١٨)، ط: مکتبہ رحمانیہ، باندہ، یوپی، انڈیا۔

٢٢. اشرف السوانح، سوانح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م:١٣٦٢ھ)، ترتیب: خواجہ عزیز الحسن مجذوب (م:١٩٤٤ء)، ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ - ملتان۔

٢٣. اشعۃ اللمعات، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م:١٠٥٢)، ط: کتب خانہ مجیدیہ - ملتان۔

٢٤. البحر المحيط في أصول الفقه، للزركشي: أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر (م:٧٩٤)، الناشر: دار الكتبي- القاهرة.

٢٥. البدء والتاريخ، للمطهر بن طاهر المقدسي (م: نحو٣٥٥)، ط: مكتبة الثقافة الدينية - القاهرة.

٢٦. البدع والنهي عنها، لأبي عبد الله محمد بن وضاح القرطبي (م: ٢٨٦هـ)، الناشر: مكتبة ابن تيمية- القاهرة.

٢٧. بذل المجهود في حل سنن أبي داود، للشيخ خليل أحمد السهارنفوري (م:١٣٤٦)، ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت.

٢٨. بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية، لمحمد بن محمد بن مصطفى، أبي سعيد الخادمي الحنفي (م:١١٥٦)، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

٢٩. براہینِ قاطعہ بجواب انوارِ ساطعہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م:١٩٢٧ء)، ط: دار

الاشاعت، کراچی۔

۳۰. بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی (م:۱۳۶۲ھ)، ط: مکتبۃ الحسن، لاہور۔

۳۱. تاج العروس من جواهر القاموس، لمحمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق، الملقب بمرتضى الزَّبيدي (م:١٢٠٥)، ط: دارالهداية- القاهرة.

۳۲. تاريخ ابن خلدون = ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر...، لابن خلدون: عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون الإشبيلي (م:٨٠٨)، ط: دار الفكر- بروت.

۳۳. تاريخ ابن يونس: أبو سعيد عبد الرحمن بن أحمد بن يونس الصدفي (م:٣٤٧)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

۳٤. تاريخ الإسلام، للذهبي: محمد بن أحمد بن عثمان شمس الدين الذهبي (م:٧٤٨)، ط: دار الكتاب العربي- بيروت.

۳۵. تاريخ بغداد، للخطيب: أحمد بن علي، أبو بكر الخطيب البَغدادي (م:٤٦٣)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

۳٦. تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس، للدِّياربَكْري: حسين بن محمد بن الحسن (م:٩٦٦)، ط: دار صادر- بيروت.

۳۷. تاريخ الطبري = تاريخ الأمم والملوك، للطبري: أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبري (م:٣١٠)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

۳۸. التاريخ الكبير = تاريخ ابن أبي خيثمة، لأبي بكر أحمد بن أبي خيثمة (م: ٢٧٩هـ)، الناشر: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر- القاهرة.

۳۹. تاريخ مدينة دمشق، لابن عساكر: علي بن الحسن بن هبة الله (م:٥٧١)، ط: دار الفكر- بيروت.

٤٠. تحريرُ المقال في موازنة الأعمال وحكمُ غير المكلفين في العقبى والمآل،

للقاضي أبي طالب عقيل بن عطية الطرطوشي (م:٦٠٨)، ط: دار الإمام مالك- أبو ظبي.

٤١. تدريب الراوي شرح تقريب النواوي، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين (م:٩١١)، تعليق الشيخ محمد عوامة حفظه الله، ط: دار المنهاج- جدة.

٤٢. تهذيب التهذيب، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:٨٥٢)، ط: مجلس دائرة المعارف- حيدرآباد، دكن.

٤٣. تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ليوسف بن عبد الله المزي، تحقيق الدكتور بشار عواد معروف، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

٤٤. التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة، للقرطبي: أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري الأندلسي (م: ٦٧١)، ط: مكتبة دار المنهاج — الرياض.

٤٥. تحرير تقريب التهذيب، لبشار عواد معروف، وشعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

٤٦. التحرير والتنوير، لابن عاشور: محمد طاهر بن محمد بن محمد طاهر بن عاشور (م:١٣٩٣)، ط: الدار التونسية- تونس.

٤٧. تحفة المحتاج في شرح المنهاج، للهيتمي: شيخ الإسلام أبو العباس أحمد بن محمد بن علي بن حجر (م: ٩٧٤هـ)، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى – مصر.

٤٨. تحقيق اسمي الصحيحين واسم جامع الترمذي، للشيخ عبد الفتاح أبو غدة (م:١٩٩٧م)، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب.

٤٩. الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك، لابن شاهين: أبو حفص عمر بن أحمد البغدادي (م: ٣٨٥هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية-

بيروت، لبنان.

٥٠. الترغيب والترهيب، لقوام السنة: أبو القاسم إسماعيل بن محمد بن الفضل القرشي الطليحي التيمي الأصبهاني، (م: ٥٣٥هـ)، الناشر: دار الحديث – القاهرة.

٥١. الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، للمنذري: عبد العظيم بن عبد القوي، أبو محمد ذكي الدين المنذري (م:٦٥٦)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٥٢. التسهيل لعلوم التنزيل، لأبي القاسم محمد بن أحمد الغرناطي (م: ٧٤١هـ)، ط: شركة دار الأرقم.

٥٣. تفسير ابن كثير= تفسير القرآن العظيم، لابن كثير الدمشقي: أبو الفداء إسماعيل بن عمر (م:٧٧٤)، ط: دار ابن الجوزي – الدمام.

٥٤. تفسير أبي حيان= البحر المحيط، لأبي حيان: محمد بن يوسف الأندلسي (م:٧٤٥)، ط: دار الفكر- بيروت.

٥٥. تفسير الخازن = لباب التأويل في معاني التنزيل، لعلي بن محمد بن إبراهيم الشيحي، علاء الدين، المعروف بالخازن (م:٧٤١)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٥٦. تفسير الرازي= التفسير الكبير= مفاتيح الغيب، للرازي: أبو عبد الله فخر الدين محمد بن عمر (م:٦٠٦)، ط: دار الفكر- بيروت.

٥٧. تفسير الطبري= جامع البيان في تأويل القرآن، لمحمد بن جرير الطبري، تحقيق الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر- القاهرة.

٥٨. تفسير القاسمي = محاسن التأويل، لمحمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم القاسمي (م:١٣٣٢)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٥٩. تفسير القرطبي = الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري الخزرجي (م:٦٧١)، ط: إحياء التراث العربي- بيروت.

٦٠. التفسير المظهري، لمحمد ثناء الله القاضي الفاني فتي العثماني المظهري، (م:١٢٢٥)، ط: مكتبة رشيدية- كوئته.

٦١. تقريب التهذيب، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:٨٥٢)، تحقيق: محمد عوامة، ط: دار اليسر- المدينة المنورة.

٦٢. التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير النذير في أصول الحديث، للنووي: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (م: ٦٧٦هـ)، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت.

٦٣. التقييد الكبير في تفسير كتاب الله المجيد، لأبي العباس أحمد بن محمد البسيلي التونسي(م: ٣٨٠هـ)، ط: جامعة الملك سعود- الرياض.

٦٤. التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، لابن عبد البر: يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمري القرطبي (م:٤٦٣)، ط: وزارة عموم الأوقاف- المغرب.

٦٥. التنبيه والرد على أهل الأهواء والبدع، للمَلَطي: محمد بن أحمد بن عبد الرحمن، أبو الحسين العسقلاني (م: ٣٧٧هـ)، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث — مصر.

٦٦. التوضيح لشرح الجامع الصحيح، لابن الملقن: سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري (م: ٨٠٤هـ)، الناشر: دار النوادر- دمشق.

٦٧. تهذيب التهذيب، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني

(م:٨٥٢)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٦٨. تالیفات رشیدیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م:١٣٢٣)، ط: ادارہ اسلامیات- لاھور، پاکستان.

٦٩. تفسیر عثمانی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی(م:١٩٤٩ء)، ط:السعودیہ۔

٧٠. تذکرۃ الرشید، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی(م:١٩٩٩ء)، ط:ادارہ اسلامیات-لاہور، پاکستان۔

٧١. الثقات، لابن حبان: محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي (م:٣٥٤)، ط: دائرة المعارف العثمانية- حيدر آباد، الدكن.

٧٢. جامع بيان العلم وفضله، لابن عبد البر: يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمري القرطبي (م:٤٦٣)، ط: دار الجيل- بيروت.

٧٣. الجواهر المضيَّة في طبقات الحنفية، لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القريشي، أبو محمد محي الدين الحنفي (م:٧٧٥)، ط: مير محمد كتب خانه- كراتشي، باكستان.

٧٤. الجواهر المكللة في الأخبار المسلسلة، للسخاوي، شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن (م:٩٠٢هـ)، ط: دار الفتح- عمَّان.

٧٥. حاشية الأمير على إتحاف المريد شرح جوهرة التوحيد، لمحمد بن محمد بن أحمد السنباوي الأزهري (م:١٢٣٢)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٧٦. حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي، لشهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي (م:١٠٦٩)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٧٧. حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، للطحطاوي: أحمد بن محمد بن إسماعيل الحنفي (م: ١٢٣١ هـ)، ط: المكتبة مير محمد- كراتشي.

٧٨. الحاوي للفتاوي، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين (م:٩١١)، ط: المكتبة الفاروقية- كراتشي، باكستان.

٧٩. حسن السمت في الصمت، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين (م:٩١١)، ط: دار العلم والإيمان- مصر.

٨٠. حلية الأولياء، لأبي نعيم: أحمد بن عبد الله الأصفهاني (م:٤٣٠)، ط: دار الكتاب العربي- بيروت.

٨١. حياة البخاري، للشيخ محمد جمال الدين القاسمي (م: ١٩١٤م)، ط: دار النفائس.

٨٢. الدارس في تاريخ المدارس، لعبد القادر بن محمد النعيمي الدمشقي (م: ٩٢٧هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت.

٨٣. الدر المختار مع حاشية محمد أمين بن عابدين الشامي (م:١٢٥٢)، ط: ايج ايم سعيد كمبني- كراتشي، باكستان.

٨٤. دراسات في أصول الحديث، لعبد المجيد التركماني، ط: دار ابن كثير، دمشق.

٨٥. الدر المصون في علوم الكتاب المكنون، لأحمد بن يوسف بن عبد الدائم، المعروف بالسمين الحلبي (م:٧٥٦)، ط: دار القلم- دمشق.

٨٦. درج المعالي شرح بدء الأمالي، لابن جماعة: عز الدين محمد بن أبي بكر الشافعي (م:٨١٩)، ط: مؤسسة الكتب الثقافية – بيروت.

٨٧. الدرة الفاخرة في كشف علوم الآخرة، للإمام الغزالي: أبو حامد محمد بن محمد (م:٥٠٥)، ط: المكتبة الثقافية- بيروت.

٨٨. دليل القاري إلى مواضع الحديث في صحيح البخاري، للشيخ عبد الله بن محمد الغنيمان، ط: مؤسسة الرسالة.

٨٩. دیوان الامام الشافعی، ترجمہ: مولانا عبد اللہ کاپودروی رحمہ اللہ تعالی، ط: مکتبہ بیت العلم، کراچی۔

٩٠. دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالی، ط: ادارۃ المعارف کراچی۔

٩١. رد المحتار، لابن عابدين الشامي: محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الشامي (م:١٢٥٢)، ط: ايج ايم سعيد كمبني- كراتشي، باكستان.

٩٢. الرسالة، للإمام الشافعي: أبو عبد الله محمد بن إدريس المطلبي القرشي (م:٢٠٤)، الناشر: مكتبه الحلبي- مصر.

٩٣. روح البيان، لإسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي (م: ١١٢٧)، الناشر: دار الفكر- بيروت.

٩٤. روح المعاني، لمحمود بن عبد الله شهاب الدين الآلوسي (م:١٢٧٠)، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت.

٩٥. روض الأخيار المنتخب من ربيع الأبرار، لمحيي الدين محمد بن قاسم بن يعقوب الأماسي الحنفي (م:٩٤٠هـ)، الناشر: دار القلم العربي- حلب.

٩٦. زاد المسير في علم التفسير، لابن الجوزي: عبد الرحمن بن علي بن محمد، أبو الفرج ابن الجوزي (م:٥٩٧)، ط: المكتب الإسلامى- بيروت.

٩٧. الزهد، لأبي داود السجستاني: سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأزدي السِّجِسْتاني (م:٢٧٥)، الناشر: دار المشكاة للنشر والتوزيع، حلوان.

٩٨. الزهد، لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م:٢٤١)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت.

٩٩. الزهد والرقائق، لابن المبارك: أبو عبد الرحمن عبد الله بن المبارك الحنظلي المرْوزي (م:١٨١)، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت.

١٠٠. سباحة الفكر في الجهر بالذكر، للإمام أبي الحسنات محمد عبد الحي اللكنوي (م:١٣٠٤)، الناشر: دار البشائر الإسلامية.

١٠١. سبل السلام شرح بلوغ المرام، للصنعاني: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، المعروف بالأمير (م:١١٨٢)، ط: دار الحديث- القاهرة.

١٠٢. السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض كلام ربنا الحكيم، للشربيني: شمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشافعي (م:٩٧٧)، ط: بولاق- مصر.

١٠٣. سنن أبي داود، لسليمان بن الأشعث السجستاني (م:٢٧٥) تحقيق: شعيب الأرنؤوط، ط: دار الرسالة العالمية.

١٠٤. سنن ابن ماجه، لمحمد بن يزيد القزويني، أبو عبد الله (م:٢٧٣)، بتحقيق محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء الكتب العربية.

١٠٥. سنن الترمذي، لمحمد بن عيسى بن سورة أبو عيسى الترمذي (م:٢٧٩)، تحقيق: بشار عواد معروف، ط: دار الغرب الإسلامي- بيروت.

١٠٦. سنن الدارقطني، لعلي بن أحمد، أبو الحسن الدارقطني (م:٢٨٥)، ط: دار المعرفة، بيروت.

١٠٧. سنن الدارمي، لعبد الله بن عبد الرحمن الدارمي السمرقندي (م:٢٥٥)، ط: قديمي كتب خانه- كراتشي.

١٠٨. سن النسائي = المجتبى من السنن= السنن الصغرى، لأحمد بن شعيب

النسائي (م:۳۰۳)، بعناية وترقيم عبد الفتاح أبوغدة، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت.

۱۰۹. السنن الكبرى، لأحمد بن شعيب النسائي (م:۳۰۳) بتحقيق حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

۱۱۰. السنن الصغير، للبيهقي: أحمد بن الحسين أبو بكر البيهقي (م:٤٥٨)، ط: دار الفكر- بيروت.

۱۱۱. السنن الكبرى، للبيهقي: أحمد بن الحسين أبو بكر البيهقي (م ٤٥٨)، ط: نشر السنة، ملتان، باكستان.

۱۱۲. سير أعلام النبلاء، للذهبي: محمد بن أحمد بن عثمان شمس الدين الذهبي (م:٧٤٨)، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت.

۱۱۳. سير السلف الصالحين، لقوام السنة: إسماعيل بن محمد الأصبهاني (م: ٥٣٥)، الناشر: دار الراية للنشر والتوزيع- الرياض.

۱۱٤. شذرات الذهب في أخبارمن ذهب، لابن العماد العَكري الحنبلي: عبد الحي بن أحمد بن محمد (م:١٠٨٩)، ط: دار ابن كثير، بيروت.

۱۱٥. شرح الأصول الخمسة، للقاضي عبد الجبار بن أحمد (م: ٤١٥)، الناشر: مكتبة وهبة- القاهرة.

۱۱٦. شرح أصول اعتقاد أهل السنة، للالكائي: هبة الله بن الحسن بن منصور الطبري الرازي اللالكائي (م:٤١٨)، ط: دار طيبة- الرياض.

۱۱۷. شرح الزرقاني على المواهب اللدنية، للزرقاني: محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المالكي (م:١١٢٢)، ط: دار المعرفة- بيروت.

۱۱۸. شرح السنة، للبغوي: محيي السنة أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعي (م: ٥١٦)، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق،

بيروت.

١١٩. شرح سنن أبي داود، لابن رسلان: شهاب الدين أبو العباس أحمد بن حسين المقدسي الرملي الشافعي (م:٨٤٤)، ط: دار الفلاح- مصر.

١٢٠. شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين (م:٩١١)، ط: دار المؤيد- الرياض.

١٢١. شرح صحيح البخاري، لابن بطال، تعليق أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد- الرياض.

١٢٢. شرح العقائد النسفية، لمسعود بن عمر بن عبد الله التفتازاني (م:٧٩٣)، ط: دار البيروتي- دمشق.

١٢٣. شرح معاني الآثار، للطحاوي: أحمد بن محمد بن سلامة، أبو جعفر الطحاوي (م:٣٢١)، ط: عالم الكتب- بيروت.

١٢٤. شرح النووي على مسلم= المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ليحيى بن شرف، أبو زكريا محيي الدين النووي (م:٦٧٦)، ط: دار الكتاب العربي- القاهرة.

١٢٥. شعب الإيمان، للبيهقي: أحمد بن الحسين أبو بكر البيهقي (م: ٤٥٨) بتحقيق عبد العلي عبد الحميد، ط: مكتبة الرشد- الرياض.

١٢٦. الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، للجوهري: أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي (م:٣٩٣)، تحقيق أحمد عبد الغفور عطار، ط: دار العلم الملايين- بيروت.

١٢٧. صحيح ابن حبان، لمحمد بن حبان البستي (م:٣٥٤)، تحقيق الشيخ شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

١٢٨. صحيح البخاري، لأبي عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم البخاري

(م:۲۵٦)، دار طوق النجاة- بيروت.

۱۲۹. صحيح مسلم، لأبي الحسن مسلم بن الحجاج النيسابوري (م:۲٦۱)، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت.

۱۳۰. صحيح ابن خزيمة، لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة النيسابوري (م:۳۱۱)، ط: المكتب الإسلامي- بيروت.

۱۳۱. صفة الصفوة، لابن الجوزي: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي (م:٥۹۷)، الناشر: دار الحديث- القاهرة، مصر.

۱۳۲. الصمت وآداب اللسان، لابن أبي الدنيا: أبو بكر عبد الله بن محمد بن عبيد البغدادي الأموي القرشي (م: ۲۸۱هـ)، الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت.

۱۳۳. ضوء المعالي على منظومة بدء الأمالي، لملا علي القاري: علي بن سلطان محمد الهروي (م:۱۰۱٤)، تحقيق: محمد عدنان درويش، ط: دار اقرأ للطباعة والنشر، دمشق.

۱۳٤. ضوء المعالي على منظومة بدء الأمالي، لملا علي القاري: علي بن سلطان محمد الهروي (م:۱۰۱٤)، تحقيق: عبد الحميد التركماني، ط: دارالفتح، عمان.

۱۳٥. طبقات الحنابلة، لابن أبي يعلى: أبو الحسن محمد بن محمد (م:٥۲٦)، ط: دار المعرفة- بيروت.

۱۳٦. طبقات الشافعية الكبرى، للسبكي: عبد الوهاب بن تقي الدين، تاج الدين السبكي (م:۷۷۱)، ط: هجر للطباعة والنشر- القاهرة.

۱۳۷. الطبقات الكبرى، لابن سعد: محمد بن سعد بن منيع أبو عبد الله (م:۲۳۰)، ط: دار صادر- بيروت.

١٣٨. العلل المتناهية في الأحاديث الواهية، لابن الجوزي: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد (م: ٥٩٧)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

١٣٩. عمدة القاري في شرح صحيح البخاري، للعيني: محمود بن أحمد بن موسى بدر الدين العيني (م:٨٥٥)، ط: دار الحديث، ملتان.

١٤٠. علم حدیث میں خانوادۂ ولی اللہی کی خدمات کا جائزہ / القلم، اپریل ٢٠١٦ء۔

١٤١. علوم القرآن، حضرت مولانا شمس الحق افغانی (م:١٤٠٣)، ط: میزان، کراچی، پاکستان.

١٤٢. غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، لأبي العون شمس الدين محمد بن أحمد السفاريني الحنبلي (م:١١٨٨)، ط: مؤسسة قرطبة- مصر.

١٤٣. الفائق في أصول الدين، لركن الدين بن الملاحمي الخوارزمي المعتزلي (م:٥٣٦)، ط: تهران.

١٤٤. الفتاوى الخيرية لنفع البرية، لخير الدين بن أحمد الرملي (م:١٠٨١)، الناشر: المطبعة الكبرى الميرية.

١٤٥. فتح الباري بشرح صحيح البخاري، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:٨٥٢)، ط: دار المعرفة- بيروت.

١٤٦. الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي، للمناوي: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين (م:١٠٣١)، الناشر: دار العاصمة – الرياض.

١٤٧. فتح المغيث بشرح الفية الحديث، للسخاوي: شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن (م: ٩٠٢)، الناشر: مكتبة السنة – مصر.

١٤٨. فتح الودود في شرح سنن أبي داود، للشيخ أبي الحسن السندي: محمد بن عبد الهادي (م:١١٣٨)، ط: مكتبة أضواء المنار- السعودية.

١٤٩. الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين للدقائق الحنفية، للجمل: سليمان بن عمر بالعجيلي الشافعي (م: ١٢٠٦)، ط: دار الفكر- بيروت.

١٥٠. الفصل في الملل والأهواء والنحل، لابن حزم: أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (م:٤٥٦)، ط: دار الجيل- بيروت.

١٥١. فصول العمادي = فصول الإحكام في أصول الأحكام، لزين الدين أبي الفتح عبد الرحيم بن أبي بكر عماد الدين المرغيناني (م: بعد سنة ٦٥١)، مخطوط.

١٥٢. فضائل القرآن، للمستغفري: أبو العباس جعفر بن محمد النسفي (م:٤٣٢)، الناشر: دار ابن حزم.

١٥٣. الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين، للشاه ولي الله الدهلوي، تعليق محمد عاشق إلهي البرني، ط: مكتبة الشيخ- كراتشي.

١٥٤. فنون الأفنان في عيون علوم القرآن، لابن الجوزي: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد (م: ٥٩٧)، ط: دار البشائر - بيروت.

١٥٥. الفوائد، لتمام الرازي، تحقيق حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة الرشد- الرياض.

١٥٦. الفوائد البهية في تراجم الحنفية، لمولانا عبد الحي اللكنوي(م:١٣٠٤)، ط: قديمي كتب خانه- كراتشي.

١٥٧. الفوائد الجليلة في مسلسلات ابن عقيلة، لابن عقيلة المكي، تحقيق الدكتور محمد رضا القهوجي، ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت.

١٥٨. فيض الباري على صحيح البخاري، أمالي محمد أنور شاه بن معظم شاه

الكشميري (م:١٣٥٣)، ط: مطبعة حجازي- القاهرة.

١٥٩. فيض القدير، للمناوي: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي (م:١٠٣١)، ط: المكتبة التجارية الكبرى- مصر.

١٦٠. فضائل اعمال، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی(م:۱۴۰۲) ، ط: زمزم پبلشرز۔

١٦١. فتاوی حقانیہ، افادات شیخ الحدیث مولانا عبد الحق ودیگر مفتیان کرام، ناشر: جامعہ دار العلوم حقانیہ، پاکستان۔

١٦٢. فتاوی رحیمیہ، حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری(م:۱۴۲۲)، ط: مکتبہ احسان، دیوبند۔

١٦٣. فتاوی عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، ط: مکتبہ دار العلوم، کراچی، پاکستان.

١٦٤. فتاوی فریدیہ، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب (م:۲۰۱۱ء)، ناشر: دار العلوم صدیقیہ، زروبی، پاکستان۔

١٦٥. فتاوی محمودیہ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی(م:۱۴۱۶) ، ناشر: دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی۔

١٦٦. قواطع الأدلة في الأصول، للسمعاني: أبو المظفر، منصور بن محمد المروزى (م:٤٨٩)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت.

١٦٧. القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، للسخاوي: محمد بن عبد الرحمن شمس الدين السخاوي (م:٩٠٢)، تحقيق: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان، بيروت.

١٦٨. الكامل في التاريخ، لابن الأثير: عز الدين أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد الشيباني الجزري (م:٦٣٠)، الناشر: دار الكتاب العربي- بيروت.

١٦٩. الكامل في ضعفاء الرجال، لابن عدي: أبو أحمد بن عدي الجرجاني (م: ٣٦٥)، ط: دار الفكر- بيروت.

١٧٠. الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل،

لمحمود بن عمر، أبو القاسم، جار الله الزمخشري (م:٥٣٨)، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت.

١٧١. كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، لحاجي خليفة: مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي (م: ١٠٦٧)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

١٧٢. الكنى والأسماء، للدولابي: أبو بِشْر محمد بن أحمد بن حماد بن سعيد بن مسلم الأنصاري الرازي (م: ٣١٠)، الناشر: دار ابن حزم - بيروت.

١٧٣. الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري، للكرماني: شمس الدين محمد بن يوسف (م: ٧٨٦)، الناشر: دار إحياء التراث العربي- بيروت.

١٧٤. *کفایت المفتی، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م:۱۳۷۲)، ط: مکتبہ امدادیہ- ملتان، پاکستان۔*

١٧٥. اللباب في علوم الكتاب، لأبي حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي (م: ٧٧٥)، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت.

١٧٦. لسان العرب، لابن منظور: محمد بن مكرم بن علي الأنصاري الإفريقي (م:٧١١)، ط: دار صادر- بيروت.

١٧٧. لسان الميزان، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:٨٥٢)، اعتناء عبد الفتاح أبو غدة (م:١٤١٧)، ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت.

١٧٨. لوامع الأنوار البهية، للسفاريني: شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم الحنبلي (م: ١١٨٨)، الناشر: مؤسسة الخافقين ومكتبتها – دمشق.

١٧٩. ما تمسُّ إليه الحاجة لمن يُطالع سنن ابن ماجه، المطبوع مع سنن ابن

ماجه، ، لمحمد عبد الرشيد النعماني (م:١٤٢٠م)، ط: قديمي كتب خانه- كراتشي.

١٨٠. مجاني الأدب في حدائق العرب، لرزق الله بن يوسف بن عبد المسيح بن يعقوب شيخو (م: ١٣٤٦هـ)، الناشر: مطبعة الآباء اليسوعيين- بيروت.

١٨١. المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين، لابن حبان: محمد بن حبان بن أحمد التميمي الدارمي (م:٣٥٤)، ط: دار الوعي- حلب.

١٨٢. مجمع الزوائد، لعلي بن أبي بكر نور الدين الهيثمي (م:٨٠٧)، ط: دار الفكر- بيروت.

١٨٣. المحرر الوجيز في تفسير كتاب الله العزيز، لأبي محمد عبد الحق بن غالب بن عطية الأندلسي (م:٥٤٦)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

١٨٤. المحن، لأبي العرب محمد بن أحمد بن تميم التميمي (م:٣٣٣)، ط: دار الغرب الإسلامي- بيروت.

١٨٥. مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، لابن قيم الجوزية: محمد بن أبي بكر بن أيوب (م:٧٥١)، ط: دار الكتاب العربي- بيروت.

١٨٦. المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، لعبد المجيد التركماني، ط: دار الرياحين- بيروت.

١٨٧. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، لملا علي القاري: علي بن سلطان محمد الهروي (م:١٠١٤)، ط: مكتبة إمدادية، ملتان.

١٨٨. مُرُوْج الذَّهب ومعادن الجوهر، للمسعودي: علي بن الحسين بن علي، أبو الحسن المسعودي (م:٣٤٦)، ط: دار الأندلس- بيروت.

١٨٩. مسألة خلق القرآن وأثرها في صفوف الرواة، لعبد الفتاح أبي غدة

(م:١٤١٧)، ط: مكتبة المطبوعات الإسلامية- حلب.

١٩٠. المستدرك على الصحيحين، للحاكم: أبو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري (م:٤٠٥)، ط: دار ابن حزم- بيروت.

١٩١. مسند أبي داود الطيالسي، لأبي داود سليمان بن داود الطيالسي البصرى (م: ٢٠٤هـ)، الناشر: دار هجر – مصر.

١٩٢. مسند أبي يعلى، لأحمد بن علي أبو يعلى الموصلي (م:٣٠٧)، تحقيق: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون، دمشق.

١٩٣. مسند أحمد، للإمام أحمد بن حنبل الشيباني (م:٢٤١)، تحقيق الشيخ شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

١٩٤. مسند البزار = البحر الزخار، لأبي بكر أحمد بن عمرو العتكي المعروف بالبزار (م:٢٩٢)، الناشر: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

١٩٥. المصنف لابن أبي شيبة: عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي (م:٢٣٥)، تحقيق: محمد عوامة، ط: المجلس العلمي- الهند.

١٩٦. المعارف، للدينوري: أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة (م: ٢٧٦هـ)، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة.

١٩٧. معاني القرآن، لأبي جعفر النحاس أحمد بن محمد (م:٣٣٨)، الناشر: جامعة أم القرى- مكة المرمة.

١٩٨. معاني القرآن، للفراء: أبو زكريا يحيى بن زياد الديلمي (م:٢٠٧هـ)، الناشر: دار المصرية للتأليف والترجمة – مصر.

١٩٩. معاني القرآن وإعرابه، للزجاج: إبراهيم بن السري بن سهل، أبو إسحاق (م: ٣١١)، الناشر: عالم الكتب – بيروت.

٢٠٠. المعجم الأوسط، للطبراني: سليمان بن أحمد أبو القاسم الطبراني (م:٣٦٠)، تحقيق: طارق بن عوض الله، ط: دار الحرمين- القاهرة.

٢٠١. المعجم الصغير، للطبراني: سليمان بن أحمد أبو القاسم الطبراني (م:٣٦٠)، ط: المكتب الإسلامي- بيروت.

٢٠٢. المعجم الكبير، للطبراني: سليمان بن أحمد أبو القاسم الطبراني (م:٣٦٠)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية- القاهرة.

٢٠٣. المعرفة والتاريخ، لأبي يوسف يعقوب بن سفيان الفارسي الفسوي (م: ٢٧٧هـ)، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت.

٢٠٤. مفتاح كنوز السنة ، للشيخ محمد فواد عبد الباقي (م:١٩٦٨م)، ط: المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة.

٢٠٥. مقالات الإسلاميين، للأشعري: علي بن إسماعيل بن إسحاق، أبو الحسن الأشعري (م:٣٢٤)، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٠٦. مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث، لابن الصلاح: عثمان بن عبد الرحمن، أبوعمرو تقي الدين (م: ٦٤٣هـ)، الناشر: دار الفكر- بيروت.

٢٠٧. المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، لابن الجوزي: عبد الرحمن بن علي بن محمد، أبو الفرج ابن الجوزي (م:٥٩٧)، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

٢٠٨. المنتقى من منهاج الاعتدال، للذهبي: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان (م:٧٤٨)، الناشر: الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية، السعودية.

٢٠٩. منحة الباري بشرح صحيح البخاري، المسمى: تحفة الباري، لشيخ الإسلام أبي يحيى زكريا الأنصاري الشافعي (م: ٩٢٦هـ)، ط: مكتبة الرشد- بيروت.

٢١٠. منهج النقد في علوم الحديث، لنور الدين عتر، ط: دار الفكر، دمشق.

٢١١. المواقف، لعبد الرحمن بن أحمد بن عبد الغفار، عضد الدين الإيجي (م:٧٥٦)، ط: دار الجيل- بيروت.

٢١٢. المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، لأبي العباس شهاب الدين أحمد بن محمد بن أبى بكر القسطلاني (م: ٩٢٣هـ)، الناشر: المكتبة التوفيقية- القاهرة.

٢١٣. موسوعة أقوال أبي الحسن الدارقطني في رجال الحديث وعلله، تأليف مجموعة من المؤلفين، الناشر: عالم الكتب للنشر والتوزيع - بيروت.

٢١٤. موسوعة فقه أبي هريرة، تأليف الدكتور محمد رواس قلعه جي، ط: دار النفائس.

٢١٥. موطأ محمد = موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني (م:١٨٩)، ط: قديمي كتب خانه- كراتشي.

٢١٦. الموطأ، للإمام مالك بن أنس بن مالك الأصبحي المدني (م:١٧٩) ، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت.

٢١٧. المهذب فيما وقع في القرآن من المعرب، للسيوطي: عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين (م: ٩١١)، الناشر: مطبعة فضالة – الإمارات.

٢١٨. ميزان الاعتدال في نقد الرجال، للذهبي: محمد بن أحمد بن عثمان شمس الدين الذهبي (م:٧٤٨)، ط: دار المعرفة- بيروت.

٢١٩. معارف القرآن، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یاسین عثمانی دیوبندی (م

۱۳۹۶)، ط: ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان.
۲۲۰. معارف القرآن، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م:۱۳۹۴)، ط: مکتبۃ المعارف، شہدادپور، سندھ، پاکستان۔
۲۲۱. مثنوی ہفت اورنگ، نور الدین عبد الرحمن بن احمد جامی (م:۸۹۸)، ط: کتاب فروش سعدی، تہران۔
۲۲۲. ماہنامہ البلاغ، ص۱٦، ربیع الاول ۱۴۴۰ھ / دسمبر ۲۰۱۸۔
۲۲۳. نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م:۸٥۲)، ط: مطبعة الصباح، دمشق.
۲۲٤. النور السافر عن أخبار القرن العاشر، لمحي الدين عبد القادر بن شيخ بن عبد الله العَيْدَرُوس (م: ۱۰۳۸)، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت.
۲۲٥. الوافي بالوفيات، للصفدي: صلاح الدين خليل بن أيبك بن عبد الله (م:۷٦٤)، ط: دار إحياء التراث– بيروت.
۲۲٦. الوسيط في تفسير القرآن المجيد، للواحدي: أبو الحسن علي بن أحمد النيسابوري، الشافعي (م: ٤٦۸)، الناشر: دار الكتب العلمية– بيروت.
۲۲۷. نقش حیات، خود نوشت سوانح حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م:۱۹۵۷ء)، ط: الجمعیۃ پریس، دہلی۔
۲۲۸. هُدَى الساري مقدمة فتح الباري، لابن حجر: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م۸٥۲)، ط: دار المعرفة– بيروت.
۲۲۹. اليواقيت والدرر في شرح نخبة ابن حجر، للمناوي: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين (م:۱۰۳۱)، ط: مكتبة الرشد– الرياض.

المؤلفات التي طبعت تحت إشراف دار التأليف والتصنيف ودار الإفتاء بدار العلوم زكريا، لينيشيا، جنوب إفريقيا

١- «**إعلام الفئام بمحاسن الإسلام وتنبيه البرية على مطاعن المسيحية**». كتاب مفيد مشتمل على المقارنة بين الإسلام والمسيحية فى العقائد والعبادات.

٢- «**خطبات الأحكام لجمعات العام**» بتصحيح متن الكتاب، والتنبيه على الأخطاء المطبعية التي تسرَّبت إليه، ثم التعليق عليه تعليقًا قيمًا جدًّا.

٣- «**مجموعة الخطب المنبرية**»، للعلامة عبد الحي الكفليتوي، بتعليقات مفيدة. مؤلف هذه المجموعة من الخطب عالمٌ من كبار العلماء والدعاة والأدباء. ومضمون الكتاب بحر عميق.

٤- «**الفتاوى السراجية**» للشيخ الإمام سراج الدين علي بن عثمان الأوشي الحنفي (م:٥٧٥هـ). كتاب قيم جدا فى الفقه الحنفي، كتاب صغير الحجم كثير النفع والإفادة، استفاد منه الفقهاء الكبار والأئمة الأعلام. وقد طبع خلال عشر سنوات عشر طبعات على الأقل.

٥- «**الدرة الفردة شرح قصيدة البردة**» (مجلدان) في اللغة العربية والأردية. اشتمل الكتاب على المباحث المفيدة والتحقيقات الغالية، وهو كتاب لا مثيل له في موضوعه.

٦- «**جواهر الأصول في مصطلح أحاديث الرسول**». هذا الكتاب موجزٌ في مبانيه، محيطٌ بالأصول الهامة، رصينٌ في معانيه، سهلٌ في حفظه، جمٌّ فوائده، كثيرٌ فرائده.

٧- «***قرارِ دل***» مجموعة القصائد، لفضيلة الشيخ المفتي رضاء الحق حفظه الله تعالى. بعض القصائد بالعربية، وبعضها بالأردية.

٨- «***بدر الليالي شرح بدء الأمالي***» (مجلدان). الكتاب يتناول موضوع العقيدة في أسلوب علمي محقق مدلل، وتنبيهات على الأخطاء والزلات في ضوء الأدلة والبراهين.

٩- «***فتاوى دار العلوم زكريا***» في تسع مجلدات كبار. كتاب كثرت الاستفادة منه في كثير من بلدان العالم، يتعرض لكثيرمن المسائل والتحقيقات التي لا يتعرض لها كتب أخرى.

١٠- «**الجزء اللطيف في الاستدلال بالحديث الضعيف**»، كتاب مهم جدا في بابه، فريد في مباحثه، تعرض لتوضيح مسألة أصولية كثر فيها الإفراط والتفريط.

١١- «***مستورات کی جماعتوں میں بھلائی کا راستہ***» (سبيل الخيرات في جماعات المتنقبات). اشتمل على بيان حكم خروج النساء في سبيل الله وفق منهج «جماعة الدعوة والتبليغ».

١٢- «***ذِکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں***» (غرس الأشجار لأثمار الجهر بالأذكار). كتاب لم يؤلَّف مثله في موضوعه، تلقاه العلماء بالقبول، طبع عدة مرات.

١٣- «**تزيين الظرف بأزهار قوانين الصرف**». في اللغة الأردية. هذا الكتاب مجموع الأمالي من حضرة الأستاذ المفتي رضاء الحق حفظه الله تعالى. فيه إيضاح قوانين الاعتلال وغيرها بشكل سهل واضح حتى لا يصعب على المبتدئين فهمه.

١٤- «**العصيدة السماوية شرح العقيدة الطحاوية**» (مجلدان) في اللغة العربية

والأردية. فيه توضيح وبيان وتنقيح وتفصيل لأكثر عقائد أهل السنة والجماعة، وبيان لما تعتقده الفرق المنحرفة عن مذهب أهل السنة والجماعة، وتنبيهات على الأخطاء والزلات التي صدرت من بعض الناس في ضوء الأدلة والبراهين. وكلام متين عادل مبسوط على مشاجرات الصحابة، ومسائل صفات الباري تعالى، والتوسل والاستغاثة، وما تفرد به العلامة ابن تيمية رحمه الله تعالى.

١٥- «**التعليقات الذَّهبِيَّة على متْن العقيدة الطحاوية**». قابلنا نصَّ الكتاب بست وثلاثين نسخةً خطيةً، وعدة نسخ مطبوعة، وكتبنا سبب اختلاف النسخ، والفوائد المتعلقة به. وأضفنا تعليقات مفيدة مختصرة على الكتاب. وترجمنا «متن العقيدة الطحاوية» إلى اللغة الأردية بغية التسهيل على المبتدئين، وألحقنا هذه الترجمة بآخر الكتاب.

١٦- «**جلوس الحواري لفهم دروس صحيح البخاري**». وهو مجموع أمالي حضرة الأستاذ المفتي رضاء الحق حفظه الله تعالى ورعاه. وله ميزات كثيرة ستراها القراء وطلاب العلم إن شاء الله تعالى. منها:

تلخيص الأبحاث والعبارات بألفاظ سهلة لطيفة مؤدية للمعنى التام. ومقارنة أقوال الشراح واختيار الأدق منها بعد المراجعة التامة. وذكر الفوائد التفسيرية والعقدية والفقهية والأصولية في كثير من المواضع. والأجوبة المقنعة عن طعون الحداثيين والمستشرقين في بعض أحاديث الرسول النبي الأمين صلى الله عليه وسلم وأحواله. واستنباط أحكام النوازل من الأحاديث المباركة.

وقد طُبع منه المجلد الأول بعون الله تعالى وتوفيقه، والباقي ينتظر الطباعة.